يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ
وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

ترجمہ: اللہ تمہارے اعمال کو درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا
اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو وہ بلاشبہ اپنی مراد کو پہنچ جائے گا

الفوز العظیم

مقالاتِ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

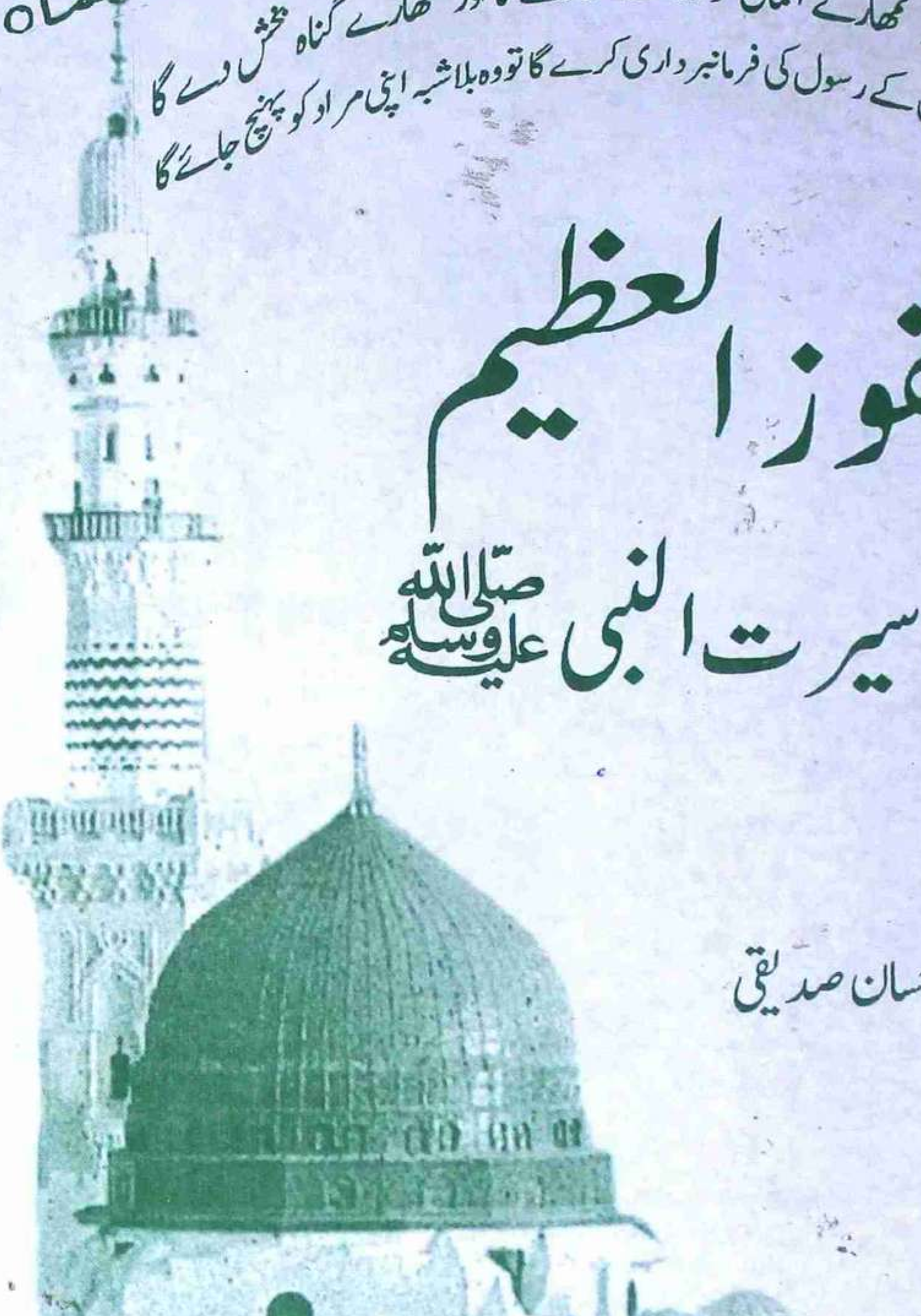

پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذنوبكم ومن يطع
الله ورسوله فقد فاز فوزاً عظيماo

ترجمہ : سنوار دے تمہارے اعمال اور تمہارے گناہ معاف کرے اور جسنے اطاعت کی اللہ اور اسکے رسول کی تو یقیناً وہ بڑا کامیاب ہوا۔

الفوز العظیم

پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

اسلامک فاؤنڈیشن آف پاکستان۔ کراچی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

نام کتاب : الفوز العظیم

مصنفہ : پروفیسر فائزہ احسان صدیقی

سرورق : سحر پیرزادہ

کمپوزنگ : جناب جاوید صاحب

سن طباعت : 1999ء

ناشر : اسلامک فاؤنڈیشن آف پاکستان۔ کراچی
پوسٹ بکس نمبر ۷۰۰۴،
کراچی ۷۴۰۰۰

قیمت : Rs 150/=

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماریہ

فارحہ

اور

محمد رافع کے نام

میری دعا ہے کہ اللہ انہیں اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فائزہ احسان صدیقی

۱۰ اکتوبر ۱۹۹۹

کچھ اپنی باتیں

مجھے یاد ہے کہ اپنے بچپن میں صبح و شام، دن رات، سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے میرے کانوں میں ابّا جی مرحوم کی تلاوت کی آواز گونجا کرتی تھی۔ اس آواز کی کشش اور کلام کی تاثیر میرے رگ و پے میں اترتی چلی گئی۔ (وہ دن بھر میں عموماً دس پارے تلاوت کرتے تھے) اور یوں میرے اور میرے بھائی بہنوں کی شخصیات کی تعمیر میں تلاوتِ کلام کے تار و پود کا خاص دخل ہے۔

تلاوتِ سے فارغ اوقات میں ابّا جی کی اپنے احباب و عزیزوں سے گفتگو ہوتی تو اسمیں قرآن کی آیات کے حوالے ہوتے، احادیث بیان ہوتیں، فقہ اور علم الکلام کی موشگافیاں ہوتیں۔ کچھ سمجھ میں آتا اور بہت کچھ سمجھ سے بالاتر ہوتا۔

اماں جی مرحومہ کی باتیں حکیمانہ اور عالمانہ تو نہ تھیں مگر اللہ پر ایمان و ایقان اور آنحضرت ﷺ سے محبت کو انہوں نے ہم بھائی بہنوں کے خمیر میں اتار دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت ساتھ ساتھ ہے ہر ایک عمل کا نگراں اور نگہباں۔ اس کی مدد شامل حال رہنے کا یقین اور ہر کام میں اس کی مدد شامل حال ہونے پر ایمان، ہر کام کے سلسلے میں خوف کہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ "بیٹی پانی احتیاط سے کھولو اللہ کے حضور قطرے قطرے کا حساب دینا ہوگا۔"

یہ ان کے عمل کی سیدھی سادی باتیں تھیں رسولِ کریم ﷺ سے محبت ہمیں ورثے میں ملی تھی۔ ہمارے رگ و پے میں سمودی گئی تھی۔

غرض یہ کہ دین ہم نے اپنے گھر سے، اپنے ماں باپ سے، اپنے ماحول

سے سیکھا۔ علمی طور پر بھی اور عملاً بھی۔

یہ ماحول تھا کہ جس میں دنیاوی اسباب و ذرائع کی قلت کے باوجود ہم سب بھائی بہن پروان چڑھے اور پھر ہوا یہ کہ دور طالب علمی میں تقریر و تحریر کی صلاحیتوں کو جلاء بخشنے اور صیقل کرنے میں بھائی جان (میرے بڑے بھائی جناب علی الحق صدیقی صاحب جدّہ) اور میری بہن سعدیہ باجی (مسز سعدیہ روشن۔ ابو ظبہی) نے بہت حصّہ لیا۔ دور طالب علمی کی کامیابیوں کے بعد عملی زندگی میں آنے پر مجھے یہ احساس ہوا کہ اللہ نے مجھے زبان و بیان اور تحریر و تقریر کی جو صلاحیتیں دی ہیں۔ وہ تمام صلاحیتیں اللہ کے اور رسول کریم ﷺ کے دین کی تبلیغ، ترویج و اشاعت میں کام آنا چاہئیں۔ اور میں نے جلسہ ہائے سیرت اور محافل میلاد میں تقریر کرنا اور سیرت طیّبہ کا بیان کرنا شروع کر دیا۔

۱۹۸۴ء میں مملکتہ السعودیہ العربیہ میں دو سال قیام کے بعد واپس لوٹی تو اس دوران مرکزی وزارت امور مذہبی اسلام آباد نے خواتین کی سیرت کانفرنسوں کا انعقاد و اہتمام کا آغاز کر دیا تھا۔ محترمہ قمر النساء قمر صاحبہ کے توسط سے پہلی مرتبہ ۱۹۸۵ء میں سیرت کانفرنس میں شرکت کا موقع ملا۔ (محترمہ قمر النساء قمر صاحبہ اس زمانے میں ممبر قومی اسمبلی تھیں) میں نے سیرت کانفرنس کے لئے پہلی دفعہ مقالہ لکھا۔ اس کے بعد وزارتِ امور مذہبی نے ۱۹۸۶ء سے مقالہ جات تحریر کرنے کے لئے باقاعدہ موضوعات کا اعلان کیا۔ اور سیرت کانفرنسوں کا انعقاد و اہتمام بلاشبہ میرے لئے اور میری طرح بہت سی خواتین کے لئے تحریک و ترغیب کا باعث ہوا کہ سیرت طیّبہ اور سیرت

صحابیات کا مطالعہ کریں۔اور تحقیقی نوعیت کے مقالے لکھیں۔اور یوں بلاشبہ وزارت امور مذہبی مبارکباد کی مستحق ہے کہ اس نے خیر کے اور بھلائی کے اس کام کی طرف راغب کیا۔

سیرت طیبہ اور سیر صحابیات کے مطالعے سے مجھے احساس ہوا کہ سیرت کا توصیفی بیان اتنا موثر نہیں ہو سکتا بلکہ اطلاقی نقطۂ نظر سے بیان و تذکرہ ہونا چاہیئے۔

سرکار دوعالم ﷺ سے بے پناہ محبت جو ہر مسلمان کے دل میں موجزن ہے اسے اطلاق عمل کی طرف لانے کی ضرورت ہے۔

ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عملاً دین سے کتنے دور ہیں۔ہمارے گھروں کا اسلامی تعلیم وتربیت کا ماحول ختم ہوتا جارہا ہے۔مائیں اور باپ اولاد کو نہ تو دینی معلومات دیتے ہیں نہ دینی کردار و عمل کی تربیت۔قرآن سے شغف، اللہ کی خشیت اور اس کے سامنے جوابدہی کا تصور اور رسول کریم ﷺ کی سیرت اور احادیث مبارکہ سے واقفیت و آگہی اور اتباع و پیروی کا رجحان کتنا ہے؟ نبی کریم ﷺ سے محبت کا تقاضہ کیا ہے؟

میں دین کی ادنیٰ طالبہ ہوں مجھے عالمہ ہونے کا ہرگز دعویٰ نہیں ہے بلکہ جو کچھ دین کی تھوڑی بہت معلومات ہیں وہ بھی میرے والدین کا فیض تربیت ہے۔ہم آج کی مسلمان عورتیں، آج کی اہل ایمان مائیں اپنی نسل کو کتنا دین سکھا رہی ہیں؟ان میں دین کے علم و عمل کو کتنا سمو رہی ہیں؟ اور آج بیرونی عناصر (خصوصاً ٹی وی اور ڈش) گھروں کی اسلامی تربیت پر کتنا اثر انداز ہو رہے ہیں؟

اللہ کرے دین سے غفلت و بے شعوری کے اس طرز حیات کو ترک کر کے ہم سب اللہ کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کی پیروی کو شعار بنالیں تو فوزالعظیم ہمارا مقدر بن جائے اور ہم بھی فائزالمرام ہو سکیں۔ انشاء اللہ۔

میں ان تمام حضرات و خواتین کی شکر گذار ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً ان مقالہ جات کی تیاری اور اشاعت میں میری معاونت فرمائی۔ نیز قارئین سے گذارش ہے کہ اس کتاب میں جہاں بھی اصلاح کی ضرورت ہو، تحریری طور پر ضرور مطلع فرمائیں۔

شکریہ

طالبِ دعا

فائزہ احسان صدیقی

اکتوبر 1999۔ کراچی

A-8,Block-4

گلشن اقبال، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Phone: 6646630

BAZM-E-TAZYIN-E-ADAB PAKISTAN (Regd.)

BAIT-UL-FAYYAZ A-308 N. NORTH NAZIMABAD, KARACHI.

Ref. ________ Date 1.7.98

(۱)

پروفیسر ڈاکٹر خورشید خاور امروہوی
سرسید یونیورسٹی اینڈ ٹیکنالوجی
کراچی

پروفیسر رعنا فائزہ احسان جنہیں اگر صدر اول کی بے مثل و محترم مخدرات اسلام کے بعد کی لائق تحسین و آفرین اور قابل تقلید دختران اسلام کی صف میں شامل نہ کیا جائے تو ان سے (کم از کم بیسویں صدی کی) بے انصافی ہوگی۔ ان لائق و فائق خواتین کی کسی صف میں ضرور شامل [illegible] ہے کہ جن کے ذکر کے بغیر ہماری مذہبی، سماجی، علمی اور تہذیبی روایات کی تاریخ کا حصہ نہیں بن سکتے۔ فائزہ میں ماضی کی ان دختران اسلام کے اکثر خصائل و محاسن کا پرتو ظاہر ہوتا ہے جو ہمارا قیمتی سرمایہ ہماری اسلامی تاریخ کا ورثہ ہیں۔

مثالی خاتون

فائزہ دینی لحاظ سے صوم و صلوٰۃ کی پابند، تقویٰ و توکل پر عمل پیرا ہیں یہ مخیر ہیں اور دیگر شعائر اسلامیہ پر بھی کاربند نظر آتی ہیں۔ دنیوی اعتبار سے یہ بلند اخلاق باکردار، مہذب و ملنسار، مخلص اور دوسروں کے کام آنے والی خاتون ہیں علمی اعتبار سے یہ بہت حلیم الطبع فہیم و عقیل اور ذہین و روشن [illegible] ہیں۔ ہر چند کہ یہ بی اے آنرز کے بعد معاشیات کی ایم اے ہیں لیکن ان کا اسلامیات کا علم بھی مسلم ہے جس کا سبب ان کی گھریلو تعلیم و تربیت ہے جسے ان کے والد محمد احسان الحق صدیقی نے اپنے مذہبی خیالات، خداداد ذہانت، علمی لیاقت اور ملکہ نے خاندان قریشی کی تیمی شاخ کی صدیقیت سے جلا بخشی جس کی [illegible] اول (اعلیٰ درجہ کے شاعر اور عالم دین) خود بھی ہندو مولانا محمد اسرار الحق صدیقی سفر زندہ ارحمنہ، فاضل طب و فاضل درس نظامی مولوی حکیم (اور نانا حکیم عبدالماجد) محمد اسرار الحق صدیقی نے رکھی تھی۔ چنانچہ ان کی اولاد نے خاطر خواہ اثر قبول کیا خوش قسمتی سے (فائزہ ایک صدیقی کی بیٹی اور ایک صدیقی کی بہو ہیں۔) فائزہ کی بڑی بہن پروفیسر سعدیہ روشن صدیقی نے سیاسیات میں ایم اے کیا اور تقریباً (۳۰ سال) تک جامعہ کراچی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ سعدیہ بہت اچھی شاعرہ ہیں ان کا ایک مجموعہ کلام "روشنی بکھرتی ہے" شائع ہو کر داد و تحسین حاصل کر چکا اور دوسرا مجموعہ کتابت کے مراحل میں ہے۔ اتفاق سے سعدیہ بھی صدیقی باپ کی بیٹی اور صدیقی خسر کی بہو ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Phone: 6646630

BAZM-E-TAZYIN-E-ADAB PAKISTAN (Regd.)

BAIT-UL-FAYYAZ A-308 N. NORTH NAZIMABAD, KARACHI.

(۲)

Ref. ____________ Date ____________

فائزہ نے جس مذہبی اور تہذیبی ماحول میں خود تربیت پائی ویسا ہی ماحول انہوں نے اپنے بچوں کو فراہم کیا ہے ان کے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ ان کے بیٹے نے گیارہ سال کی عمر میں کلام پاک حفظ کیا اور ساڑھے بارہ سال کی عمر میں باقاعدہ تراویح میں سنایا۔ ان کی ایک بیٹی کمپیوٹر انجینئرنگ میں ہے اور دوسری میڈیکل کی طالبہ ہے۔

اپنے دادا بزرگوار کا اثر قبول کرتے ہوئے فائزہ نے نعت گوئی کا شوق ورثہ میں پایا انہوں نے متعدد اچھی نعتیں تخلیق کی ہیں۔ فائزہ کو تحریر و تقریر دونوں اعتبارات سے امتیاز حاصل ہے۔ انہوں نے زمانہ طالبعلمی سے ہی مضمون نویسی اور مباحثوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ نقد اور اسنادی صورت میں انعامات اور ٹرافی وغیرہ ملنے سے ان کے اس تحریری اور تقریری ذوق کو فروغ حاصل ہوا اور یہ بین الکلیاتی مباحثوں اور مقابلوں میں انعامات پاتی رہیں۔ بہرحال درج ذیل ... حاصل ہیں جاری ہیں ۔ فائزہ نے ۱۹۷۰ء میں انجمن طالبات جامعہ کراچی کے زیر اہتمام منعقد مقابلہ مضمون نویسی

(۱) "پاکستانی ثقافت کی بنیادیں" کے زیر عنوان مضمون لکھ کر اول انعام حاصل کیا۔

(۲) ۱۹۷۲ء میں انہوں نے ایک مضمون پر "نشان اقبال" حاصل کیا۔

(۳) ۱۹۷۲ء میں جامعہ کی بہترین مقررہ کے طور پر ہیٹ ٹرک کی جانب سے گولڈ میڈل حاصل کیا۔

(۴) ۱۹۷۰ء میں کل پاکستان سائنس کانفرنس منعقدہ ملتان "ٹیکنالوجی کی معاشی توضیحات" کے عنوان سے مقالہ پڑھا اور داد و تحسین حاصل کی۔

وزارت امور مذہبی حکومت پاکستان اسلام آباد نے ۱۹۸۵ء سے سیرت کانفرنس منعقد کرنی شروع کیں جن میں فائزہ کے پیش کردہ مقالات، منتخب مقالوں کے مجموعوں میں شائع کئے گئے۔ انہیں ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۶ء کے مقالوں پر نقد انعامات اور امتیازی اسناد سے نوازا گیا۔ نیز انہیں ۱۹۹۹ء میں پریذیڈنٹ سیرت ایوارڈ سے نوازا گیا۔

علاوہ ازیں سندھ پروفیسرز اینڈ لیکچررز ایسوسی ایشن کی جانب سے:-

(۱) ۱۹۸۶ء میں "محسن نسواں اور مسلمان خواتین"

(۲) ۱۹۸۷ء میں "اصلاح معاشرہ میں خواتین کا کردار، تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں"

(۳) ۱۹۸۸ء میں "اسلامی ریاست کی تعمیر و ترقی میں خواتین کا کردار اور ذمہ داریاں، تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں"

(۴) ۱۹۸۹ء میں "دور جدید اور مسلمان خواتین کے حقوق و فرائض"

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Phone : 6646630

BAZM-E-TAZYIN-E-ADAB PAKISTAN (Regd.)

BAIT-UL-FAYYAZ A-308 N. NORTH NAZIMABAD, KARACHI.

(۳)

Ref. ____________ Date ____________

(۵) ۱۹۹۰ء میں "پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں ماں کی حیثیت و کردار"۔ اس مقالہ پر انہیں انعام بھی دیا گیا۔

(۶) "حصول علم اور مسلمان خواتین" کے زیر عنوان مقالہ تحریر کیا، ۱۹۹۲ء میں کل پاکستان مذاکرے مقابلے کی اول انعام کی مستحق قرار دی گئیں۔

(۷) ۱۹۹۳ء میں "سماجی برائیوں کے انسداد میں خواتین کا کردار تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں"۔ اس مقابلے میں بھی یہ صوبہ سندھ میں دوئم انعام کی مستحق قرار دی گئیں اور انہیں اورینٹ آگہی ایوارڈ دیا گیا۔

(۸) ۱۹۹۴ء میں "سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ اور اکل حلال کے حصول میں خواتین کی ذمہ داریاں ازواج مطہرات کے اسوۂ مبارکہ کی روشنی میں"۔

(۹) ۱۹۹۵ء میں "عصر حاضر کے مسائل کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں"۔

(۱۰) ۱۹۹۶ء "تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں اعلیٰ اقدار کے فروغ میں دور حاضر کی مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں"۔ اس میں پھر یہ صوبہ سندھ میں دوسرے بڑے انعام کی مستحق ٹھہرائی گئیں۔

(۱۱) ۱۹۹۶ء میں ایک مقابلہ خانۂ فرہنگ ایران کے زیر اہتمام حضرت فاطمۃ الزہرا کانفرنس میں ہوا جس کا عنوان تھا "حضرت فاطمۃ الزہراؑ مسلمانوں کے لئے اسوۂ کاملہ"۔ اس میں بھی انہیں مقبولیت حاصل ہوئی۔

(۱۲) ۱۹۹۷ء میں مقالہ "استحکام پاکستان کے لئے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل کی جا سکتی ہے" پر لکھا۔

ہر چند کہ مذکورہ بالا تمام مقالے مقابلوں میں پیش کئے گئے اور اب ان پر کسی نقد و نظر کی ضرورت نہیں اس کے باوجود میں نے انہیں جستہ جستہ پڑھا اور تاریخی اعتبار، زبان و بیان کے لحاظ سے اور فن مقالہ نگاری کی رو سے اچھا نمونہ پایا۔ فائیزہ نے یہ مقالے محض تفریحاً نہیں لکھے بلکہ یہ ان حقائق پر مشتمل ہیں کہ جن سے انسانی کردار میں پختگی اور ایمان میں تازگی آتی ہے۔ یہاں میں صرف یہ کہہ کر اپنی بات مکمل کروں گا کہ فائیزہ معاشیات کی پروفیسر ہیں مگر انہوں نے اردو میں اسلامیات پیش کر کے اپنی تربیت کی خشت اول کو کامیاب باور کرا دیا ورنہ کہاں معاشیات اور کہاں اسلامیات اور پھر اردو میں اپنے مطمح نظر کا اس روانی سے اظہار جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اردو ادب کی فاضل ہیں نہ کہ معاشیات کی بلکہ مجھے یہ کہنے میں بھی کوئی تامل نہیں کہ فائیزہ نے جس روانی اور خوبصورت اردو میں اپنے مذکورہ مقالے لکھے ہیں کوئی اردو کا ماسٹر ان سے کیا بہتر لکھے گا۔ میری دعا ہے کہ ان کا قلم اسی طرح کی پیاری پیاری باتیں لکھ کر انہیں مقبولیت و شہرت کی منازل تک سرکار لے جائے۔ آمین۔ خاور

حامداً و مصلیاً

سیرت النبی ﷺ کے عنوان پر پوری دنیا میں مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں مگر وہ تمام کتب بھی آپ ﷺ کی زندگی اور سیرت طیبہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ بہر حال وہ لوگ خوش نصیب ہیں جنکو آپکی سیرت پر لکھنے کا شرف حاصل ہے۔ ان خواتین و حضرات میں محترم پروفیسر فائزہ احسان بھی ہیں۔ چونکہ پروفیسر صاحبہ ہمارے کالج میں احقر کے ساتھ ہی ہیں انکے ساتھ مختلف موضوعات پر گفت و شنید ہوتی رہتی ہے وہ ایک باعمل نیک سیرت اور اہل علم خاتون ہیں انکے مقالات رہنمائی جامع قرآن واحادیث اور اقوال ائمہ مجتہدین کے استدلال سے ماخوذ ہیں۔ محترمہ ہمارے ساتھ سیرت کانفرنس اسلام آباد میں بھی شریک رہی ہیں۔ یہاںپر بھی خواتین میں ان کی علمی حیثیت مسلمہ رہی اور آپ سیرت انعام حاصل کرتی رہی ہیں۔ یہ کتاب ہر مرد، خاتون، اہم علم خصوصاً پروفیسر حضرات کے لئے انتہائی مفید ہے۔

جسکے مطالعے سے نہ صرف دینی معلومات میں اضافہ ہوگا بلکہ دین و دنیا کی نعمتیں حاصل ہونگی اللہ رب العزت محترمہ کو مزید علمی و دینی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف سموں۔ ٹھٹھہ۔ سندھ)

۲۰ ستمبر ۱۹۹۹

DR. NASIR UDDIN
B.Sc. P.Ed. B.Ed. M.A. Ph.D.
Shahadat-ul-Alamia, Fazil-e-Arabi
Islamic Arabic & Law Courses

Additional Director.
[illegible] Foundation

Ex. General Secretary:
[illegible]

General Secretary:
[illegible]

Joint Secretary:
[illegible]

Writer For:
Al-Waris Monthly
[illegible] Monthly
[illegible] Quarterly
& Other Publication

Life member:
[illegible] International

Contact:
[illegible]
Nazimabad
Karachi-[illegible]
Phones

G.S: ATIK

باسمہٖ حامداً و مصلیاً

Dated: 04-6-99

طوطیٔ ہند حضرت، مولانا اسرار الحق صدیقی رشتکی علیہ الرحمہ کی پوتی محترمہ پروفیسر مسز فائزہ احسان صاحبہ کے مقالاتِ سیرت کا بغور مطالعہ کیا۔

موضوعات کے اعتبار سے ان مقالات کا مرکزی نکتہ "اصلاح النسواں" ہے۔

اگرچہ ان مقالات میں تقریباً بیس آیات اور اتنی ہی احادیث کی تکرار ہے مگر یہ انداز تحریر "اسلوب قرآنی" سے قریب ہونے کے باعث دل پذیر اور یاد رکھنے کیلئے مؤثر ہے۔

اگر مقالات میں مندرج ہر واقعے اور ہر حدیث کا مکمل حوالہ دیا جائے اور "کتابیات" میں بھی مکمل حوالہ ہو تو یہ کتاب، تحقیقی اعتبار سے مزید مستند ہو سکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مصنفہ کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اسے "اصلاح النسواں" کیلئے بالخصوص اور "اصلاح معاشرہ" کیلئے بالعموم مؤثر و مقبول بنائے (آمین)۔

؎ عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کریں جو لکھ کے کوئی بات
نظرِ کرم کرکے انہیں عامل بنائیے

04/6/99
احقر العباد و خادم الفقراء
ناصر الدین عفی عنہ

سیرت طیبہ ﷺ اور عورت

محترمہ پروفیسر کے مقالات کا موضوع سخن دراصل اشاعت حُبّ رسول ﷺ ہے جو ورثۂ اسلاف بھی ہے اور صحابہ و صحابیات کرام کا سرمایۂ حیات بھی، جنھوں نے سیرت مصطفےٰ ﷺ کو اپنا توشۂ آخرت بنالیا تھا۔ یہ ورثۂ محبت آج ہمارے ہاتھوں میں ایک امانت ہے اور اس کے بیج نہ صرف معاشرے کی خواتین بلکہ ہر مسلمان گھرانے میں ان کی اولاد کے دلوں میں بونے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم یہ کر گزریں گے تو یقیناً ہمارے معاشرہ کی خواتین بالخصوص اور ہر کنبے کی اولاد کے دل سیرت محمد عربی ﷺ کے ساتھ وابستہ ہو جائیں گے۔ عظمت مصطفےٰ ﷺ کے سارے کے سارے پہلو آنکھوں کے سامنے اجاگر ہو جائیں گے اور اپنے آئینہ دل میں جمال مصطفےٰ ﷺ کے عکس دیکھ لیں گے۔ کمال خُلق اور خلق ان کے دلوں کو موہ لے گا اور اسی شمع محبت کو وہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر کفر و ضلال کی ظلمتوں اور معاشرے کی بدحالی کا سینہ چیرتے ہوئے اپنی زندگی کی کٹھن راہوں کو طے کریں گے اور یوں ان کی منزل ان سے قریب تر ہوتی جائے گی۔ پیارے نبی ﷺ کی زندگی کے شب و روز ان کے لئے مثال اعلیٰ اور اسوۂ حسنہ بن کر ابھرے گی اور بلاشبہ نبی ﷺ کے اس فرمان کے مصداق بن جائیں گے۔

لا یؤمن احدکم حتی یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما٥

محترمہ پروفیسر فائزہ احسان صدیقی لائق تحسین ہیں جنھوں نے بحیثیت

استاد اس معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داری محسوس کی اور اصلاح معاشرہ کے لئے جس جس پہلو میں اشد ضروری تھیں ان پہلوؤں پر انھوں نے اپنے خطبات میں خواتین کی اصلاح کے لئے قرآن و سنت اور اسلام کی ان بہترین خواتین کی سیرت کی روشنی میں بہترین تجاویز پیش کی ہیں۔ آپ نے جن موضوعات پر خطبات پیش فرمائے ہیں ان میں خواتین کی ذمہ داریاں، ماں کی حیثیت و کردار، ازواج مطہرات کی سادہ زندگی، خواتین کا حصول علم، خواتین کے حقوق و فرائض اور حضرت فاطمہ الزہرہؓ مسلمان خواتین کے لئے اسوۂ کاملہ وغیرہ۔

احقر کے نزدیک اصلاح معاشرہ میں عورت کا کردار ایک بنیادی اور مرکزی کردار ہے اگر آج کی خواتین مغربی خواتین کے ساتھ مقابلہ کرنے کے بجائے قرآنی عورت بننے کی سعی کریں تو پھر معاشرہ کے اندر سے برائیاں ختم کرنے کے لئے ہیں کسی بیرونی سسٹم کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ کاش ہمارے اسلامی معاشرہ کی خواتین صرف اتنا کریں کہ جہاں وہ اولاد کے لئے اچھے اسکول اور تعلیم کا بندوبست کرتی ہیں وہ خود گھر میں اپنی اولاد کو ایک دفعہ قرآن عظیم کا ترجمہ پڑھ کر سنا دیں اور ایک احادیث کی کتب جیسے ریاض الصالحین یا الوفا جیسی کتاب بچوں کو ایک دفعہ پڑھ کر سنا دیں مجھے یقین ہے کہ ماں کے الفاظ بچوں کے سینے میں ایسے ہی پیوست ہوں گے جس طرح کمپیوٹر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پیوستہ ہو جاتے ہیں۔

پروفیسر صاحبہ نے اپنے تمام خطبات کو تحریر میں لا کر اس معاشرہ پر

ایک احسان کیا ہے کیونکہ اول تو آج کل کے اساتذہ کرام نے قلم چھوڑ دیا ہے اور اگر چلتا بھی ہے تو ایسے موضوعات کی طرف جس سے معاشرہ کے ہر فرد کو فائدہ نہیں مگر پروفیسر صاحبہ نے اس کمی کو محسوس کیا اور خود اگرچہ اکنامکس کی استاد ہیں مگر دین سے محبت اور ذمہ داری کو نبھانے کے لئے آپ نے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے معاشرے کی خواتین کی اصلاح کے لئے کئی مقالات رقم کئے ہیں۔ آپ کی یہ کوشش انتہائی مستحسن عمل ہے

۔راقم دعا گو ہے کہ آپ کی اس کاوش کو بارگاہ ربوبیت اور رسالت میں قبولیت حاصل ہو اور آپ کے لئے اس کو صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری
چئیر مین شعبہ پیٹرولیم ٹیکنالوجی جامعہ کراچی
جنرل سیکریٹری ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔
۲۱ ستمبر ۱۹۹۹

HOMŒOPATHIC
Dr. Hanif Ahmad Asadi
B.A. (Alig.)
Regd No. 5901

5, E. 6/19
NAZIMABAD
KARACHI.

Date ______________

مسز مائزہ رخ صدیقی کے دونوں مضامین بہت عمدہ ہیں وہ
زبان اور بیان دونوں پر دسترس رکھتی ہیں۔ مضمون اور موضوع پر حاوی ہیں۔ ہر بات
تحقیق کے ساتھ لکھی ہے۔ تمام ثبوت اور دلائل قرآن و سنت سے پیش کرتے
ہیں۔ مضمون کی ترتیب اور تدوین حد درجہ مناسب اور معقول ہے۔

ان کے قول کے مطابق انہوں نے چند مقالات اور چند مضامین لکھے ہیں۔ اگر وہ دستیاب
ہو سکیں تو ہمیں اور آپ کو اپنی بچیوں کے حوالے کرنے کے لئے ان سے حاصل کر لینا چاہئے
"زمانے" کی غلط فہمیوں کے علاوہ ان کو یہاں نہ تو املے کی غلطی ملی اور نہ
کسی جگہ تحریر میں جھول ملا۔ عقائد کے اعتبار سے وہ ایک متوازن اور صحیح ایمان
رکھتی ہیں۔ عورتوں کے مقام۔ ان کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کے سلسلے
میں ان کا نظریہ خالصتاً وہی ہے جو اللہ اور رسول ﷺ نے متعین فرمایا ہے
اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ کاش میری یہ رائے ان تک پہنچ سکے
میں ان سے بہت متاثر ہوا ہوں۔

والسلام

آپ کا
حنیف اسعدی

مقالہ جات کی تفصیلات :

۱۔ استحکام پاکستان کے لئے بہترین رہنمائی سیرت طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ۱۹۹۷ء — 19

۲۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ مسلمان عورت کے لئے اسوۂ کاملہ۔ نومبر ۱۹۹۶ء — ۲۵

خانۂ فرہنگ ایران کے زیر اہتمام منعقدہ حضرت فاطمۃ الزہرا کانفرنس میں پیش کیا گیا۔

۳۔ تعلیمات نبوی کی روشنی میں اعلیٰ اقدار کے فروغ میں دور حاضر کی مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں۔ ۱۹۹۶ء — ۶۶

۴۔ عصر حاضر کے مسائل اور ان کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں۔ ۱۹۹۵ء — ۸۸

۵۔ سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ اور اکل حلال کے حصول میں خواتین کی ذمہ داریاں ازواج مطہرات کے اسوۂ مبارکہ کی روشنی میں۔ ۱۹۹۴ء — ۱۱۹

۶۔ سماجی برائیوں کے انسداد میں خواتین کا کردار
تعلیمات نبوی کی روشنی میں۔ ۱۹۹۳ء 144

۷۔ حصول علم اور مسلمان خواتین۔ ۱۹۹۱ء 165

۸۔ پاک پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں 184

اسلامی معاشرے میں ماں کی حیثیت اور کردار۔

۱۹۹۰ء

۹۔ دور جدید اور مسلمان خواتین کے حقوق و فرائض 198

۱۹۸۹ء

۱۰۔ اسلامی ریاست کی تعمیر و ترقی میں خواتین کا کردار 232

اور ذمہ داریاں۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں۔ ۱۹۸۸ء

۱۱۔ اصلاح معاشرہ میں خواتین کا کردار تعلیمات 254

نبوی ﷺ کی روشنی میں۔ ۱۹۸۷ء

۱۲۔ محسن نسواں اور مسلمان خواتین ۱۹۸۶ء 261

۱۳۔ منتخب نعتیں 268

۱۴۔ شخصی کوائف 286

۱۵۔ الفوز العظیم 288

"استحکام پاکستان کے لئے بہترین رہنمائی سیرت طیبہؐ سے حاصل ہو سکتی ہے"

پاکستان کا مطلب کیا؟

پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرنے والی ایک نظریاتی مملکت ہے۔ ایک ایسی مملکت جو نظریہ پاکستان کی بنیاد پر وجود میں آئی اور یہ نظریہ صرف اور صرف "دین اسلام" ہے یعنی پاکستان کا قیام صرف اس لیے عمل میں آیا کہ یہاں حاکیت اور فرمانروائی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تسلیم نہیں کی جائے گی۔ یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نظریہ حیات کو جاری و ساری کرنے کا نام ہی نظریہ پاکستان ہے۔

قائد اعظم نے فرمایا کہ

"ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا مقصود تھا جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں"

نظریہ کسی قوم کے لیے قوت متحرکہ اور روح رواں کا کام دیتا ہے اس کی بدولت قوم میں اپنے تحفظ' سلامتی و بقاء اور استحکام کے لیے معرکہ آرا ہونے اور اپنی تعمیر نو کے لیے سرگرم عمل ہونے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔

استحکام کا مفہوم :-

استحکام کے ساتھ قیام اور تعمیر کا تصور آتا ہے بقاء و ارتقا کا تصور آتا ہے۔ جب کہ عدم استحکام کے ساتھ تخریب و تنزلی آتی ہے۔

استحکام سے مراد ایسی اجتماعی و معاشرتی صورتحال ہے جس میں انتشار نہ ہو' یگانگت و یک

جہتی کا احساس ہو۔

کسی عمارت کے استحکام کا انحصار اس کی بنیادوں کی گہرائی و گیرائی پر ہوتا ہے۔ اس کے آہنی ڈھانچے Frame work کی مضبوطی پر ہوتا ہے۔ اس کی تعمیر میں استعمال ہونے والی اینٹوں کے تعمیراتی مواد اور ساخت پر ہوتا ہے۔ اس عمارت کا بوجھ سہارنے یا اٹھانے والے ستونوں یا Pillars کی قوت پر ہوتا ہے۔

استحکام پاکستان :-

استحکام پاکستان سے مراد یہ ہے کہ مملکت پاکستان کی

(1) جغرافیائی سالمیت برقرار رہے۔ یعنی جغرافیائی سرحدوں کا تحفظ ہو۔

(2) نظریاتی سرحدوں کا تحفظ ہو۔

(3) افراد قوم ذات، رنگ نسل، صوبے کے خانوں میں بٹے ہوئے نہ ہوں۔

(4) معاشی استحکام ہو۔

(5) معاشرتی، سیاسی اور معاشی ادارے اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کریں۔

(6) معاشرتی، معاشی اور سیاسی اداروں کے درمیان رابطہ وار تباط ہو۔

(7) استحکام کے باعث لوگوں میں تحفظ کا احساس قوی ہو، ان میں قوت ارادی بڑھے اور بہترین شہریوں کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے اور عمل کرنے کے لیے ماحول سازگار ہو۔

(8) اندرونی طور پر ملک مضبوط اور خارجی طور پر کسی کا دست نگر نہ ہو۔

قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری :-

امام مالکؒ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے۔

"اس امت کے آخری حصے کے لوگوں کی اصلاح بھی اسی طرح ہوگی جس طرح پہلے لوگوں کی ہوئی تھی۔"

جن عوامل نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو استحکام بخشا اور ان کے رفعت و بلندی و کمال کا سبب بنے وہی عوامل آج پاکستان کے استحکام اور عروج و کمال کا باعث بن سکتے ہیں۔

عالم اسلام' امت مسلمہ اور استحکام :-

ایک ارب 25 کروڑ (1,250000000) مسلمان دنیا میں آباد ہیں لیکن مسلمان درگور اور مسلمانی در کتاب والی بات ہے ایک ارب 25 کروڑ نفوس کی جمعیت ایک مضبوط' مستحکم اور موثر جمعیت ہوسکتی ہے۔ بڑا اہم اور موثر کردار ادا کرنے والی قوت بن سکتی ہے۔ یہ جمعیت خود قوت مذہب سے توانائی حاصل کرسکتی ہے۔ خود اس کا استحکام منحصر ہے۔ اسلام پر' قرآن پر' حیات طیبہ اور اسوہ حسنہ سے اخلاص اور اتباع پر۔ قوم رسول ہاشمی اپنی ہیئت و ترکیب میں دیگر اقوام کی مانند نہیں ہے۔ بقول اقبال

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے رنگ و نسل پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

قرآن حکیم کا دعویٰ :-

قرآن کریم اپنے بارے میں دعویٰ کرتا ہے۔

ترجمہ :- سورہ ابراہیم آیت نمبر1

"(یہ) ایک (پرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ"

قرآن جو کتاب ہدایت ہے۔ نظری ہدایت فراہم کردیتا ہے اور ہدایت عملی صاحب قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی یعنی سیرت طیبہ اور سنت مطاہرہ۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور اسوہ قرآن اور سراسر قرآن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی قرآن مجید کی شرح اور تفسیر عملی ہی تو ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"میں اپنے بعد تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک قرآن اور دوسری میری سنت۔"

لہٰذا استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی قرآن اور سیرت طیبہ ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

استحکام پاکستان کے لیے بہترین رہنمائی' قرآن سے کیوں کر حاصل کی جاسکتی ہے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقوام اویضع بہ اخرین

"بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بعض قوموں کو رفعت و بلندی عطا فرما دیتے ہیں اور اسی کتاب کو چھوڑ دینے کی وجہ سے بعض قوموں کو نیچے گرا دیتے ہیں۔" مسلم

یعنی پیمانہ اس کتاب ہدایت کو بنایا گیا ہے جو بھی اس کتاب کے جتنا قریب ہوگا اتنا ہی بلند و مستحکم ہوتا چلا جائے گا یا روبہ کمال ہوگا اور جو اس کتاب سے جتنا دور ہوگا اتنا ہی نیچے گرتا جائے گا۔ تنزلی کا شکار ہوگا۔ اتنا ہی زوال پذیر ہوگا۔

یہ اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنی ایک سنت اور ہمارے لئے ایک مستقل راستہ بتا دیا ہے۔

علامہ اقبال نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے عروج و استحکام کا سبب اور ذریعہ قرآن کو قرار دیا اور آج امت مسلمہ کی بے بضاعتی، کم مائیگی، زبوں حالی اور زوال پذیری کا سبب ترک قرآن کو قرار دیا اور یہ حرف حرف سچائی ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

عالم اسلام — اور — اکیسویں صدی کا چیلنج :-

آج جب الیکٹرونک میڈیا، ریڈیو، ٹی وی نیز اخبارات رسائل و جرائد میں اس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے کہ امت مسلمہ نے عالم اسلام نے اکیسویں صدی میں داخلے کی کیا تیاری کی ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ من الحیث الامت اور من حیث القوم ہم پر یہ حقیقت منکشف و آشکار ہوجائے اور ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ اکیسویں صدی میں داخل ہونے کی شعوری تیاری اور آنے والی صدی کے چیلنج سے کامیابی کے ساتھ ہمکنار ہونے کے لیے بھی قرآن کو اپنے ہاتھوں میں اٹھاکر، اپنے قلوب میں اتار کر، اپنے عمل میں شعار کرکے، یعنی اپنی معیشت، اپنی سیاست، اپنی معاشرت، اپنی ثقافت، اپنی عدالت، اپنا قانون، اپنا دستور و آئین غرض اپنی زندگی کا قدم قدم قرآن کے احکام و تعلیمات کے مطابق کرلیں اور یہ ایک بہت محنت طلب اور مشقت طلب کام ہے اور قوت ایمانی کے ذریعے اور تائید و توفیق الٰہی کے ذریعے اور نیت کے اخلاص کے ذریعے ہی تکمیل پاسکتا ہے۔ مشکل کام تو ہے ناممکن نہیں ہے۔ تو قرآن کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں استحکام، رفعت و بلندی عطا فرما سکتا ہے بلکہ اگر ہم نے قرآن کے سبق کو دھرا لیا تو دنیا کی امامت کا کام بھی ہم سے لیا جاسکتا ہے۔

قیام پاکستان سے پہلے علامہ اقبال مرحوم کو اس وقت کے مسلمان سے شکوہ یہ تھا۔

"کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں"

اور آج ہمارا یہ عالم ہے کہ ہم کتاب خواں بھی نہ رہے۔ ذوق کتاب خوانی بھی کم اور کم ہوگیا اور مسلمان پستی اور پستی کا شکار ہوتے جارہے ہیں اور غیر مستحکم ہوتے جاتے ہیں۔

ہمارے زوال کا عدم استحکام کا سب سے بڑا سبب قرآن مجید سے لاتعلقی ہے اور قرآن سے لاتعلقی کو نہ صرف آخرت بلکہ اس دنیا کے اندر ذلت کا باعث قرار دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالٰی ہے

وقال الرسول یرب ان قومی اتخذو هذا القران مهجورا

"رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) (قیامت کے دن) یوں کہیں گے اے میرے رب! میری قوم نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا تھا۔ الفرقان آیت 30

قرآن کو چھوڑ دینا یہ ہے کہ کبھی اس کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے اور قرآن کو چھوڑ دینا یہ بھی ہے کہ اس کے معنے و مفہوم کو سمجھنے کی کوشش نہ کی جائے یا پھر کبھی اس کے مفہوم پر غور ہی نہ کیا جائے تو یہی ہم پاکستانی مسلمانوں کا حال ہے۔

ہماری خواری اور ذلت کا سبب قرآن کو چھوڑ دینا ہے۔ قرآن کو پس پشت ڈال دینے کو تو ہم قرآن کی بے حرمتی قرار دیتے ہیں لیکن عملاً" قرآن کے احکام کو نظرانداز کرنا بھی دراصل قرآن کو عملاً" پس پشت ڈالنے کے مترادف ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

خوار از مہجوری قرآن شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی

یہی شکوہ قرآن مجید کے اندر ان لوگوں کے بارے میں موجود ہے جو اس دنیا میں ذلت کا شکار ہورہے ہیں۔ یہود کے با، ے میں اور پھر سلمانوں کے بارے میں بھی آگے چل کر یہی فرمایا کہ ان اہل کتاب کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

استحکام کے اساسی اصول زیر غور آیات ربانی سے اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

استحکام کے حوالے سے قرآنی اصطلاحات کا تجزیہ

(1) عروۃ الوثقی :- سورۃ البقرہ - آیت نمبر256

ترجمہ : "دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ سیدھی راہ ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہوچکی جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں سے انکار کرے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے "مضبوط کڑے" (عروۃ الوثقی) کو تھام لیا۔ جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔"

عروۃ الوثقی : مضبوط کڑا یعنی دین کے اعلیٰ اور قوی سبب کو لے لیا جو نہ ٹوٹے اور نہ پھٹے خوب مضبوط، مستحکم اور گڑا ہوا۔ عروۃ الوثقی سے مراد ایمان، اسلام، توحید باری، قرآن اور خدا کی راہ کی محبت اور اسی کے لئے دشمنی کرنا ہے۔ یہ کڑا کبھی نہ ٹوٹے گا۔ یعنی قائم و مستحکم ہے۔ اور اس کڑے کو پکڑنے والے بھی قائم و مستحکم رہیں گے۔ ایک اور جگہ :

ان اللہ لایغیر مابقوم حتی یغیرو اما بانفسھم

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں۔

2- حبل اللہ :-

سورۃ ال عمران۔ آیت 103، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

"اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو"

1- حضرت علیؓ وابن مسعودؓ و ابو سعید الخدریؓ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے۔ "حبل اللہ القرآن" یعنی اللہ کی رسی سے مراد قرآن ہے۔

2- کوئی قوم نہ تو عزت و وقار سے زندہ رہ سکتی ہے اور نہ استحکام حاصل کرسکتی ہے جب تک اس کے افراد میں اتفاق و اتحاد نہ ہو۔

3- اور کوئی اتحاد پائندہ و پائیدار نہیں ہوسکتا جب تک محکم و حقیقی بنیادوں پر اس کی عمارت تعمیر نہ کی گئی ہو۔

4- ایسا اتحاد و ایسا اتفاق ہو جو سطحی نہ ہو۔ وقتی نہ ہو جسے کوئی تند و تیز لہر بہا کر لے جاسکے بلکہ حقیقی اور پائیدار ہو۔

مثلاً" زبان' رنگ و نسل گروہ اور فرقہ وغیرہ اتفاق و اتحاد کا وقتی طور پر ذریعہ تو بن سکتے ہیں۔ لیکن مستقل' محکم اور مضبوط اتحاد و اتفاق ان سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اس لئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد ہونے کا حکم دیا ہے۔ گویا اتفاق و اتحاد یگانگت و یک جہتی اللہ کا حکم ہے اور اس کے لئے وہ مستحکم بنیاد مقرر فرمائی جس سے محکم تر اور کوئی بنیاد نہیں ہوسکتی اور وہ مستحکم و محکم بنیاد قرآن کریم ہے۔

علامہ قرطبی نے بہت خوب فرمایا ہے۔ ترجمہ :-

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اعتقاداً" اور عملاً" کتاب و سنت کی رسی مضبوطی سے پکڑ لیں۔ ہمارے اتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور صرف اسی طرح اتفاق و اتحاد کی نعمت میسر آسکتی ہے جس سے ہمارے دین و دنیا کے حالات سنور سکتے ہیں۔"

3- **الدین القیم :-**

ترجمہ :- سورہ روم - آیت نمبر 30

"پس آپ کرلیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے۔ (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں یہی سیدھا دین مستحکم ہے۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔"

(اے غلامان مصطفیٰ! اے امت محمد تم بھی اپنا رخ اسلام کی طرف کرلو) اللہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اور ڈرو اس سے اور قائم کرو نماز کو اور نہ ہو جاؤ ان مشرکوں میں سے جنہوں نے پارہ پارہ کردیا اپنے دین کو اور خود گروہ گروہ ہوگئے (دین میں فرقہ واریت پیدا کرلی) ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے۔"

مراد یہ ہے کہ دین اسلام پر پوری طرح کاربند ہوجاؤ اور ارشاد ربانی کی تعمیل میں استقامت اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو۔

صاحب روح المعانی نے کسی دین کی طرف ہمہ تن توجہ سے اسے تعبیر کیا ہے۔ آج ہمارا جو طرز عمل ہے کہ دین کے کسی حکم کو تو اختیار کیا اور کسی حکم کو نظر انداز کیا یہ "دین قیمہ" کے خلاف ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطرت اللہ کے معنے "دین اسلام" بیان فرمایا ہے۔

علامہ آلوسی نے اس آیت کے معنے ان الفاظ میں بیان کئے ہیں۔

"یہ دین عقل سلیم سے کلیتاً ہم آہنگ اور فہم صحیح کے عین مطابق ہے۔ اسی لئے فطری طور پر نہ انسان اس سے رخ موڑ سکتا ہے نہ اس کا انکار کرسکتا ہے۔"

اس آیت کا مفہوم یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دین اسلام نے جو نظام حیات ہمیں دیا ہے وہ ہماری فطرت کے عین مطابق ہے اگر تم چاہو کہ اس نظام فطرت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام حیات تجویز کرلو جو اسلام کی طرح تمہاری فطرت کے عین مطابق ہو تو ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔

قیم مبالغے کا صیغہ ہے اس کے معنے ہیں ایسا سیدھا جس میں ذرا کجی نہیں۔ ایسا صحیح جس میں غلطی کا ادنیٰ احتمال تک نہیں لہٰذا یہ مضبوط و مستحکم دین ہے اور امت محمد اس وقت ہی استحکام حاصل کرسکتی ہے جب پوری یکسوئی سے اپنا رخ دین اسلام یعنی دین قیم کی طرف کرلے۔ جو دین خود قائم بذات ہو یعنی فطری تقاضوں کے عین مطابق مکمل' بالکل راست' مضبوط و مستحکم ہوگا اسی دین میں قائم اور برقرار رہنے یعنی استحکام کی صفت و صلاحیت ہوگی۔ اور اس کے سچے پیروکار استحکام حاصل کریں گے۔

امت میں اتحاد و اتفاق تب ہی برقرار رہ سکتا ہے جب سب صدق دل سے احکام اسلام کی پیروی کررہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں۔ اگر ہر شخص اپنی خواہشات کا پیروکار بن جائے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود سمجھ لے اور اپنی رائے ہی کو قابل عمل اور واجب الاتباع خیال کرے تو وہ وحدت برقرار نہیں رہ سکتی جو امت کو استحکام عطا کرتی ہے اور ایک امت مختلف فرقوں میں بٹتی چلی جاتی ہے جس سے اس کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ پہلی امتوں میں بھی اس قسم کی فرقہ بندیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ امت یہود اور امت نصاریٰ ایسے گروہوں میں بٹ گئیں۔ اور مختلف فرقوں کے درمیان نفرت و تعصب کی ایسی خلیجیں حائل ہوگئیں کہ وہ آپس میں مل بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہے۔ ہر گروہ اور ہر فرقہ اپنے سوا سب کو گمراہ کہتا اور قابل گردن زدنی خیال کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اس قسم کی تفرقہ اندازی سے منع فرما رہا ہے۔

قرطبی نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کے حوالے سے حدیث بیان کی ہے۔

انه الأهل القبلته من اهل الاهواء والبدع

علامہ راغب اصفہانی نے الدین القیمہ' کی یہ تشریح کی ہے۔

ترجمہ :- یعنی وہ دین جو ان کی دنیوی معیشت کی ترقی اور اخروی فلاح کا ضامن ہے۔

4- بنیان مرصوص :-

ترجمہ :- آیت نمبر3 سورہ صف

"بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرابانده کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔"

اسلام امن و سلامتی کا دین ہے۔ قتل و غارت گری اور خوں ریزی اس کی فطرت کے خلاف ہے۔ اسلام نے جب بھی جنگ کی اجازت دی ہے وہاں چند شرائط بھی عائد کی ہیں جن کا پورا ہونا ازحد ضروری ہے۔

1- وہ فی سبیل اللہ ہو یعنی اس کا مقصد حق کو سربلند کرنا اور باطل کی سرکوبی کرنا ہو نیکی کی قوتوں کو آزاد کرنا اور برائی اور اس کے علمبرداروں کو پابجولاں کرنا ہو۔

2- جس قوم کے سامنے اتنا عظیم اور اعلیٰ مقصد ہو اگر وہ متحد و منظم ہو کر باطل کی قوتوں سے نبرد آزما نہ ہوگی تو وہ قوتیں اسے پیس کر رکھ دیں گی۔

3- امت مسلمہ کی شکست صرف اس کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ وہ بلند نظریات جن پر ساری انسانیت کی فلاح کا انحصار ہے وہ شکست کھا جائیں گے۔

4- اس لئے مندرجہ بالا آیت میں وضاحت سے بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ان باہمت جواں مردوں سے محبت اور پیار کرتا ہے جو جذبہ جہاد اور روح جہاد سے سرشار ہوں اور جن کا مقصد محض حق کا بول بالا ہو اور جب وہ کسی میدان کارزار میں معرکہ آرا ہوں تو ان میں انتشار و افتراق کا نام و نشان تک نہ ہو۔

5- بڑے منظم ہو کر وہ دشمن کی طرف بڑھیں اور ان کی منظم پیش قدمی کو دیکھ کر دیکھنے والے باور کرلیں کہ یہ غیر منظم افراد کی بھیڑ نہیں ہے بلکہ یہ ایک مضبوط و مستحکم دیوار ہے جس

میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر یک جان کردیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ وہ لوگ ہیں جو صفیں باندھ کر دشمنان خدا کے مقابلے میں ڈٹ جاتے ہیں تاکہ اللہ کے نام کا اور اللہ کے دین کا بول بالا ہو۔ دین حق کی حفاظت ہو اور دین کا غلبہ ہو۔

مسند احمد میں تین قسم کے لوگوں کی تین حالتیں ہیں جنہیں دیکھ کر اللہ تبارک تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔

1- رات کو اٹھ کر تہجد پڑھنے والے۔

2- نماز کے لئے صفیں باندھنے والے۔

3- میدان جنگ میں صف بندی کرنے والے۔

غرض یہ کہ ان کی صفیں میدان جہاد میں ایسی ہوتی ہیں جیسی نماز میں۔

یعنی صف بندی کرنے کے ذریعے (نماز اور میدان جنگ میں) اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان اور اہل اسلام میں یک جہتی' یک رنگی' اتحاد ترتیب و تنظیم کار فرما دیکھنی مقصود ہے۔

حضرت سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم صفیں نہ بندھوالیں دشمن سے لڑائی شروع نہیں کرتے تھے۔ غزوہ بدر اور دیگر غزوات اس کا عملی ثبوت ہیں۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نظر میں امن ہو یا جنگ یک جہتی' یک رنگی' اتحاد' ترتیب اور تنظیم سب سے بڑی حکمت عملی Strategy تھی۔

صف بندی کی تعلیم مسلمانوں کو خدا کی دی ہوئی ہے ایک دوسرے سے ملے رہیں۔ ثابت قدم رہیں اور ٹلیں نہیں۔

جس طرح عمارت کا بنانے والا نہیں چاہتا کہ اس کی عمارت میں کہیں اونچ نیچ ہو یا ٹیڑھی

ترچھی ہو یا سوراخ رہ جائیں۔ اسی طرح اللہ تعالٰی نہیں چاہتا کہ اسلام کے دائرے میں داخل ہونے والے یعنی مسلمان، اہل اسلام، اہل ایمان میں اختلاف ہو، تفرقہ ہو، گروہ بندی ہو۔ میدان جنگ میں اور روز مرہ زندگی میں بوقت نماز مسلمانوں کی صف بندی خود اللہ کا منشا ہے۔ اور دن میں پانچ مرتبہ صف بندی کے عمل کے ذریعے وہ مسلمانوں میں اتحاد، ترتیب اور تنظیم کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اجتماعی زندگی کا استحکام صف بندی یعنی اتحاد، ترتیب و تنظیم سے ممکن ہے۔

لہذا روز مرہ کی اجتماعی زندگی میں بھی یہی اتحاد، ترتیب و تنظیم کی روح کارفرما رکھنی ہوگی۔

قرآن حکیم کی اصطلاحات کی تشریح و توضیح کے بعد آیئے دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور سیرت طیبہ کے ذریعے قرآن مجید کی شرح اور تفسیر کیوں کر کی، مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد اسلامی ریاست و مملکت کا قیام عمل میں آیا۔ اس مملکت کے قیام و استحکام کے لئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا تدابیر و اقدامات اور حکمت عملیاں اختیار کیں اس کا جائزہ لینا ہوگا۔

استحکام کے دو پہلو ہوتے ہیں۔

1- داخلی استحکام 2- اور خارجی استحکام

مملکت کے داخلی استحکام کے لئے اقدام

(1) پہلا اقدام — دلوں کو جوڑنا :-

1- عفو و درگزر کا سبق دینا

2- دشمنوں کو اماں دینے پناہ دینے کو رواج دینا

3- اس سے دلوں میں الفت پیدا ہوجاتی ہے۔

قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے درمیان برس ہا برس سے جنگ بعاث کا سلسلہ تھا۔ اسی جنگ بعاث میں حضرت اسعد ابن زرارہ کے ہاتھوں قبیلہ اوس کے ایک سردار کے قتل ہوجانے کے باعث قبیلہ اوس کے لوگ ان کے خون کے پیاسے تھے۔

دلوں کو جوڑنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ اوس کے سرداروں سے فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اسعد بن زرارہ کو پناہ دو۔ سعد ابن خیثمہ سردار اوس نے تعمیل حکم کی اور انہیں امان دی۔ مدینہ طیبہ میں یہ رحمت اللعالمین کے فرمان کی پہلی رحمت کی لہر تھی جو اوس و خزرج کو شیر و شکر کر گئی۔

سورہ ال عمران کی ایت 103 میں دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے دلوں میں محبت و الفت کا جذبہ پیدا کرنے والے نے بطور احسان فرمایا۔

ترجمہ :- "اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے۔"

آج اگر ہم بھی عفو و درگزر کے اس سبق پر عمل پیرا ہوجائیں تو اللہ ہمارے دلوں سے بھی تعصب کو دور کردے گا اور ہم پاکستانی بھی مہاجر، سندھی، بلوچی، پنجابی اور پٹھان کے خانوں میں بٹے ہوئے ہونے کے بجائے بھائی بھائی ہوں گے۔

2- دوسرا قدم : مدینہ منورہ کو حرم قرار دینا :-

دور جدید کی اصطلاح میں حرم کے معنے کھلا شہر Open City کے ہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شہر کے اندر اور گرد و نواح میں اہل شہر کسی سے جنگ کرنا نہیں چاہتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حکمت عملی کہ مدینہ منورہ کو حرم قرار دیا، بڑی دور بینی پر مبنی تھی۔

3- دعائے حب وطن :-

رسول کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے لئے مدینے کی آب و ہوا کو ناسازگار دیکھتے ہوئے اور ہوائے مدینہ راس نہ آنے نیز ان کے غربت و افلاس کو دیکھتے ہوئے دعا مانگی۔

"اے اللہ ہمیں مدینہ کی ایسی ہی محبت دے جیسے مکہ کی بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کی آب و ہوا کو اچھا کردے۔ ہمارے لئے مدینہ صباع ومد (ناپنے اور تولنے کے پیانے) میں برکت عطا فرما' یہاں کے بخار کو جعفہ منتقل کردے۔"

گویا حب وطن کے لئے دعا مانگی جائے نیز وطن کی آب و ہوا کی بہتری کے لئے برکت کے لئے اور بلائیات کے دور ہونے کے لئے دعا کی جائے۔

4- مواخات :-

جب تمام مہاجرین مدینے میں آگئے اور مسجد نبوی کی تعمیر تکمیل کے قریب پہنچ گئی تو رسول کریم کے سامنے سب سے بڑا اور اہم مسئلہ مہاجرین کی آباد کاری کا تھا۔

چنانچہ ہجرت کے پانچویں مہینے رجب ایک ہجری حضرت انس بن مالک کی رہائش گاہ پر تمام انصار و مہاجرین کو طلب کیا گیا۔ گویا ایک میٹنگ بلائی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

"اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جائیں۔ ہر شخص ایک مہاجر خاندان کو لے لے اور اپنے گھربار' کاروبار میں شریک کرلے۔"

پھر مہاجرین و انصار میں سے دو دو کو بلا کر فرمایا

"یہ اور تم بھائی ہو دونوں مل کر کام کرو اور کمائی مل کر کھاؤ"

آپ کے حکم کی تعمیل میں انصار نے غیر معمولی ایثار سے کام لیا اور مہاجرین نے غیرت نفس کو شعار کیا۔

یہ بھائی بندی اتحاد و استحکام کا سبب بن گئی۔ ایک دوسرے کے دکھ، مشکل اور کٹھن لمحوں میں ساتھ دینے اور شامل شریک ہونے سے جو یگانگت پیدا ہوئی وہ داخلی استحکام کا موثر ذریعہ بنی۔

5- بے روزگاری کے مسئلے کا حل :-

مہاجرین کی آبادکاری کے ساتھ ساتھ ان کی بے روزگاری کے مسئلے کا حل بھی "مواخات" سے نکل آیا۔

ہم پاکستان میں مزارع یا ہاری اور مالکان زمین (زمیندار یا وڈیرے) کے درمیان یہی شرط نافذ و جاری کرسکتے ہیں۔

نیز بے روزگاری کے مسئلہ کو مزید اس طرح حل کیا گیا
بعض صحابہ کرام نے دوکانیں کھولیں۔
حضرت ابوبکرؓ نے کپڑے کا کارخانہ کھولا اور کپڑے کی تجارت کرنے لگے۔
حضرت عمر فاروقؓ بھی تجارت میں مشغول ہوگئے۔
حضرت عثمانؓ نے کھجور کی خرید و فروخت شروع کردی۔

بے روزگاری کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے آج پاکستان میں بے روزگار افراد ملازمتوں کے مواقع کی تلاش میں سرگرداں پھرنے اور ناکامیاب رہنے کے بجائے تجارت و کاروبار کو اپنائیں تو روزی کمانے میں کامیاب ہوں گے اور بے روزگاری کے مسئلے میں یقیناً" کمی آئے گی۔

6- دعا کرتے رہنا :-

انصار کے غیر معمولی ایثار و ہمدردی کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو ان کے لئے دعا کرتے رہنے کو کہا۔ یعنی ایک دوسرے کے خیر خواہ بھی خواہ رہیں اور احسان کرنے والوں کے ساتھ دعا کا احسان کرنے کا حکم دیا۔

7- مواخات - نظام معیشت کی بنیاد :-

مواخات کا یہ نظام بصیرت نبوی کا شہکار ہے۔ یہ مہاجرین کی فوری بحالی کا آباد کاری کا معاشی منصوبہ تھا۔ سینکڑوں بے روزگاروں کا مسئلہ روزگار ایک ہی دن اور ایک ہی نشست میں حل فرما دیا۔ توکل کے ساتھ اللہ کی راہ میں ہجرت کی یہ پہلی برکت تھی۔ اس نظام معیشت کی بنیاد "مواخات" بھائی بندی پر رکھی گئی جس طرح دو بھائیوں کے آپس کے حقوق ہوتے ہیں اسی طرح کا یہ رشتہ تھا۔ دستر خوان ایک نفع نقصان ایک۔

8- مواخات - معاشی استحکام کا باعث ہوا :-

معاشی استحکام، استحکام مملکت کے لئے کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اخوت و بھائی بندی کا یہ رشتہ نہ صرف یہ کہ مہاجرین کے لئے معاشی بحالی کا سبب بنا بلکہ من حیث المجموع معاشی استحکام کا باعث ہوا وہ اس طرح کہ انصار کی معیشت کا انحصار زراعت پر تھا اور تجارت پر یہود کی اجارہ داری تھی وہ انصار کی کمزوریوں سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے۔ یہود کی ساہوکاری کے جال میں اوس و خزرج کے قبیلے اس طرح پھنسے ہوئے تھے کہ ان کا اس سے نکلنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔

مہاجرین جیسے بھائی انصار کو مل گئے۔ مہاجرین تجارتی سوجھ بوجھ اور تجربہ رکھتے تھے مہاجرین کے آجانے سے انصار کو یہود کے سود در سود کے کاروبار، ساہو کاری، چور بازاری، گراں فروشی، احتکار اور ذخیرہ اندوزی سے نجات ملی اور مہاجرین کی کاروباری سوجھ بوجھ سے مجموعی معیشت کو فروغ و استحکام ملا۔

دوسری جانب مہاجرین جو کاشت کاری کو عار سمجھتے تھے۔ محنت کی عظمت اور زمین کی برکت سے مستفیض ہوئے۔ غرض مواخات سے زراعت کو بھی فروغ ملا، صنعت اور تجارت کو بھی ترقی ہوئی اور معیشت مستحکم ہو گئی۔

9- مواخات : معاشرتی و سماجی استحکام کا باعث ہوا :-

اس مواخات کے نتیجے میں تمام بے گھر بے سہارا مہاجر کسی نہ کسی کے گھر میں بس گئے اور بھائی بھائی کی حیثیت سے، کوئی کسی کا آقا نہیں، کوئی کسی کا غلام نہیں کسی کا درجہ کسی سے کسی طرح کم نہیں۔ سب کے سب ایک کنبے کے افراد کی مانند مساوات اور اخوت کی برکات سے مالا مال سب کے دامن قلب و نظر کو کشادگی ملی۔ اور یگانگت و یک جہتی پیدا ہوئی جس سے معاشرتی و سماجی استحکام حاصل ہوا۔

قبائلی عصبیت رنگ، نسل، زبان، وطن اور خاندان سے بالاتر ہو کر اسلامی اخوت کے جذبے سے سرشار ہو کر ایک ملت کی تشکیل عمل میں آئی۔ بلاشبہ یہ استحکام مملکت کے لئے بنیادی اقدام ہے۔

10- مدینہ میں نزاع کا خاتمہ :-

مدینہ میں نزاع کی کیفیت تھی۔ ہر چند کہ بیعت عقبہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے بارہ نقیب مقرر فرما کر ان میں سیاسی مرکزیت پیدا کرنے کی جانب ایک قدم اٹھایا تھا۔ پھر بھی اپنے اپنے سقیفے (سائبان- چوپال) میں مسائل طے کرتے تھے۔

کفار مکہ نے ایک وفد مدینہ بھیجا کہ رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ سے نکال دیا جائے اور ان کے حوالے کردیا جائے اور انہوں نے دھمکی دی کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مدینہ والوں کو سنگین نتائج بھگتنا ہوں گے گو کفار مکہ کا یہ وفد بے نیل و مرام واپس گیا۔ مگر اس واقعے کے دو اہم اور دوررس نتائج نکلے۔

1- مدنی ریاست کا آئین مرتب ہوا۔

2- مدینے کے ارد گرد ایک بفر اسٹیٹ کا قیام عمل میں آیا۔

11- مدنی ریاست کا قیام :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کا ایک عام اجلاس طلب کیا۔ یہ اجلاس آنحضور کے ذاتی ملازم حضرت انس کے والد کے گھر پر ہوا۔ امام بخاری کے مطابق رسول اللہ نے اس اجلاس میں تجویز پیش کی کہ مدینہ کے لوگوں کے باہمی تنازعات کے خاتمے اور بیرونی حملہ آور کی حوصلہ شکنی کے لئے مدینہ کی ایک ریاست قائم کی جائے۔ یہ ریاست ایک کنفیڈریشن ہو جس کے تمام یونٹوں کو بڑی حد تک خودمختاری حاصل ہو۔

معاہدے کی تمام دفعات پر اتفاق رائے کے بعد انہیں ضبط تحریر میں لایا گیا اسے "میثاق النبی" کا نام دیا گیا۔

بقول محقق اسلام ڈاکٹر حمید اللہ یہ "شہری مملکت مدینہ" کا دستور تھا اور دنیا کا سب سے " پہلا تحریری دستور" بھی ہے۔

اور بقول محقق سیرت شاہ مصباح الدین شکیل کے

"کسی خطہ ارضی پر بسنے والوں کی اکثریت اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ، اجتماعی امن اور ہمہ جہتی ترقی اور استحکام کے مسائل میں دنیا کے اس پہلے تحریری دستور سے بڑی رہنمائی مل رہی ہے۔"

میثاق مدینہ سے ملکی استحکام کے لئے رہنمائی :-

آیئے استحکام ملک کے حوالے سے میثاق مدینہ کی دفعات کا جائزہ لیں۔

1- خوں بہا، فدیہ اور دیت کا طریقہ جو عہد جاہلیت میں رائج تھا اب بھی برقرار رہے گا۔ کیونکہ داخلی استحکام کی پہلی شرط انسانی جان کا تحفظ و احترام ہے اور قانون کی بالادستی ہے (اسے حضور کریم نے جوں کا توں رکھا)

2- قوم یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ (اس دفع سے یوں رہنمائی لی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کے علاوہ سرزمین پاک پر بسنے والی تمام اقلیتوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی اور وہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ اور پاکستان سے وفادار رہیں گے۔

3- جنگ کی صورت میں فریقین ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہوں گے۔ بیرونی طاقت اگر مدینہ پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان اور دیگر تمام اقلیتیں شانہ بہ شانہ ملکر اس حملے کو روکنے کے لئے مدافعت کریں گے۔

دستور مملکت مدینہ' یا میثاق مدینہ' میں کل 47 دفعات یا فقرے ہیں۔ دفعات 1 تا 23 " دستورالعمل مہاجرین و انصار" پر مشتمل ہیں یعنی داخلی استحکام سے متعلق ہیں۔

جب کہ دفعات 24 تا 47 کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ "دستورالعمل یہودیان" ہے۔ یعنی خارجی استحکام سے متعلق ہیں۔

مواخات اور میثاق مدینہ کا مقصد :-

سیرت احمد مجتبیٰ (جلد دوم) میں محقق سیرت طیبہ شاہ مصباح الدین شکیل رقم طراز ہیں کہ مواخات اور میثاق مدینہ کا مقصد حسب ذیل نتائج کا حصول تھا۔

1- ریاست کی تاسیس، تنظیم اور بقاء (تنظیم و بقاء یقیناً" استحکام کا باعث بنتی ہے)۔

2- قبائلی عصبیت کا خاتمہ، رنگ، نسل، زبان، وطن اور خاندان سے بالاتر ہو کر ملت اسلامیہ کی تشکیل (بلاشبہ استحکام مملکت کے لئے بنیادی اقدام ہے)۔

3- مسلمانوں میں رشتہ" اخوت قائم کرنا اور انہیں مقصد حیات سے وابستہ کرنا۔ (یگانگت و یک جہتی کی فضا قائم کرنا اور اتفاق و اتحاد کی روح بیدار کرنا)

4- غیر مسلموں (مشرک) اور مذہبی جماعتوں (یہود و نصاریٰ) یعنی اقلیتوں کے حقوق و فرائض متعین کرنا۔

5- نزاعیت ختم کرکے انصاف اور قانون کی بالادستی والی حکومت کا قیام عمل میں لانا۔

اگر تمام شہریوں کو سستا اور بروقت انصاف ملے اور قانون سب پر یکساں طور پر نافذ العمل ہو یعنی امیر و غریب، بے اختیار و بے مرتبہ اور ذی اختیار و ذی مرتبہ، بے یارو مددگار اور برسر اقتدار ہر فرد پر قانون یکساں انداز سے نافذ ہو (یہاں "خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کو بھی قرار واقعی سزا ملتی" والی حدیث ہماری رہنما ہے) تو مملکت کو دوام و استحکام، بقاء و ارتقاء حاصل ہوگا۔ کیونکہ قانون مستحکم ہو تو نظام مستحکم اور نظام مستحکم تو ملک مستحکم ہوتے ہیں۔

6- مساوات کے اصول پر معاشرے کی تعمیر میں مرکز مسجد نبوی اور تربیت گاہ صفہ تھی۔ یعنی مساجد اور مدارس اپنا مطلوبہ کردار ادا کریں تو معاشرہ مستحکم ہوگا۔

خارجی استحکام : پہلا اقدام : 1- دفاعی معاہدے :-

داخلی امن و استحکام قائم ہوجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے باہر آباد قبائل سے رابطہ پیدا کیا۔ پیغمبر نے ان قبائل سے خاص طور پر تعلق پیدا کیا جن کے علاقوں میں سے قریش مکہ کے تجارتی قافلے گذر کر عراق، شام، مصر کی طرف آتے جاتے تھے۔ رسول اللہ ان قبائل کے ساتھ بیرونی حملہ کے خلاف باہم فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدے کرنے میں کامیاب رہے۔

ایسے دفاعی معاہدوں کے ذریعے رسول اللہؐ اسلامی ریاست کی سلامتی اور دفاع کو روز افزوں مضبوط بنانا شروع کردیا۔ معاہدوں کی وجہ سے پرامن طور پر کام کرنے کی راہ ہموار ہوگئی اور دینِ اسلام ان قبائل میں سرائیت کرنے لگا جن سے رسول اللہ نے دفاعی معاہدے کئے تھے۔

بیرونی استحکام کا محاذ تین مورچوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔

(1) ایک طرف خود کفار قریش تھے۔

(2) یہود

(3) منافقین، جن کا سرغنہ عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا

ان تینوں محاذوں پر دو طرف تو کھلے دشمن تھے مکہ کے حریف کفار قریش نے یثرب کے تخت و تاج کے آرزو مند بادشاہ کی نفسیاتی کیفیت سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہا اسے خط لکھا اور اس کے جذبات بھڑکانے کی پوری کوشش کی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باخبر رہتے۔ آپؐ نے عبداللہ ابن ابی کو خود سمجھایا۔

(2) گشت :-

ادھر سے کچھ مطمئن ہوئے تو پہلے یہود سے معاہدہ کر کے انہیں پابند بنا لیا۔ اب کفار قریش کی جانب سے حملے کا اندیشہ تھا۔ سنن نسائی میں ہے کہ حضور اکرمؐ رات رات بھر جاگا کرتے۔ اور گشت پر نکل جاتے۔

(3) گہری نظر :-

غرض یہ کہ اندرونی استحکام اور بیرونی حملوں سے بچاؤ یعنی بیرونی استحکام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گہری نظر تھی اور یہی سربراہ مملکت کا سب سے زیادہ اہم فرض اور اہم ذمہ داری ہے۔

(4) تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی :-

ہجرت کے پہلے سال ہی سے اہل مکہ یعنی کفار قریش کو مسلمانوں کی باخبری اور چوکس رہنے کا احساس دلانے کے لئے حضور اکرمؐ نے ان کے تجارتی قافلوں کی نگرانی اور ٹوہ کی خاطر گشتی دستے بھیجنے شروع کردیئے۔

سریہ جمع سریا' جس کے لغوی معنے قصد اور سیر کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں وہ مہم جس میں رسول اکرمؐ نے بذات خود شرکت نہیں فرمائی بلکہ صحابہ کرام میں کسی کو امیر لشکر مقرر فرمایا۔

(5) دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا :-

سریہ کا مقصد احتیاط کے ساتھ دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھنا۔ بیدار مغزی اور دور بینی سے مخالف کی جنگی تیاری یا افرادی طاقت کی فراہمی کو بار آور نہ ہونے دینا تھا۔ سریہ میں

ایک یا ایک سے زیادہ افراد بھی بھیجے گئے۔ سریہ کو جنگ کا ہم معنے سمجھنا درست نہیں۔

سرایا ہمارے لئے اس بات کی ترغیب و تعلیم ہے کہ مسلمان اپنے وطن کی حفاظت و دفاع کے لئے، اپنے خارجی استحکام کے لئے پورے ہوش و خرد سے کام لیں۔ اپنے دشمنوں اور ان کی جنگی حکمت عملیوں اور عسکری ہوشمندیوں پر کڑی نظر رکھیں (Zee T.V. پر نظر رکھنے کے بجائے) اور اپنے آپ میں جذبہ جہاد کو قائم و زندہ رکھیں۔ عیش و عشرت، تن آسانی اور ناز و نعم میں پڑ کر اپنے اندر سے جہاد کی روح کو ختم نہ کردیں۔

دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں پوری معلومات فراہم رکھنا آپؐ کی حکمت عملی رہی۔

(6) غزوہ جمع غزوات :-

اس کے معنے جہاد کے ہیں اور یہ وہ باضابطہ قتال یا جنگیں ہیں جن میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس شریک ہوئے۔ انہیں مغازی بھی کہا جاتا ہے۔ بقول اقبال "رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن"

علامہ اقبال نے خارجی استحکام کے انہی اقدامات کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا۔

آتجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

(7) جاسوس بھیجنا :-

غزوہ بدر کے تفصیلی مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت طلحہؓ ابن عبید اللہ اور حضرت سعیدؓ بن زید (دونوں عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کو قریش کے کاررواں کے بارے میں تفصیلات فراہم کرنے کے لئے شام کی طرف روانہ کیا۔ نیز ابو سفیان کے قافلے کی خبر لانے کے لئے

۔ حضرت بسبسؓ کو بھی جاسوس بنا کر بھیجا گیا۔

استحکام کا حقیقی منبع :-

جمعہ 17 رمضان المبارک یوم البدر، عجز و نیاز سے فجر کی ادائیگی کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو مخاطب فرمایا۔ خطاب کا آخری حصہ مضبوطی و استحکام کے متعلق رہنمائی کرتا ہے۔ فرمایا

"سنو! میں خود بھی اور تم سب بھی اس حیی القیوم کی ذات کی مدد سے یہاں بس سکتے ہیں۔ ہم سب اس کی طرف جھکتے ہیں اور اسی پاک ذات سے ہم مضبوطی پاتے ہیں۔ اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اسی کی طرف ہم سب کو لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو بخش دے۔"

(8) صف بندی و صف آرائی :-

یوم البدر سے پہلے والی شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیں بنانے کا حکم دیا۔ اہل ایمان کو گذشتہ پندرہ برسوں سے اطاعت امیر اور صف بندی کی تربیت اسلام کے اہم ترین رکن نماز کے ذریعے دی جاتی رہی تھی۔ نماز کی صفیں ٹیڑھی نہیں ہو سکتیں تو جہاد کی صفیں کس طرح ٹوٹ سکتی ہیں۔

آج باضابطہ مظاہرہ تھا اس حقیقت کا کہ رب کے حضور حاضری کے وقت صف بستہ ہونے والے میدان جہاد میں بھی صف آرا ہوتے ہیں۔ امن ہو یا جنگ ان کا شیوہ نظم و ضبط ہوتا ہے۔ آج اس صف بستہ فوج کو اپنی جگہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننے کا حکم تھا۔ یہ بنیان مرصوص کی تفسیر عملی کا موقع تھا۔ حکم تھا کہ جوش شہادت غیر ارادی طور پر صفوں کے ٹوٹنے کا باعث نہ بن جائے۔ صف آرائی و صف بند لڑائی عربوں کے لئے پہلا تجربہ تھا۔ صف بستہ مجاہد سیسہ پلائی

ہوئی دیوار کی طرح مستحکم تھے۔

(9) استحکام مملکت کے لئے فنون حرب' علوم و فنیات اور زبانیں سیکھنے کا حکم

معلم کتاب و حکمت نے استحکام مملکت کے لئے حضرت زیدؓ بن ثابت کو عبرانی اور سریانی زبانوں کے سیکھنے کا حکم دیا۔ سرکاری خطوط ان زبانوں میں آتے تھے جس کے لئے یہودیوں کی خدمات حاصل کرنا پڑتی تھیں۔ اس طرح مملکت کے قیمتی راز دشمن کو پہنچ جاتے تھے۔ اس سنت نبویؐ سے سبق لیتے ہوئے ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا چاہئے تاکہ مغربی اور غیر اسلامی دنیا سے ٹیکنالوجی کی ترسیل کے لئے ہمیں ان کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکنے پڑیں۔

جدید اسلحہ ہم خود بناسکیں۔ نیز زبانیں سیکھنے کے ذریعے ان زبانوں کے علمی ذخیروں سے روشناس ہوسکیں گے۔

(10) غزوہ دو متہ الجندل' فتنے کے سر اٹھانے سے پہلے ہی اسے دبا دینے اور ظالموں کی سرکوبی کی حکمت کا سبق دیتا ہے۔

(11) عصبیت کا انسداد۔ عفو و درگذر سے ممکن ہے :-

غزوہ بنو مصطلق یا مریسیع سے فراغت کے بعد ابھی مسلمان چشمہ مریسیع ہی پر خیمہ زن تھے کہ ایک نہایت ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک مہاجر (جہجاہ ابن مسعود) اور ایک انصاری (سنان بن یرجہنی) میں کنویں میں ڈول ڈالنے پر جھگڑا ہوگیا۔ (جہجاہ) مہاجر نے (سنان) انصاری کو تھپڑ مارا۔ جس سے انصاری کے خون جاری ہوگیا اور انہوں نے یا معشر الانصار (اے انصار کے گروہ) کی دہائی

دی۔ جہجاہ (مہاجر) نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا۔ دونوں کے لوگ لپکے۔ بات اتنی بڑھی کہ ہتھیار نکال لئے گئے۔ شور سن کر رسول اکرمؐ بھی اپنے خیمے سے باہر تشریف لے آئے فرمایا۔

"یہ ایام جاہلیت کی سی پکار کیسی؟ لوگوں کا یہ کیا حال ہے"

تمام کیفیت سن کر فرمایا۔

"اس پکار کو ہمیشہ کے لئے ترک کردو یہ خبیث پکار ہے"

مہاجرین نے سنان (انصاری) کو راضی کرلیا اور اس کے حلیفوں کو سمجھایا۔ اس حادثے کی خبر منافقین کو پہنچی۔ جن کا سرغنہ عبداللہ ابن ابی بن سلول بھی اس غزوہ یعنی غزوہ بنو مصطلق میں شریک تھا۔ اس نے اس واقعے کو بنیاد بنا کر اپنے ہی خواہوں کو شہ دی کہ "جو لوگ ان (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں انہیں کچھ بھی نہ دو۔ ان مہاجرین کی یہ ہمت کہ ہمارے ذریعے قوت حاصل کی اور ہمارے ہی ساتھ یہ سلوک۔ مثال درست ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ تجھے کھا جائے۔ خدا کی قسم! ہم جب مدینہ واپس پہنچیں گے تو ہم میں سے عزت والا (خود) ذلیل (نعوذ باللہ) (بزعم خود حضورؐ اور صحابہ) کو باہر کردے گا۔"

پھر اپنے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا "یہ سارا کیا کرایا تمہارا ہے تم انہیں اپنے شہر میں جگہ دیتے نہ جائیداد' مال و متاع تقسیم کرتے نہ ان کی یہ حالت ہوتی۔ اب بھی اپنے ہاتھ کھینچ لو تو کہیں اور چلے جائیں گے اور اب یہ کام میں خود ہی انجام دونگا۔

عمرؓ فاروق نے یہ سن کر عرض کیا کہ آپؐ عبادہ بن بشیر کو حکم دیجئے کہ اس منافق کو قتل کردیں۔ فرمایا "نہیں لوگ کہیں گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے ہیں"

اس کے بعد آپؐ نے فوری طور پر کوچ کی منادی کرادی۔ حضرت اسیدؓ بن نضیر نے عرض کیا "یا رسول اللہ! خدا کی قسم آپؐ چاہیں تو عبداللہ ابن ابی کو مدینہ سے نکال دیں وہی ذلیل ہے

آپ ؐ ہی صاحب عزت ہیں۔ اللہ نے آپ ؐ کو ہمارے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے اس کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ آپ ؐ نے اس سے ملک اور بادشاہت چھین لی ہے اس کے ساتھ نرمی کا سلوک فرمائیے۔

عبداللہ ابن ابی کے بیٹے نے بھی اپنے باپ کی مذمت کی۔ اس واقعے کے بعد جب وہ کوئی نئی بات کرتا تو خود اس کی قوم اسے مفسد سمجھتی اور اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دیتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ "اگر میں تمہارے مشورے پر عمل کرتا تو جوش انتقام میں عصبیت کی فضا پیدا ہوجاتی اور اب یہ حال ہے کہ اس کے حامی خود اس کا کام تمام کرنے کے درپے ہیں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

"بے شک آپ ؐ کا درگذر موجب خیر و برکت ہے۔"

از صحیح بخاری۔ جلد دوم صفحہ 946-947

آج پاکستان میں صوبائی تعصب اور مذہبی فرقہ واریت کو ہوا دیتے وقت ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ وہ نبی برحق جن سے ہمیں محبت کا دعویٰ ہے ان کا فرمان ہے "یہ ایام جاہلیت کی سی پکار کیسی؟ اس پکار کو ہمیشہ کے لئے ترک کردو۔ یہ خبیث پکار ہے۔"

نیز آپ ؐ کے طرز عمل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جوش انتقام سے عصبیت کی فضا پیدا ہوجاتی ہے لہذا عفو و درگذر بہتر ہے کیونکہ یہ موجب خیر و برکت ہے اس لئے ہمیں بھی ایک دوسرے سے کشادہ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے درگذر سے کام لینا چاہئے تاکہ استحکام پاکستان حاصل ہوسکے۔

12- مشقت میں شرکت، مراعات میں برابری : استحکام بخش رویئے :-

جنگ احزاب میں آپ ؐ نے مدینہ کے شمالی کھلی سمت خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ جناب

رسالتماب خود بنفس نفیس مجاہدین کے ساتھ خندق کھودنے میں شریک تھے۔ اپنے دامن میں مٹی اٹھا اٹھا کر لاتے یہاں تک کہ غبار نے شکم اطہر کی جلد ڈھانک دی۔

غزوہ خندق میں جب کسی نے بھوک اور ناداری کی شکایت کی تو نبی کریمؐ نے کرتہ اٹھا کر دکھایا۔ ان صحابی کے شکم پر ایک اینٹ تھی تو آپؐ کے شکم مبارک پر دو اینٹیں بندھی تھیں۔ یعنی آپ سرکار دوعالم سرور انبیاء کہیں زیادہ بھوک سے دوچار تھے یعنی مسائل میں، مشقت میں، کٹھنائیوں میں آپؐ نے اپنی امت کا عملی ساتھ دیا۔

خندق کی کھدائی کے دوران کام کے بوجھ اور موسم کی شدت و سختی کو ہلکا کرنے کے لئے حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ اور جعیل رجز کے اشعار پڑھتے تمام مسلمان اور خود اللہ کے رسولؐ ان کی آواز میں آواز ملاتے۔

غرض یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر صورت احوال کو Share کیا۔ آپؐ ہر کٹھن وقت اور مشکل گھڑی میں اپنی امت کے ساتھ شامل اور شریک رہے اور اس طرح آپؐ نے ایک کلچر کو فروغ دیا۔ عوام کا کلچر اور خواص کا کلچر جدا جدا نہیں تھا۔ پالیسی میکرز ہر پالیسی پر عمل درآمد میں قدم بقدم شریک ہوتے اور خصوصاً" مشقت اٹھانے میں تو یہ Uni-culture کی بات ہے اور یہی Uniculture معاشرے اور مملکت کو دوام و استحکام بخشتا ہے۔

زعمائے حکومت کی ہر کام میں شرکت و شمولیت اور مساویانہ حق و مراعات کی مثالیں خلافت راشدہ میں بھی ملتی ہیں۔ بھرے دربار میں "مال غنیمت" میں ملنے والی چادر اور اس سے تیار کردہ ملبوس کے بارے میں حضرت عمرؓ فاروق سے ایک خاتون کی جواب طلبی کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اور یہ رویے مملکت کے استحکام کا باعث بنتے ہیں۔

13- دفاع اور سامان حرب، فنون حرب اور سواریوں پر توجہ :-

سنہ 6 ہجری میں آپؐ نے اونٹوں، گھوڑوں، تیر اندازوں اور نیزہ بازوں کے مقابلے کروائے۔ اس کا مقصد جہاد کی تیاری تھا۔ سامان حرب اور ذرائع حمل و نقل (کیونکہ گھوڑا اس دور کا طیارہ سمجھا جاتا تھا۔ رسالہ یا گھڑ سوار ایئر فورس سمجھے جاتے تھے۔ اس زمانے میں تیر اندازی اور نیزہ بازی آج کل کے رائفل اور بندوق کی قائم مقام تھی) تیر اندازی اور نیزہ بازی، فنون حرب میں شامل ہے لہٰذا اس کے مقابلے کروا کے فوجی و عسکری تربیت کا اہتمام کیا۔ جہاد کا جذبہ اور جہاد کی روح آپ ہمہ وقت اہل ایمان میں ابھارتے رہتے۔ جیسا کہ سورہ الانفال آیت نمبر 60 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ :- "اور ان کے مقابلے کے لئے جس قدر طاقت رکھتے ہو سامان تیار رکھو کہ (تیر اندازی ہو یا گھڑ سواری) اس سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور ان (ظاہری دشمنوں) کے سوا اور دشمنوں کو بھی جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ ان کو جانتا ہے ان سب کو مرعوب کرتے رہو (جس سے تمہاری ان پر دھاک بیٹھی رہے)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے

"اپنے بچوں کو تیر اندازی، گھڑ سواری اور پیراکی سکھاؤ" یہ وہ تمام ہنر ہیں، جو بچوں کی صحت و شخصیت کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ان کو جہاد کے لئے تیار کرتے ہیں۔ یعنی اسلام فوجی عسکری صلاحیت کو بروئے کار لانے کے مشاغل کی تائید کرتا ہے۔

14- سادہ و مجاہدانہ زندگی جذبہ جہاد کو زندہ رکھتی ہے :-

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سادہ، مردانہ وار اور مجاہدانہ اور سخت کوش Rough and Tough زندگی گزارنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

مرفوع حدیث ہے۔

"اپنے جد معد بن عدنان کی نسبت پیدا کرو (سادگی اور فصاحت و بلاغت میں) اور سادگی اور معمولی زندگی اختیار کرو" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

نیز حضرت معاذ بن جبل سے مرفوع حدیث ہے۔

"تم ناز و نعم میں پڑنے سے بچو اس لئے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پڑتے۔"

جب ملت اسلامیہ کے افراد ناز و نعمت میں پڑ جائیں۔ نعمتوں میں مست اور کھانے پینے میں مستغرق ہوجائیں۔ ریشم و دیباج پر سوئیں تو مادی تمدن انہیں دھوکے میں ڈال دیتا ہے اور ان کے دلوں سے صبر' قناعت' جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے لئے مصائب برداشت کرنے کی روح ماند پڑ جاتی ہے۔

لہٰذا سادہ بے تکلف زندگی گزارنا' سرد و گرم حالات میں زندگی گزارنا اور سخت کوشی کی زندگی پسندیدہ ہے۔

اور اگر پاکستانی تعلیمات نبوی کے مطابق اس طرح زندگی گزارنے کی روش اختیار کرلیں تو استحکام پاکستان کا ہدف حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔ کیونکہ قومی وسائل معیشت کے استحکام پر خرچ ہوں گے اشیائے تعیش اور عیش پرستی پر نہیں۔

اختتامیہ :-

آیئے دیکھیں وہ کیا عوامل ہیں جو پاکستان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں؟ کیا رویئے ہیں جنہوں نے پاکستان کے وقار و سالمیت کو نقصان پہنچایا ہے؟ وہ کیا عوامل ہیں جو پاکستان کی بے بصناعتی' کم مائیگی' زبوں حالی اور عدم استحکام کا باعث بن رہے ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد قوم کی تعلیم' قوم کی سیرت و کردار کی تعمیر پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

معیار زندگی بڑھاتے رہے۔ حلال و حرام' جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو گئی اور کرپشن بڑھتا رہا۔
جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی کی بیخ کنی نہیں کی گئی۔ نظریہ پاکستان کو نظر انداز کیا گیا بلکہ فراموش کر دیا گیا۔

اخوت اور بھائی چارے کو فروغ نہیں ملا بلکہ صوبائی' لسانی گروہی اور فرقہ وارانہ منافرت و عصبیت کو فروغ ملا۔ تعلیم کو اہمیت نہیں دی گئی۔ فروغ تعلیم کے لئے خاطر خواہ سرمایہ کاری اور اقدامات نہیں کئے گئے۔

غلط منصوبہ بندی اور ناعاقبت اندیشانہ طرز عمل کی بدولت ملک کا مشرقی بازو ٹوٹ گیا۔
کوئی مضبوط حکومت قائم نہ ہو سکی۔ یعنی مملکت مستحکم نہ ہو سکی معاشرتی اقدار تیزی سے ٹوٹ رہی ہیں یعنی معاشرتی استحکام بھی حاصل نہیں ہے معیشت دیوالیہ پن سے قریب ہے۔ یعنی معاشی استحکام بھی حاصل نہیں ہے۔ ان حالات میں استحکام پاکستان کے لئے سیرت طیبہؐ سے رہنمائی کے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں۔ اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کو استحکام بخشنے والے اقدامات سے درج ذیل رہنمائی ملتی ہے۔

داخلی استحکام کے لئے رہنمائی :-

نظریہ پاکستان کو فروغ دیا جائے۔ اس نظریئے کی ترویج و اشاعت کی جائے۔ اس نظریئے کو نوجوان نسل کے ذہنوں میں راسخ کیا جائے کیونکہ نظریہ پاکستان قیام پاکستان کا سبب بنا اور یہی نظریہ استحکام پاکستان کا باعث بنے گا۔

2- امت مسلمہ کی جمعیت قوت مذہب سے مستحکم ہوتی ہے۔ اس لئے مذہب کا دامن تھام کر جمعیت کو مستحکم کیا جا سکتا ہے۔

3- قرآن کے ذریعے پاکستانی قوم رفعت و بلندی اور استحکام حاصل کر سکتی ہے۔ تارک قرآن

ہو کر مسلمان دنیا میں خوار ہوتا ہے۔

4- اکیسویں صدی کے چیلنج کا مقابلہ قرآن کے فہم و ادراک، قرآن سے استفادہ اور قرآن پر عمل پیرا ہو کر ممکن ہے۔

5- قوم شعوری طور پر اپنی حالت بدلنے کی جدوجہد کرے۔

6- قوم عروۃ الوثقی کو مضبوطی سے پکڑ لے۔

7- **وعتصمو جبل اللہ جمیعا ولا تفرقو** پر عمل کرتے ہوئے قرآن حکیم کو اپنا رہبر و رہنما بنا لے۔

8- فرقوں میں نہ بٹے بلکہ یک جہتی اور ملی اتحاد کو اختیار کرے۔

9- دین قیمہ کی طرف اپنا رخ کر لے اور دین کو کامل طور پر اختیار کرے۔

10- صف بندی و صف آرائی پر جم جائے۔

11- انتشار و افتراق کا نام تک اس کے اندر نہ ہو۔

12- تعلیم کو عام کریں۔ افراد قوم میں سے ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارا ہے۔ لہٰذا اس کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی جائے تاکہ Quality of Nation بلند ہو سکے۔

13- انسانی جان کو تحفظ و احترام اور قانون کی بالادستی قائم کریں۔

14- سرزمین پاک پر بسنے والی اقلیتوں کو مذہبی آزادی حاصل رہے۔ لیکن وہ مسلمانوں کے دوست اور پاکستان سے وفادار رہیں گے۔

15- ریاست کی تنظیم کے اقدامات پر خصوصی توجہ دی جائے۔

16- ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہو کر ملت اسلامیہ سے وابستگی کا احساس اجاگر ہو اور بطور پاکستانی شناخت کروانا ہمارے لئے باعث فخر ہو۔

17- یگانگت و یک جہتی کی فضا قائم کریں۔

18- قانون کی بالادستی ہو اور قانون سب پر یکساں طور پر نافذ العمل ہو۔

19- زعمائے حکومت اور عوام یکساں ثقافت Uniculture اختیار کریں۔

20- زعماء ہر مشکل میں Share کریں اور سب (خواص و عوام) سادگی و سخت کوشی کی زندگی گزاریں یعنی مجاہدانہ زندگی گزاریں۔

21- جذبہ جہاد کو زندہ رکھیں۔ روح جہاد کو ماند نہ پڑنے دیں۔

22- ہر قسم کی عصبیت کو ایام جاہلیت کی خبیث پکار قرار دیں۔

23- جوش انتقام سے گریز کریں۔ ایک دوسرے عفو و درگذر سے کام لیں۔

خارجی استحکام کے لئے رہنمائی :-

1- بیدار قوموں کی طرح زندگی گزاریں۔ غفلت و بے حسی سے بچیں۔

2- دشمن اور حریف قوموں کی نقل و حرکت کے بارے میں پوری طرح باخبر اور چوکس رہیں۔

3- فضائے بدر پیدا کریں۔ بقول شاعر :-

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

4- رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن اپنا رویہ بنالیں۔

5- شمشیر و سناں اول' طاوس و رباب آخر' اپنا قومی کردار بنالیں۔

6- اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ اس سے دعا مانگیں اور اس سے مدد چاہیں کیونکہ اللہ استحکام کا حقیقی منبع ہے۔

7- صف بندی و صف آرائی پر عمل کریں کیونکہ امن ہو یا جنگ نظم و ضبط کو اختیار کریں۔ گویا صف بندی و صف آرائی داخلی استحکام کے لئے بھی لازم ہے اور خارجی استحکام کے لئے

بھی۔

8- استحکام ملک کے لئے زبانیں سیکھیں' تاکہ ان زبانوں کے علمی ذخیروں سے استفادہ کرسکیں۔ اور سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیں۔ گویا تعلیم پر توجہ اور ارتکاز اور تعلیم پر سرمایہ کاری داخلی استحکام کے لئے بھی ضروری ہے اور خارجی استحکام کے لئے بھی۔

9- فتنے کے اٹھنے سے پہلے ہی اسے دبا دیں۔

10- ظالموں کی سرکوبی کریں۔

11- دفاع' سامان حرب اور فنون حرب پر توجہ دیں۔

آیئے دعا کریں کہ اللہ تعالٰی ہمیں سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کا باریک بینی سے تجزیاتی مطالعے کا شوق عطا فرمائے۔ اور ہم اس اسوہ حسنہ کی تعریف توصیف کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی ذات اور اپنی حیات پر اس کا اطلاق کریں اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو اس کی روشنی میں دور کریں اور اپنے مسائل و مشکلات کو اس کی مدد سے حل کرسکیں۔ اللہ ہمیں سیرت طیبہ کے اتباع اور پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہم سب مسلمانوں کو دین و دنیا کی فلاح عطا فرمائے اور ہمارے پاکستان کو استحکام عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ

از پروفیسر فائزہ احسان

<===> کتابیات <===>

1- القرآن الحکیم

سورہ البقرہ

سورہ ال عمران

سورہ روم

سورہ الفرقان

سورہ صف

2- تفسیر ابن کثیر

3- ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری

4- صحیح بخاری

5- رسول نمبر- نقوش

6- سیرت احمد مجتبیٰ از مصباح الدین

7- محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از ڈاکٹر حمید اللہ

8- اسلام اور تربیت اولاد از احمد علوان مصر۔ ترجمہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار

حضرت فاطمۃ الزہراؑ مسلمان عورتوں کے لئے اسوہ کاملہ

حضرت فاطمۃ الزہراؑ جو شاہکار تربیت رسولؐ کہلانے کی حقدار ہیں اور جن کو اعلیٰ ترین فضائل و خصائل کے باعث سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدۃ النساء للعالمین (دونوں جہاں کی خواتین کی سردار) خیر النساء ھذہ الامہ' سیدۃ النساء اہل جنہ کے القابات و خطابات سے نوازا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔

"جنت کی عورتوں کی سردار مریم پھر فاطمہؓ بنت محمدؐ پھر خدیجہؓ پھر آسیہ زوجہ فرعون ہیں۔ (استیعاب)

خدا تعالیٰ نے طبقہ نسواں میں حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی ذات مبارکہ کے ساتھ جو مناقب مخصوص کردیئے تھے ان کی نظیر نہیں ملتی۔ یہ حدیث حضرت فاطمہؓ کے فضائل پر بہترین شاہد ہے اور ترمذی کتاب المناقب میں درج ہے۔

"تمہاری تقلید کے لئے تمام دنیا کی عورتوں میں مریم' خدیجہ' فاطمہ' آسیہ کافی ہیں"۔

وہ کیا اوصاف تھے کہ فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم خواتین کے لئے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمونہ کامل قرار دیا۔ ہر زمانے اور ہر دور یعنی قرون اولیٰ' قرون وسطیٰ' قرون موجودہ اور قرون آئندہ غرض ہر زمانے کی ہر دور کی عورت کے لئے جو نمونے کی شخصیت یا نمونہ کامل ہو وہ صرف ایسا کردار اور ایسا اسوہ ہوسکتا ہے جس میں وہ اوصاف حمیدہ اور وہ اخلاق فضیلہ ہوں جو ہر دور میں کردار و عمل کے ایسے جوہر ہوں جو ہمیشہ ہی سے قابل قدر ہوں۔ ہر زمانے پر محیط ہوں۔ جن کی پسندیدگی عارضی اور وقتی نہیں دائمی اور ابدی ہو۔ بلکہ مجھے یہ کہنے دیجئے کہ "جہاد زندگانی میں ہیں یہ عورت کی شمشیریں"

نیز ہر عورت جو دائرہ اسلام میں داخل و شامل ہو یہ "اسوہ سیدہ" اس کے لئے' اس کی فکری و عملی رہنمائی کے لئے نہ صرف یہ کہ کافی ہے بلکہ بہت اساسی ہے۔ اسوہ سیدہ ہمہ گیر ہے یعنی عورت مروجہ تعلیم سے نابلد یا مروجہ تعلیم سے بہرہ ور' یعنی ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ' ملازمت

پیشہ ہو یا خاتون خانہ' امیر ہو یا غریب یا متوسط طبقے کی' نو عمر ہو' جوان ہو' یا ادھیڑ عمر کی یا ضعیف العمر' کم سن بیٹی ہو' بہن ہو' شریک حیات ہو یا ماں سب کے لئے یہ اسوہ سیدہ قابل قدر اور قابل تقلید ہے۔

مشرقی دنیا کی عورت ہو یا مغربی دنیا کی اگر ایمان کی حلاوت سے آشنا ہو۔ اس کے دل میں ایمان کی شمع روشن ہو تو اس کا دل سیدۃ النساءؓ کی جانب کھنچتا ہے اور وہ ان سے بے اندازہ محبت محسوس کرتی ہے وہ ان سے رہنمائی حاصل کرتی ہے وہ اس کے لئے مینارہ نور ہیں اور عملی حیات میں 1400 سال گذرنے کے باوجود اس کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ مسلمان عورت کو کردار و سیرت کے فضائل کا جو ورثہ حضرت فاطمہؓ سے ملا ہے وہ اس کی دونوں جہاں کی فلاح کا باعث ہو سکتا ہے بشرطیکہ آج کی عورت اسوہ سیدہ کی پیروی کرے۔

آج کے انحطاط پذیر معاشرے میں جہاں اعلیٰ اقدار زوال پذیر ہیں قحط الرجال اور قحط النساء کا دور ہے۔ اور عورت حقیقی خوبیوں اور جوہر اخلاق سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ عورتیں جنہیں حدیث میں قوم کا ستون کہا گیا ہے' یہ ستون آج کھوکھلے ہوچکے ہیں لرزہ براندام ہیں۔ آج اسوہ سیدہ کو اپنانے کی جتنی ضرورت ہے شاید اس سے پہلے کبھی نہیں تھی۔ کیونکہ آج ہر طرف جتنا بگاڑ نظر آتا ہے وہ اسوہ سیدہ کے جواہر خاص' ناپید ہوئے جانے یا کمیاب ہوئے جانے کے باعث اور اسوہ سیدہ کے وہ تابناک جواہر اتباع رسول' محبت رسول صداقت و راست بازی' استعفاف یعنی شرم و حیاء' زہد و ورع' اطاعت و خدمت' محنت و مشقت' صبر و قناعت' تسلیم و رضا' عبادت و ریاضت' نفس کشی' ایثار و قربانی' انفاق فی سبیل اللہ فیاضی' راز داری ہیں۔

آیئے اسوہ فاطمہؓ کا تجزیہ کریں۔ اور اسوہ سیدہؓ کے توصیفی بیان کو فقط اپنے عمل کا سرمایہ نہ سمجھیں بلکہ اس کے اطلاقی مطالعے کی ضرورت ہے تاکہ یہ واضح ہو کہ اسوہ سیدہ ہم مسلمان خواتین کتنے فیصد اپنی عملی زندگی میں اختیار کررہے ہیں۔ کیا ہمارا عمل سیدہ النساء العالم کے اسوہ کے مطابق ہے یا بعد المشرقین ہے۔ اسوہ سیدہ کو کامل ماننے والیاں' ہم کنیزان فاطمہؓ کہاں تک اور کس حد تک اس اسوہ کی پیروی و اتباع کررہی ہیں۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم :-

حضرت فاطمہؓ اپنے تمام مشاغل حیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ

"میں نے نشست و برخاست، عادات و فضائل، طرز گفتگو اور لب و لہجے میں آنحضرتؐ کے مشابہ فاطمہؓ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔"

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ

"رفتار و گفتار میں بہترین نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فاطمہ تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کی صورت بھی آنحضرت سے بہت ملتی تھی۔"

حضرت عائشہؓ مزید فرماتی ہیں کہ

"میری آنکھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فاطمہؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا "

محبت رسول :-

مشرکین مکہ رسول مقبولؐ کو جو تکلیفیں پہنچاتے تو کمسن فاطمہؓ انہیں تسلی دیا کرتیں۔ کبھی وہ خود بھی اپنے جلیل القدر والدؐ کی مصیبتوں پر اشکبار ہوجاتیں۔ اس وقت حضورؐ انہیں تسلی دیتے اور فرماتے "میری بچی گھبراؤ نہیں خدا تمہارے باپ کو تنہا نہ چھوڑے گا۔"

حضرت فاطمۃ الزہرؓ کے ساتھ جس قدر محبت رسول اللہؐ کو تھی اتنی اور کسی اولاد کے ساتھ نہ تھی۔ آنحضرت کو حضرت فاطمہؓ بہت محبوب تھیں۔ اسد الغابہ سنن ابی داؤد کے مطابق

"حضرت فاطمہؓ اگرچہ رسول اللہؐ کی محبوب ترین اولاد تھیں لیکن آپ نے کوئی دنیاوی فائدہ نہیں اٹھایا"۔

اسد الغابہ صفحہ 522 اور اصابہ کے مطابق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ سے فرمایا۔

"تمہاری رضا مندی سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے اور تمہارے غیض و غضب سے وہ غضبناک ہوتا ہے"۔

استیعاب صفحہ 771، 772 پر رقم ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر یا غزوے سے مراجعت فرماتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے پھر ازواج مطہرات کے پاس"

حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہوجاتے، ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے اور یہی طریقہ عمل حضرت فاطمہؓ کا تھا۔ ایک تابعی نے حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا رسول اللہ سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں آپؓ نے جواب دیا۔ "عورتوں میں فاطمہ اور مردوں میں ان کے شوہر علیؓ کو"۔ استیعاب صفحہ 772

صحیح بخاری صفحہ 532، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھ کو ناراض کرے گا۔"

صداقت و راست گوئی :-

صداقت و راست گوئی میں حضرت فاطمہؓ کا کوئی جواب نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

"میں نے فاطمہؓ سے بڑھ کر راست گو کسی کو نہیں دیکھا لیکن ان کے والد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم البتہ مستثنیٰ ہیں"۔

آج ہماری زندگیوں میں جھوٹ کتنا رچ بس گیا ہے۔

تقویٰ پرہیزگاری اور زینت دنیا سے روگردانی :-

جناب سیدہ فاطمہؓ نہایت متقی، پرہیزگار اور دین دار خاتون تھیں۔ آپؓ کی تمام تر زندگی زہد و قناعت اور تقویٰ کی بہترین مثال ہے۔ زینت دنیا سے روگردانی اس درجہ تھی کہ نہ صرف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود آرائش یا زیب و زینت کی کوئی چیز حضرت فاطمہؓ کو نہیں دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو اشیاء دوسرے ذرائع سے ملتی تھیں ان کو ناپسند فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے انہیں سونے کا ہار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا۔

"کیوں فاطمہؓ! کیا لوگوں سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہؐ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے"

حضرت فاطمہؓ نے اس ہار کو فوری طور پر فروخت کردیا اور اس کی قیمت سے ایک غلام خرید لیا۔

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوے سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمتہ الزہراؓ نے بطور خیرمقدم کے گھر کے دروازے پر پردے لگائے اور حضرت حسن اور حضرت حسینؓ کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ آپؐ حسب معمول حضرت فاطمہؓ کے یہاں آئے تو اس دنیوی ساز و سامان کو دیکھ کر واپس ہوگئے۔ حضرت فاطمہؓ کو آپؐ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کردیا اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال ڈالے۔ بچے آپؐ کی خدمت میں روتے ہوئے آئے۔

آپؐ نے فرمایا۔

"یہ میرے اہل بیت ہیں میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ان زخارف سے آلودہ ہوں" یہ تمام واقعات ابو داؤد اور نسائی میں مذکور ہیں۔

آج ہم کنیزان بتول زینت دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔ اور لباس، زیورات، آرائش خانہ میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کے لئے کوشاں ہیں۔

استعفاف یعنی شرم و حیا :-

فیض تربیت نبویؐ سے حضرت فاطمۃ الزہراؑ اس درجہ حیاء و استعفاف سے مزین تھیں کہ آپؑ نے اپنے والد محترم یعنی خود نبی اکرم سے سوال نہیں کیا۔ غیرت و شرم اس کو بھی گوارا نہیں کرتی تھی کہ والد محترم سے بھی محفل میں سوال کیا جائے۔ مشہور واقعہ ہے کہ حاضر خدمت ہوئیں اس ارادے سے کہ ایک غلام مانگیں۔ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ لوگ باتیں کررہے ہیں۔ شرم و لحاظ سے واپس آگئیں اور حرف مدعا زبان پر نہ لاسکیں۔ ابو داؤد (کتاب الادب)

حد درجہ حیاء دار تھیں ایک مرتبہ آنحضرت نے طلب فرمایا تو وہ شرم سے لڑکھڑاتی ہوئی آئیں۔ اپنے جنازے پر پردہ کرنے کی جو وصیت کی تھی وہ بھی اسی بناء پر تھی۔

اور آج امت مسلمہ کی بیٹیاں شرم و حیاء سے عاری ہوتی جارہی ہیں۔ حیاء جو مسلمان عورت کی پہچان ہے۔ جناب سیدہؑ کا اسوہ ہے۔ تو آج اس اسوہ سیدہ کے اطلاق کی کتنی شدید ضرورت ہے۔

محنت و مشقت :-

گھر کا تمام کام کاج اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتیں۔ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ مشک میں پانی بھر بھر کر لانے سے کمر اور سینہ مبارک پر گٹے پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو دینے اور چولہا پھونکنے سے کپڑے میلے ہوجاتے تھے چہرے کا رنگ بھی متغیر ہوگیا تھا۔ لیکن ان کی جبین سعادت پر کبھی بل نہیں آتا تھا۔

حضرت ابو ذر غفاریؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوۃ علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ حضرت علیؑ کو بلا لاؤ۔ جس وقت میں ان کے گھر گیا تو دیکھا سیدۃ النساءؑ حضرت حسینؑ کو گود میں لئے چکی پیس رہی ہیں۔

خانہ داری کی اس محنت و جانفشانی کو دیکھتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا آج

حضور کے پاس مال غنیمت میں بہت سی لونڈیاں آئی ہیں جاؤ سرکار دو عالم سے ایک لونڈی مانگ لاؤ۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ لیکن شرم و حیاء حرف مدعا زبان پر لانے میں مانع ہوئی۔ تھوڑی دیر خدمت اقدس میں رہ کر واپس آگئیں۔ اور حضرت علیؓ سے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کنیز مانگنے کا حوصلہ نہیں پڑتا۔ پھر دونوں میاں بیوی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی تکالیف بیان کیں اور ایک لونڈی کے لئے درخواست کی اور رحمت اللعالمین نے فرمایا۔

"میں تم کو کوئی قیدی خدمت کے لئے نہیں دے سکتا۔ ابھی اصحاب صفہ کی خورد و نوش کا تسلی بخش انتظام مجھے کرنا ہے۔ میں ان لوگوں کو کیسے بھول جاؤں جنہوں نے اپنا گھر بار چھوڑ کر خدا اور خدا کے رسولؐ کی خوشنودی کی خاطر فقر و فاقہ اختیار کیا ہے۔"

دونوں خاموشی سے گھر تشریف لے گئے۔ ابن سعدؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ رات کو حضورؐ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ تم جس چیز کے خواہشمند تھے اس سے بہتر ایک چیز میں تم کو بتاتا ہوں۔ فرض نماز کے بعد اور رات کو سوتے ہوئے سبحان اللہ 33 بار الحمدللہ 33 بار اور اللہ اکبر 34 بار پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لئے بہترین خادم ثابت ہوگا۔ قربان جایئے آقائے نامدار کے اور آپ کی صاحبزادی خیر النساءؓ کے کہ جن کے طفیل امت محمدیہ کے ہر فرد کو تسبیح فاطمہ کی شکل میں بہترین خادم کا تحفہ مل گیا۔ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذکر و ورد کا شمار کریں گے تو سب سے زیادہ پڑھی جانے والی تسبیح یہی نکلے گی۔ سبحان اللہ۔

خدمت :-

ایک دن دونوں آٹھ پہر سے بھوکے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کو کہیں سے مزدوری میں ایک درہم مل گیا۔ رات ہوچکی تھی ایک درہم کے جو خریدے اور گھر پہنچے۔ فاطمہ بتولؓ نے خندہ پیشانی سے شوہر کا استقبال کیا۔ جو ان سے لیکر چکی میں پیسے۔ روٹی پکائی اور علی مرتضیٰؓ کے

سامنے رکھ دی۔ جب وہ لوگ کھا چکے تو خود کھانے بیٹھیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اس وقت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آیا کہ "فاطمہؓ دنیا کی بہترین عورت ہے۔"

عبادت الٰہی :-

گھر کے کاموں کے علاوہ عبادت بھی کثرت سے کرتی تھیں۔ گھر کے کاموں کے دوران بھی زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری رہتا۔ کمال درجے کی عابدہ تھیں۔ امام حسینؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی ماں کو شام سے صبح تک عبادت کرتے اور خدا کے حضور گریہ وزاری کرتے دیکھا لیکن انہوں نے کبھی اپنی دعاؤں میں اپنے لئے کوئی درخواست نہ کی۔

فقر و غنا :-

حضرت علی کرم اللہ وجہ سلطان الفقراء تھے۔ فاطمۃ الزہراؓ نے بھی فقر و فاقہ میں ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ کئی کئی وقت کے فاقے گذر جاتے تھے۔

صبر و قناعت :-

ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے ہاں تشریف لے گئے دیکھا کہ سیدۃ النساء اونٹ کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور اس میں بھی تیرہ پیوند لگے ہیں۔ آٹا گوندھ رہی ہیں اور زبان پر کلام اللہ کا ورد جاری ہے۔

تاز قرآن پاک می سوزد وجود
از تلاوت یک نفس فارغ نہ بود

حضور سرور انبیاء یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا۔

"فاطمہؓ دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی دائمی مسرت کا انتظار کر اللہ تمہیں نیک اجر دے گا۔"

صبر و رضا کا اعلیٰ ترین نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ گھر تشریف لائے کھانے کو مانگا۔ سیدہؓ نے بتایا کہ آج تیسرا دن ہے گھر میں جو کا ایک دانہ تک نہیں۔ جناب مرتضیٰؓ نے فرمایا "اے فاطمہؓ مجھ سے تم نے ذکر کیوں نہیں کیا"

سیدۃ النساءؓ نے جواب دیا "میرے والدؐ نے رخصتی کے وقت نصیحت کی تھی کہ میں کبھی سوال کر کے آپ کو شرمندہ نہ کروں۔

یہ ہے اسوہ بتولؓ جس کی تعلیم و ترغیب ہر مسلمان عورت کو ملنی چاہئے۔

سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دینا :-

قبیلہ بنی سلیم کے ایک مسکین اعرابی کو لیکر حضرت سلمان فارسیؓ حضرت فاطمہؓ کے گھر گئے اور عرض کیا کہ "اس مسکین کی خوراک کا بندوبست کیجئے۔ سیدہؓ نے فرمایا۔

"اے سلمانؓ خدا کی قسم آج ہم سب کو تیسرا فاقہ ہے۔ دونوں بچے بھوکے سوئے ہیں لیکن سائل کو خالی ہاتھ نہ جانے دونگی۔ جاؤ یہ میری چادر شمعون یہودی کے پاس لے جاؤ اور کہو فاطمہؓ بنت محمدؐ کی یہ چادر رکھ لو اور اس غریب انسان کو تھوڑی سی جنس دے دو"

یہودی سے جب یہ کیفیت بیان کی گئی تو پکار اٹھا۔

"اے سلمانؓ خدا کی قسم یہ وہی لوگ ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی ہے گواہ رہنا کہ میں فاطمہؓ کے باپؐ پر ایمان لایا۔"

انفاق فی سبیل اللہ :-

ایک دفعہ کسی نے سیدہؓ سے پوچھا' چالیس اونٹوں کی زکواۃ کیا ہوگی۔ سیدہؓ نے فرمایا " تمہارے لئے صرف ایک اونٹ اور اگر میرے پاس چالیس اونٹ ہوں تو سارے ہی راہ خدا میں دے دوں"

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ساری رات ایک باغ

سینچا اور اجرت میں تھوڑے سے جو حاصل کئے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان کا ایک حصہ لیکر پیسا اور کھانا تیار کیا۔ عین کھانے کے وقت ایک مسکین نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا "میں بھوکا ہوں" حضرت سیدہؓ نے وہ سارا کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی اناج کا کچھ حصہ لے کر پیسا اور کھانا پکایا ابھی کھانا پک کر تیار ہوا ہی تھا کہ ایک یتیم نے دروازے پر آکر دست سوال دراز کیا۔ وہ سب کھانا اسے دے دیا۔ پھر باقی ماندہ اناج پیسا اور کھانا تیار کیا اتنے میں ایک مشرک قیدی نے اللہ کی راہ میں کھانا مانگا۔ وہ سب کھانا اس کو دے دیا گیا۔ غرض سب اہل خانہ نے اس دن فاقہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا ایسی پسند آئی کہ اس سارے گھر کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا ○

اور وہ اللہ کی راہ میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

اگر آج اسوہ فاطمتہ الزہراؑ کا یہ پہلو رواج پا جائے تو ہماری معیشت کی تباہ حالیاں خوش حالی سے بدل جائیں۔

خوش نصیبی کا حقیقی معیار :-

ایک دفعہ سیدہؓ علیل تھیں لیکن علالت میں بھی رات بھر عبادت میں مصروف رہیں۔ جب حضرت علیؓ صبح کی نماز کے لئے مسجد گئے تو وہ نماز کے لئے کھڑی ہو گئیں، نماز سے فارغ ہو کر چکی پیسنے لگیں۔ حضرت علیؓ نے واپس آکر ان کو چکی پیستے دیکھا تو فرمایا۔

"اے رسول خدا کی بیٹی اتنی مشقت نہ اٹھایا کرو، تھوڑی دیر آرام کر لیا کرو کہیں زیادہ بیمار نہ ہو جاؤ"

فرمانے لگیں

"خدا کی عبادت اور آپ کی اطاعت مرض کا بہترین علاج ہے۔ اگر ان میں سے کوئی موت کا باعث بن جائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی کیا ہو گی"

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ سے پوچھا۔

"جان پدر (مسلمان) عورت کے اوصاف کیا ہیں۔"

انہوں نے عرض کیا۔

"ابا جان عورت کو چاہئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرے۔ اولاد پر شفقت کرے۔ اپنی نگاہ نیچی رکھے' اپنی زینت چھپائے' نہ خود غیر کو دیکھے نہ غیر اس کو دیکھ پائے"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ کا اسوہ وہ تحفہ عظیم ہے جو مسلمان خواتین کے لئے خصوصاً" بہترین اور کامل ترین نمونہ عمل ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ سے ہر ماں یہ سبق سیکھ سکتی ہے کہ خود عورت کے کردار میں کیا اوصاف فضیلہ ہوں تو تربیت اولاد کی معراج ہوتی ہے۔

سیرت فرزندہا از امہات

جوہر صدق و صفا از امہات

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ

مادراں را اسوہ کامل بتولؓ

اللہ ہمیں اس اسوہ سیدہ کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تعلیمات نبوی کی روشنی میں
اعلیٰ اقدار کے فروغ میں دور حاضر کی مسلم خواتین کی ذمہ داریاں

زیر غور موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے توجہ طلب' قابل ذکر اور تشریح طلب اصطلاح' اعلیٰ اقدار ہیں جن کے معنی اور مفہوم کا تعین بہت اہمیت کا حامل ہے۔

دراصل دور جدید میں ہمیں اسلام کی وضاحت و صراحت بھی مروجہ جدید اصطلاحات میں کرنا ہوگی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ نہ کرے ہم اسلام کے عقائد و نظریات کو بدلنے کی کوشش کررہے ہیں بلکہ ہر زمانے کے مزاج' علمی ترقی اور مروجہ اصطلاحات میں ہی بات ہو تو زیادہ بہتر طور پر سمجھ میں آتی ہے یا زیادہ بہتر طور پر سمجھائی جاسکتی ہے۔

عمرانیات Sociology ایک جدید معاشرتی علم ہے۔ اقدار Values اس کی اہم اصطلاح ہیں۔

اقدار کی تعریف :-

"اقدار اچھائی کے وہ تصورات و معیارات ہیں جو انسانی کردار میں انتخاب کو متاثر کرتے ہیں یا یوں کہیے کہ قدر ایک ایسا معیار ہے جس سے چیزوں کو پرکھ کر پسند یا ناپسند کیا جاتا ہے۔ انتخابی تصور ہی کی وجہ سے فرد کسی ایک چیز' طریقہ' انداز یا طرز عمل کو دوسرے سے اچھا سمجھتا ہے۔"

ہر معاشرے کی اقدار دوسرے معاشرے کی اقدار سے مختلف ہوتی ہیں یعنی اقدار معاشرہ بہ معاشرہ مختلف ہوا کرتی ہیں۔

معمولات ہماری اقدار کی حفاظت کرتے ہیں اقدار جس قدر اہم ہوتی ہیں ان کی حفاظت کے لئے معاشرے میں اسی انداز کے معمولات پائے جاتے ہیں۔

اقدار کی شناخت :-

درج ذیل طریقوں سے اقدار کو پہچانا جاسکتا ہے۔

(1) جسے لوگ اچھا کہیں وہ ان کی قدر ہے۔

(2) جس کے حصول کے لئے لوگ کوشاں ہوں وہ ان کی قدر ہے۔

(3) جس چیز پہ لوگ اپنے وسائل' وقت' محنت اور دولت صرف کریں وہ چیز ان کی قدر ہے۔

(4) جب کئی چیزوں میں سے کسی ایک کا انتخاب ہو تو وہ چیز ان کی قدر ہے۔

اقدار کا واحد قدر ہے۔ قرآن حکیم میں قدر کا لفظ چند جگہ آیا ہے جہاں اس کے معنی اندازے کے ہیں مثلاً" المرسلات آیت نمبر23 اور القمر آیت نمبر49 ہیں۔ کہیں اس کے معنے " مقررہ" کے ہیں مثلاً" سورہ الفجر آیت 16 اور سورہ ۔ 40-

پھر درج ذیل آیات پر غور کیجئے۔ جن میں مشترک فقرہ ہے۔ **وماقدرو اللہ حق قدرہ** ○

(1) سورہ انعام آیت 92-

ترجمہ : "اور انہوں نے اللہ کی قدر کو اتنا نہ جانا جتنا کہ جاننا واجب اور لازم تھا۔"

(2) سورہ الحج آیت 74-

ترجمہ : "ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ پہچانی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور اللہ یقیناً" زبردست قوت والا غلبے والا ہے۔"

(3) سور الزمر آیت 67-

ترجمہ : "اور انہوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسے کے چاہیے تھی۔"

قدر کے کیا معنی ہیں۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ قدر کے اصل معنی تو کسی چیز کی مقدار کو جاننا ہے لیکن اب اس کا اطلاق کسی چیز کو اس کے تمام پہلوؤں سے پہچاننے پر ہوتا ہے اب کثرت استعمال سے یہی اس کے معنی ہوگئے ہیں۔

لہذا قدر سے مراد اللہ کو اس کی تمام قدرتوں کے ساتھ پہچاننے کے ہوئے اور اللہ کی تمام قدرتوں کے ساتھ اس کو پہچانا میرے خیال میں یہ ہے کہ اس کو قادر مطلق جاننا اور اس ذات

واحد پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام تر صفات کو جاننا اور ماننا۔

اللہ کی قدر پہچاننا جس طرح قدر پہچاننے کا حق ہے میرے خیال میں اس سے مراد "حقوق اللہ" ہیں۔ جو درج ذیل ہیں :-

(1) اللہ کو ایک جاننا اور ماننا یعنی ایمان بالتوحید (2) اللہ کی عبادت (3) اللہ کی اطاعت (4) اللہ کی محبت (5) اللہ کی خشیت۔ تقویٰ (6) ذکر الٰہی (7) شکر الٰہی۔

(1) توحید :-

عقیدہ توحید تو ایمان کی بنیاد ہے۔ عقیدہ توحید سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ذات و صفات کے اعتبار سے واحد و یکتا ماننا۔

(2) اللہ کی عبادت :-

اللہ کی رضا مندی اور خوشنودی کا لحاظ رکھنا اور ان امور سے بچنا جو اللہ کو ناراض کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اللہ کے لئے خالص رکھیں۔ یعنی ایمان باللسان کے بعد، تصدیق بالقلب ہو اور تصدیق بالعمل ہو۔

جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے "اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔" یعنی ہر عمل اللہ کی رضا کے لئے کرنا اور منکرات سے بچنا کہ اللہ کو ناراض کرتے ہیں۔

داؤد اور نسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

"اللہ تعالیٰ اعمال میں صرف وہی عمل قبول کرتے ہیں جو صرف اس کی ذات کے لئے کئے گئے ہوں اور ان سے اسی کی رضا مقصود ہو۔"

(3) اللہ کی اطاعت :-

دراصل انسانی زندگی میں اطاعت کی روح کو بیدار کرتی ہے۔ اور اللہ کی اطاعت رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے ذریعے ہوتی ہے۔

ترجمہ "جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے گویا اللہ کی اطاعت کی" النساء آیت 80

(4) اللہ سے محبت :-

اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کرنا جیسی محبت کرنا اس کا حق ہے۔

سورہ البقرہ آیت 165 "ترجمہ : اور مومنین تو اللہ سے ہی شدید محبت رکھتے ہیں۔"

سورہ آل عمران آیت 31

ترجمہ : "اے پیغمبر (لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو" یعنی اللہ سے محبت کا اظہار یا اللہ سے محبت کا تقاضہ اتباع رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم ہے۔

(5) اللہ کی خشیت :-

تقویٰ اور خشیت اختیار کرنا اللہ کا حق ہے۔

سورہ آل عمران آیت 102 "اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا اس سے ڈرنا چاہئے۔" اور اللہ سے ڈرنے یا خشیت کا ثبوت کیا ہے کہ اللہ کے حلال کو حلال جانیں اور اللہ کے حرام کو حرام سمجھیں یعنی "حدود اللہ" کو قائم کریں۔ تقویٰ کا پہلا درجہ جسے عوام کا تقویٰ کہتے ہیں یہی ہے کہ اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب۔

(6) ذکر الٰہی :-

ترجمہ آیت "سو تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کرونگا" البقرہ۔ آیت 152

ذکر کی اقسام :-

(1) ذکر خفی یا پاس انفاس (2) ذکر قلبی (3) ذکر باللسان (الف) ذکر سری (ب) ذکر جہری (4) ذکر بالجوارج۔ اعضائے جسمانی کے ذریعے ذکر مثلاً" عورت کا حیا سے چلنا' زمین پر اکڑ کر نہ چلنا۔

(7) شکر الٰہی :-

سورہ ابراہیم آیت 7 "ترجمہ : اور جب تمہارے رب نے (تم کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو تمہیں زیادہ دونگا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو) میرا عذاب بھی سخت ہے۔"

اللہ کے ان حقوق کو ادا کرنے سے یا دوسرے الفاظ میں اللہ کی قدر کرنے سے جیسا اس کی قدر پہچاننے کا حق ہے۔ انفرادی طور پر تو ہمارے قلب و ذہن کی دنیا ہی بدل جاتی ہے اور ہمارا فکر و عمل بھی بدل ہی جاتا ہے۔ اجتماعی اور معاشرتی طور پر اللہ کی قدر پہچاننے سے خشیت الٰہی یا اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے۔ عبادت' اطاعت اختیار کرنے کا اثر و نفوذ اس طرح سامنے آتا ہے یا اس طور پر اجاگر ہوتا ہے کہ معاشرہ یعنی اسلامی معاشرہ...... اہل ایمان کا معاشرہ...... اللہ کے حلال کو حلال جانتا ہے اور اللہ کے حرام کو حرام گردانتا ہے...... یعنی حدود اللہ کو قائم کرتا ہے۔ یہی اسلامی ثقافتی اقدار ہیں۔

لہٰذا معاشرے کی اعلیٰ اقدار سے مراد...... اوامر

ارذل اقدار سے مراد...... نواہی ہوئے۔

گویا نظام اقدار عقائد و نظریہ حیات سے متعین ہوتا ہے یعنی حیات و کائنات کے بارے میں کسی قوم کا جو نظریہ ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کا نظام اقدار متعین ہوتا ہے۔

قدر سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے ہم عزیز رکھتے ہیں اور اس کے حصول کے لئے کوشاں ہوتے ہیں۔ وہ باتیں یا وہ چیزیں جو وقیع ہیں اور جن کے بارے میں خواہش رکھتے ہیں کہ ان کا فروغ

ہو۔

لہٰذا اسلامی نقطہ نظر سے اقدار کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے ہروہ بات جو اللہ کی نظر میں قدر و منزلت رکھتی ہو پسندیدہ ہو اور انفرادی زندگی کے ساتھ ساتھ اجتماعی و مجلسی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہو۔ ہر سنت نبوی اعلیٰ اقدار کے زمرے میں آتی ہے۔ اخلاق حسنہ اور اخلاق فاضلہ بھی اعلیٰ اقدار کے زمرے میں آتے ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے اقدار کی تعریف :-

اعلیٰ اقدار اچھائی یا اوامر کے وہ تصورات و معیارات ہیں جو اللہ کی حدود سے متعین ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے ہم اللہ کے حلال کو حلال جانتے ہیں اور حرام کو حرام سمجھتے ہیں۔ یہی ہم مسلمانوں کے لئے ایک ایسا معیار ہے جس سے چیزوں یا طرز ہائے عمل یا معمولات کو پرکھ کر ہم پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔ اسلام کی اعلیٰ اقدار میں ایک ربط وار تباط پایا جاتا ہے کیونکہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول ان کا محرک ہوتا ہے۔"

ماہرین عمرانیات کے نزدیک اقدار کی دو بڑی قسمیں ہیں۔

(1) معاشرتی اقدار :-

معاشرتی اقدار وہ ہیں جو معاشرے میں رائج اور مقبول ہیں اور جنہیں افراد اپنی معاشرتی زندگی کا نصب العین سمجھتے ہیں اس میں وہ جدید ترین اقدار شامل ہیں جنہیں ثقافتی تبدیلی کے نتیجے میں معاشرے نے قبول کیا ہو۔

(2) ثقافتی اقدار :-

ثقافتی اقدار وہ ہیں جو قدیم روایات ہیں یا آباء و اجداد کے زمانے سے ہم تک منتقل ہو کر آئی ہیں۔ ان کا تعلق ماضی کی روایات سے ہے۔ یہ اقدار نہایت دیرپا ثقیل اور اپنے معاشرتی دباؤ میں سخت ہیں۔

اسلامی نقطہ نظر سے بھی اقدار کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔

(1) اسلامی معاشرتی اقدار (2) اسلامی ثقافتی اقدار

(1) اسلامی معاشرتی اقدار :-

معاشرتی اقدار وہ ہیں جو معاشرے میں رائج اور مقبول ہیں اور جنہیں مسلمان اپنے معاشرتی تشخص کا آئینہ دار سمجھتے ہیں۔ اس میں وہ جدید ترین اقدار بھی شامل ہیں جنہیں ثقافتی تبدیلی کے نتیجے میں معاشرے نے قبول کیا ہو لیکن اپنے بنیادی معیار اقدار سے ہم آہنگ بناتے ہوئے۔

(2) اسلامی ثقافتی اقدار :-

اسلامی معاشرے کی ثقافتی اقدار حدود اللہ ہیں یعنی اللہ کے حرام کو حرام جاننا اور حلال کو حلال سمجھنا۔ اللہ کی رضا کا حصول مسلمان معاشرے کا منتہائے مقصود ہے۔ اور اتباع رسول اس کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا خلق عظیم یا اخلاق حسنہ ہماری اعلیٰ اقدار ہیں کیونکہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق قرآن پاک کی عملی شکل ہے۔

لہٰذا یہی قدیم روایات ہیں اور یہی ہمارا ثقافتی اور دینی ورثہ' جو اسوہ حسنہ کی شکل میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منتقل ہو کر ہم تک پہنچا ہے اپنی انہیں ثقافتی اقدار کے معیار پر ہم جدید معاشرتی اقدار کو پرکھ کر جانچ کر اختیار کرتے ہیں یا رد کرتے ہیں یا اپنے بنیادی معیار اقدار سے جدید اقدار کو ہم آہنگ بناتے ہیں۔

سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور ذرائع ابلاغ کی ترقی کے نتیجے میں دنیا کے مختلف ممالک سمٹ کر ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں اور ایک دوسرے کی ثقافت پر اثر اندازی بڑھ چکی ہے لیکن ہم مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی اور ایجادات و اختراعات کو اپنی معاشرتی اقدار پر اثر انداز تو ہونے دیں گے لیکن ان کا قبلہ درست رکھیں گے۔ مثلاً" ٹی وی اسٹیشن اور ٹی

وی پروگرام تو ہوں لیکن ٹی وی کی نشریات میں اسلام کی اقدار یعنی حدود اللہ کی پابندی رہے۔ مثلاً" عورتیں ٹی وی کے پروگراموں میں آئیں تو حیاء جو مسلمان عورت کی پہچان ہے اس کے ساتھ ہوں۔ عورت اس طرح ڈریس اپ ہو کر پردے کے "کم از کم معیار" پر تو ہو یعنی زیادہ سے زیادہ اس کا چہرہ' ہاتھ اور پیر کھلے ہوں۔

نیز ٹی وی کی نشریات کا مقصد عیش پرستی اور لہو و لعب اور کھلی یا چھپی فحاشی کا فروغ نہ ہو بلکہ مسلمانوں میں علم کا فروغ و اشاعت ہو۔ ان میں جذبہ جہاد کو زندہ رکھنا ہو اور ان کو بامقصد اور صحتمند تفریح مہیا کرنا ہو۔ یعنی صوتی اور بصری برقیاتی آلات کا تعمیری استعمال ہو۔ ریڈیو کی نشریات کا مقصد بھی علم و معلومات کا فروغ و اشاعت ہو اور امتہ مسلمہ کو عیش پرستی میں مبتلا کرنا اور کھلی اور چھپی فحاشی یا لہو و لعب کا فروغ نہ ہو بلکہ بامقصد اور صحتمند تفریح مہیا کرنا ہو۔

مزید یہ کہ مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کی ہر جدید ایجاد و اختراع سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں مختلف کچن مشینیں اور آلات فرج' ڈیپ فریزرز' واشنگ مشین' مائیکرو ویو اوون' ایئر کنڈیشنر' سینٹرل ہیٹنگ سسٹم' موٹر کاریں' اسکوٹر' بسیں' بحری جہاز' ہوائی جہاز' فیکس' ٹیلی فون اور کمپیوٹر وغیرہ۔ مگر نہ تو مسلمانوں کی زندگی کا مقصد سائنس اور ٹیکنالوجی کی ان جدید ایجادات کا حصول ہوگا۔ کہ وہ جائز اور ناجائز ہر طریقے اور ذریعے سے انہیں حاصل کریں۔ اور ان جدید ایجادات و اختراعات سے لطف اندوز ہوں اور نہ ان کو حاصل کرکے وہ پر تعیش و پر آسائش زندگی گزارنے کے عادی بن جائیں۔

بلکہ ابو داؤد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے قول کے مطابق " سادگی اور سادہ طرز زندگی ایمان کی علامت ہے۔"

امام احمد معاذ بن جبل سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں۔

"تم ناز و نعمت میں پڑنے سے بچو اس لئے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پڑتے۔"

سادہ طرز زندگی اختیار کرنے اور سادگی سے بسر کرنے اور سادگی کو شعار کرنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور امہات المومنینؓ ہمارے لئے بہترین نمونہ اور اعلیٰ ترین مقتدی ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ جب امت مسلمہ نعمتوں میں مست اور کھانے پینے میں مستغرق ہوجائے گی۔ تعیشات میں پڑ جائے گی تو مادہ پرستی اس پر غالب آجائے گی۔ اور مادی ترقی و تمدن اپنی چمک دمک اور ظاہری آب و تاب سے اسے دھوکے میں ڈال دے گی اور پھر وہ بہت جلد اپنے مقام سے گر جائے گی اور دشمن کے سامنے' باطل قوتوں کے سامنے گردن جھکا دے گی۔ اور اس کے نوجوانوں کے دل سے صبر اور جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے مصائب برداشت کرنے کی روح ماند پڑ جائے گی۔ دعوت و ارشاد کا فریضہ نظرانداز ہوگا۔ اور انسان آزادی و بے راہ روی کی وادیوں میں پھسلتا رہے گا امت مسلمہ کو یہ بھی سوچنا ہوگا کہ اگر ہم اس زندگی میں' جہاد اکبر' یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد' نہ کریں گے اور اپنے نفس کو موٹا کرتے رہیں گے تو حیات بعد الموت کی ابدی راحتوں کو کیسے پاسکیں گے۔

ثقافتی اثر اندازی :-

برقیاتی ذرائع ابلاغ کی ترقی کے باعث اور ذرائع آمد و رفت اور ذرائع خبر رسانی کی تیز رفتاری کے باعث آج دنیا سمٹ کر ایک چھوٹی سی دنیا بن چکی ہے اور مختلف ممالک ایک دوسرے کے قریب آگئے ہیں اور ایک دوسرے کی ثقافت پر اثر انداز ہورہے ہیں۔ یہ ایک عالمی سچائی ہے کہ مختلف ثقافتوں کی ایک دوسرے پر اثر اندازی بڑھ چکی ہے۔ اب کوئی ملک اپنے آپ کو گوشہ نشیں کرکے نہیں رہ سکتا۔ ایک جانب ترقی یافتہ ممالک جو عموماً" یہود و نصاریٰ کے ممالک ہیں۔ دوسری جانب لادینی ممالک ہیں لہٰذا ان تمام ممالک کے اثرات کو قبول کرنے میں بھی یعنی ثقافتی اثر اندازی میں بھی ہمیں بہت ہوشمندی سے کام لینا ہوگا۔ یعنی صرف ان اقدار کو قبول کرنا ہوگا جو حدود اللہ کے مطابق ہوں یعنی ہر وہ معاشرتی قدر جو حدود اللہ سے تجاوز کرتی ہو ہمیں سختی سے رد کردینی چاہئے۔ ہم مسلمان ہیں ہم اللہ کے حلال کو حلال اور اللہ کے حرام کو حرام جانتے ہیں اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہمارے سامنے ہے لہٰذا اس کی روشنی میں اوامر ہمیں اختیار کرنے چاہیں اور نواہی سے ہمیں باز رہنا چاہئے۔

سورہ حشر آیت نمبر

"جو رسول تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے وہ روکیں اس سے رک جاؤ۔"

لمحہ فکریہ :-

8 مارچ کو بمبئی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں "جدید جنگ اور ہم" کے موضوع پر ایک سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے بھارت کے سابق وزیراعظم راجیو گاندھی کی اطالوی نژاد بیوی سونیا گاندھی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ بھارت نے پاکستان میں اپنی ثقافت کو متعارف کروا کے ایک ایسی جنگ جیتی ہے جو ہتھیاروں سے جیتنا ناممکن تھی۔ سونیا گاندھی نے کہا "اب کی بار ہم نے پاکستان پر ایک ثقافتی یلغار کی ہے جس نے پاکستان کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیا ہے۔ اب سرحدوں پر لڑائی نہیں لڑی جاتی بلکہ اب نظریاتی جنگ کا دور ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جدید جنگوں کی حکمت عملی میں بھی تبدیلی آگئی ہے۔ پاکستان جس کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا۔ برصغیر پاک و ہند کو چند مذہبی جنونیوں نے اپنے مقاصد کے لئے دو حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ آج تاریخ اور حقائق گواہ ہیں کہ ہم نے اس اسلامی ملک میں اپنی ثقافت کو متعارف کروا کے دو قومی نظریے کو پاش پاش کردیا ہے آج پاکستان کا بچہ بچہ بھارتی ثقافت کا دلدادہ ہے اور تو اور اب پاکستان ٹیلی ویژن ہمارے مذہبی رقص بڑے فخر سے دکھا کر ہمارا کام آسان کررہا ہے اب ہمیں پاکستانیوں کو ہتھیاروں سے نشانہ نہیں بنانا پڑے گا۔"

سونیا گاندھی کا یہ دعویٰ ہم مسلمان خواتین کے لئے ایک چیلنج ہے اور اعلیٰ اقدار کے فروغ میں دور حاضر کی مسلم خواتین کی ذمہ داریوں کا احساس ہم میں بیدار کررہا ہے۔

دور حاضر میں جغرافیائی سرحدوں کا دفاع عموماً" افواج کی ذمہ داری ہے۔ خیر تاریخ اسلام کے روشن ابواب میں تو مسلمان خواتین نے تو جغرافیائی سرحدوں کے دفاع میں بھی حصہ لیا۔ لیکن نظریاتی سرحدوں کا دفاع' اپنی اقدار کا تحفظ اور فروغ اور بیرونی ثقافتی یلغاروں کو بے اثر اور ناکام بنانے کے لئے ہم مسلمان پاکستانی خواتین کو میدان عمل میں آنا ہوگا۔ اور اپنی ذمہ داریاں

ادا کرنا ہوں گی۔

پاکستان ایک آزاد و خود مختار ملک ہے اور پاکستانی قوم ایک جداگانہ مسلم تشخص اور اسا
ثقافت رکھنے والی قوم ہے جو ہندو ثقافت سے بالکل جدا اور مختلف ہے اور یہی دو قومی نظریے
بنیاد تھی۔ صرف ناچ گانے کا نام ثقافت نہیں ہوا کرتا۔

بلکہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم مسلمان اپنے آپ پر اور اپنی نوجوان نسل پر واضح کریں
ناچ گانا اسلام میں حرام ہے۔ اللہ کی حدود کی خلاف ورزی ہے لہٰذا اگر ناچ گانا ہماری ثقافت م
شامل ہو بھی گیا ہے تو یہ جہالت کے باعث' دین کی تعلیم کے فقدان کے باعث اور برصغیر م
ہندوؤں کے ساتھ رہنے بسنے کے باعث۔ یہ ہماری اقدار کا حصہ نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے۔

شیکسپیئر نے موسیقی کو روح کی غذا کہا ہمارا عقیدہ اور ایمان تو یہ ہے کہ اللہ کے ذکر
قلوب کو طمانیت نصیب ہوتی ہے اللہ کا ذکر روح اور قلب کی غذا ہے۔

اب ہمیں اپنی اعلیٰ اقدار کو فروغ دینا چاہئے اور ہمیں یعنی دور حاضر کی مسلم خواتین کو اس
ضمن میں اپنی ذمہ داریوں سے مزید غفلت برتنے کے بجائے اپنی اقدار کو مستحکم کرنے اور ناف
کرنے کے عمل میں موثر کردار ادا کرنا چاہئے۔

آج ہم مسلمان پاکستانی خواتین کو شعوری طور پر اپنے بچوں میں اسلامی ثقافت اور اسلام
طرز حیات سمونے کی بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔ شعائر اسلامی سے محبت اور ان کو عملاً" اختیار
کرنے کا سبق دینا ہوگا۔ اسلامی کردار سازی کی شدید ضرورت ہے اور یہ آج کی مسلمان عورت
کے سامنے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ اسلام دشمن عالمی مہم جو بالعموم اسلامی دنیا اور بالخصوص
پاکستان کے خلاف چلائی جارہی ہے اس کا سدباب اور تدارک مسلمان عورت کی اہم ترین ذمہ
داری ہے۔

اندرون ملک بھی ثقافت کے نام پر رقص و موسیقی کے فروغ کو اولیت دی جارہی ہے
الیکٹرونک میڈیا (ٹی- وی اور ریڈیو) نے بھی کچھ عرصے سے اپنی نشریات کا بیشتر وقت رقص و
سرور اور راگ رنگ پر مشتمل پروگراموں کے لئے وقف کیا ہوا ہے اور اس طرح وہ ملکی عوام

اور نہ بچہ۔ ماں کا کردار تو اولاد کے لئے ماڈل ہوتا ہے۔ مثال ہوتا ہے۔ اور نہ معصوم بچہ اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھتا۔

دوسری خبر سے بھی ماؤں کی تربیت اولاد کے فریضے میں کوتاہی ثابت ہوتی ہے۔ انہوں نے بچوں کو برے بھلے میں تمیز کرنا نہ سکھایا۔ حلال و حرام کا فرق نہ بتایا۔ اللہ کی مقرر کردہ حدود کا احترام نہ سکھایا۔ یعنی اعلیٰ اقدار کی ترسیل اولاد تک نہ ہوئی۔ یہ ترسیل ماؤں کے ذریعے سب سے موثر ہوتی ہے۔

اعلیٰ اقدار کے فقدان کی یہ صورتحال کیوں پیدا ہورہی ہے۔ اس لئے کہ ظاہر ہے نوجوانوں کی تربیت کے بنیادی مراحل میں جبکہ وہ لاشعوری دور حیات سے شعور کی منزلوں کی طرف پروان چڑھ رہے تھے۔ اس وقت ان کے ذہنوں میں اعلیٰ اقدار کی آبیاری نہ ہوسکی۔ کیونکہ زندگی کے اس اہم ترین دور یعنی بچپن میں انہیں اپنے "پہلے مکتب" یا اولین درسگاہ سے انسانیت۔ اخلاق حسنہ اور اخلاق فاضلہ کے سبق نہیں پڑھائے گئے۔

اصل سبب یہ ہے کہ انسانیت کی اولین درسگاہ یا پہلے مکتب۔ کو یعنی ماؤں کو اس کردار سے محروم کیا جارہا ہے جن کے ذریعے وہ اپنی نسلوں کی تربیت کرسکیں۔ ان کو دین پہنچا سکیں اسلامی روح ان کی شخصیت، کردار اور عمل میں سمو سکیں۔ قلب کی بیداری ان میں پیدا کرسکیں اور اپنے نظریہ حیات کے مطابق، اپنے دین کے مطابق ان کے ظاہر و باطن کی تشکیل کرسکیں اور اعلیٰ اقدار اپنے بچوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنیں۔

تعلیمات نبوی کی روشنی میں عملی اقدام :-

پیغمبر اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "عورتیں ریاست و معاشرت کا ستون ہیں اگر وہ اچھی ہیں تو ریاست بھی اچھی ہوگی اگر وہ خراب ہیں تو ریاست بھی خراب ہوگی۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو ریاست و معاشرت کا ستون قرار دے کر

اور بالخصوص نوخیز ذہنوں کے مزاج و انداز فکر' رجحان و ذوق کو ہماری اعلیٰ اقدار سے برگشتہ او
منحرف کررہے ہیں۔

اس صورت احوال میں ہم مسلمان خواتین کو ہمہ تن مصروف ہو کر یہ شعوری کوشش کر
ہوگی کہ اپنی نئی نسل کی نظریاتی جہت کو دین اور اخلاقی رجحانات سے نہ ہٹنے دیں۔ ان میں حدود
اللہ کے احترام کو راسخ کردیں۔ انہیں کھل کر بتائیں کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا ہے" یعنی اعلیٰ
اقدار کو ان میں فروغ دیں۔

یہ گھمبیر و سنگین ثقافتی یلغاریں ہیں لہٰذا اس کا سدباب کرنے کے لئے بہت منظم بھرپور اور
ہمہ وقتی کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

پچھلے دنوں اخبارات میں چھپنے والی دو خبریں آپ کی توجہ طلب ہیں۔

(1) تین سالہ بچہ تیسری منزل سے چھلانگ لگاکر اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھا

ایک تین سالہ بچہ جو اپنے ماں باپ کے ساتھ بیٹھا انڈین فلم دیکھ رہا تھا اس نے بالکونی میں
جاکر تیسری منزل سے نیچے چھلانگ لگا دی کیونکہ فلم میں ہیرو نے ایسا ہی کیا تھا اور نتیجتاً" وہ بچہ
اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھا۔

(2) ملتان کے قریب تین نوجوان لڑکوں میں شراب نوشی کا مقابلہ ہوا

کثرت شراب نوشی کے نتیجے میں دو نوجوان لڑکے موت کا شکار ہوگئے

دونوں خبریں افسوسناک ہیں اور اعلیٰ اقدار کے فروغ میں دور حاضر کی خواتین کی ذمہ داریوں
کی ادائیگی میں کوتاہی کا بین ثبوت ہیں۔

پہلی خبر میں عورت بحیثیت ماں کے کردار پر غور کرتے ہوئے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ
اگر ماں خود اپنے آپ کو لہو و لعب میں پڑنے سے روکتی' کھلی یا چھپی فحاشی سے بچاتی یا ذہنی
عیاشی سے گریز کرتی جیسا کہ تعلیمات نبوی کے مطابق ہونا چاہئے تھا تو نہ وہ خود انڈین فلم دیکھتی

خانگی و معاشرتی ہر دو سطح پر ان کے کردار کی اہمیت اجاگر فرمادی۔

اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں اور جیسا کہ حضرت سیدنا عمر فاروقؓ کے قول کے مطابق "عورت کا اعلیٰ ترین جوہر یہ ہے کہ پرورش اور تربیت کے لحاظ سے وہ بہترین ماں ثابت ہو۔"

لہٰذا اولین اقدام یہ ہونا چاہئے کہ لڑکی کی تربیت اس لحاظ سے کی جائے

کہ وہ بہترین ماں ثابت ہو۔

اعلیٰ اقدار کے فروغ میں خواتین کی ذمہ داریاں مردوں کے کردار کے مقابلے میں بہت زیادہ اہم ہیں کیونکہ عورت "ماں" ہے اور ماں کی گود میں ہر معاشرے کی نئی نسل پیدا ہوتی ہے اور ماں کے ہاتھوں پروان چڑھتی ہے۔

جدید ماہرین معاشیات انسان کی تربیت و تعلیم کو سب سے اہم اور منافع بخش سرمایہ کاری قرار دیتے ہیں اور اس اہم ترین منافع بخش سرمایہ کاری یعنی انسان کی تعلیم و تربیت کا بارگراں ماؤں کے نازک کندھوں پر ہوتا ہے۔

ماں کی گود انسان کی اولین درسگاہ ہوتی ہے یہ درسگاہ جتنے بلند معیار کی ہوگی یعنی ماؤں کے ذریعے تربیت اولاد جتنے بلند معیار کی ہوگی۔ اگر جذبہ ایمانی، اخلاص و جاں سوزی اور اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق ہوگی تو انسان سازی کے یہ کارخانے، تربیت نفس کے یہ مراکز، تعمیر شخصیت کے یہ گہوارے بہترین مسلمان پیدا کریں گے۔

دراصل اعلیٰ اقدار کی ترسیل کا یہ عمل مدرسہ امومت کے ذریعے ہوا کرتا ہے یعنی مائیں، گھر اور خاندان اتنے ہی بہتر اور بلند معیار کے افراد معاشرہ پیدا کریں گے اور معاشرہ بھی پاکیزہ اور مستحکم و مضبوط ہوگا اور ریاست بھی مستحکم و مضبوط ہوگی۔

دوم اقدام : امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ :-

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب صحابہ کرام کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت

فرمائی۔ ترجمہ

"اے اہل ایمان اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"

تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنے آپ کو تو جہنم کی آگ سے بچا سکتے ہیں اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے کیونکر بچا سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تم انہیں ایسے کام کرنے کا حکم دیتے رہو جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔" اور ان کاموں سے روکتے رہو جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔"

میں سمجھتی ہوں کہ اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لئے یہی بنیادی عمل ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں اعلیٰ اقدار کے فروغ میں اہل ایمان عورتوں کے کردار کی اساس ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے۔ "تم میں سے ہر شخص راعی ہے۔ اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق سوال کیا جائے گا عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعیہ ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

تیسرا اقدام : مسلمان ماں میں تربیت اولاد سے متعلق جوابدہی کا احساس پیدا کیا جائے :-

درج بالا حدیث کی روشنی میں مسلمان ماں تربیت اولاد اور اصلاح اولاد کے متعلق جوابدہ ہے لہٰذا مسلمان ماؤں میں جوابدہی کا احساس پیدا کیا جائے۔ اور تربیت اولاد کی اہمیت ان پر واضح ہو اور تربیت کی صحیح سمت بھی۔ تربیت اولاد ممکن ہی نہیں جب تک اولاد میں اعلیٰ اقدار کو Inculcate نہ کردیا جائے۔ یعنی اعلیٰ اقدار کو اولاد میں راسخ کردیا جائے۔ جب تک مائیں اولاد کو اچھے برے میں تمیز نہ سکھا دیں۔ حلال و حرام کا فرق نہ بتا دیں اور ان کے قلب میں یہ نہ بٹھا دیں کہ اللہ نے جن چیزوں کو حلال کیا فقط وہی حلال ہیں اور اللہ نے جن چیزوں کو حرام کیا ان کو اپنے اوپر حرام سمجھو اور اللہ کی حدود کو ہمیشہ قائم رکھو۔

چوتھا اقدام : اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھموانا :-

اور غور کیجئے تو بچوں کے ذہنوں میں روز اول سے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ان کی مائیں ڈالتی ہیں۔ اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کرنا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور ان کے اتباع کا جذبہ بھی مائیں ابھار سکتی ہیں۔ قرآن سے محبت' تلاوت قرآن کا شوق اور قرآن فہمی سے شغف مائیں پیدا کرتی ہیں غرض یہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھموانے کا کردار بھی ماؤں کا ہے۔ اور مائیں غیر محسوس طور پر یہ اہم کام سرانجام دیتی ہیں۔

عام خواتین۔ اعلیٰ اقدار کا فروغ۔ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکو کا فریضہ :-

اسلام ایک عظیم الشان معاشرتی دین ہے جو تمام انسانی معاشروں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ اس امت کے آخری زمانے والوں کی اصلاح بھی اسی سے ہوگی جس سے پہلے والوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ یعنی قرون اولیٰ' قرون وسطیٰ' قرون موجودہ اور قرون اخریٰ سب ادوار اور قرون کے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح۔ سماجی برائیوں کے انسداد اور ان میں اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لئے بنیادی کردار

امر بالمعروف اور نہی عن المنکو ہے اور رہے گا۔

دراصل انسان جن لوگوں کے ساتھ معاشرتی ربط ضبط اور تعلق رکھتا ہے۔ معاشرے کے افراد کی ایک دوسرے کے لئے خیر خواہی' بھلائی اور مدد و تعاون اس میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بے خبر اور لاتعلق نہ رہیں بلکہ موقع بہ موقع ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہیں اور اسلام کے اساسی اصول یعنی نیک کاموں کا حکم دیتے رہیں اور برے کاموں سے ایک دوسرے کو منع کرتے رہیں۔

اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکو کے فریضے میں تمام امت کو شامل اور شریک کیا ہے اور اس ذمہ داری کو ایک ایسی معاشرتی یا اجتماعی ذمہ داری قرار دیا ہے جس سے کوئی بھی مسلمان مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ ہر شخص پر اس کی حیثیت و طاقت اور ایمان کے مطابق یہ

فریضہ عائد ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی دلیل اور اساس اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیل ہے۔

آل عمران آیت ترجمہ "تم ان سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔"

اور مسلمانوں کے اجتماعی و معاشرتی فریضہ کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ سورہ توبہ "اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں نیک بات سکھلاتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں۔ اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلتے ہیں۔ وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا۔"

اعلیٰ اقدار کے حامل خواتین و حضرات اعلیٰ اقدار سے روگردانی کرنے والوں کو روکیں :-

امام بخاری و ترمذی حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ

"اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہو اور اس کی مثال جو اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا ہو اس قوم کی طرح ہے جو کشتی میں قرعہ اندازی سے سوار ہوئی ہو اور بعض کو اوپری منزل ملی ہو اور بعض کو نچلی۔ جو لوگ نچلی منزل میں ہوں وہ پانی لینے کے لئے اوپر کی منزل والوں کے پاس سے گزرتے ہوں۔ اگر نچلی منزل والے یہ سوچ لیں کہ اگر ہم اپنی منزل میں سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیا کریں تو اگر ایسی صورت میں اوپر کی منزل والے ان کو یہ سوراخ کرلینے دیں تو سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے اور اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑلیں اور ان کو سوراخ نہ کرنے دیں تو وہ خود بھی بچ جائیں گے اور دوسروں کو بھی بچالیں گے۔"

اس تمثیلی حدیث کے مطابق اگر ہم حیاء جو ایک اعلیٰ قدر ہے اس کا جائزہ لیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عورت کو حیاء کی تلقین کی۔ عورتوں کو اپنی زینت

کی نمائش سے روکا۔ غور کیجئے ان تعلیمات نبوی سے اصل مقصود معاشرے کو فحاشی' عریانیت اور بے حیائی سے پاک کرنا ہے ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والی خواتین کو تو معاشرے میں عزت و وقار اور احترام ملتا ہی ہے۔ اگر ہم خود بے پردگی اور بے حیائی کا شکار نہ بھی ہوں تب بھی بے حیائی اور بے پردگی یا خلاف شرع قسم کے عمل پر کسی کو روکتے ٹوکتے نہیں بلکہ "مصلحتاً" خاموش رہتے ہیں۔

اور خرابی مزید بڑھتی ہے۔ اور بڑھتی جارہی ہے آج کے ترقی یافتہ دور میں عورت کا مقام جاہلیت کے دور کی عورت سے بھی زیادہ بھیانک اور پست ہوگیا ہے۔ آج ہماری جواں سال اور تعلیم یافتہ لڑکیاں ٹی وی اور ابلاغ عامہ کی اشتہاری ماڈل ہیں ایکٹنگ چیلنج میں اداکاری اور Singing Round میں رقص کناں ہیں۔ اور پاپ میوزک کے نئے انداز اور نئے تجربوں میں محبوبہ کا رول ادا کرتی نظر آتی ہے۔

اس تمثیلی حدیث کے مصداق ہمیں بے حیائی و بے پردگی کا شکار اپنی ہم جنسوں کو روکنا ٹوکنا ہوگا تاکہ ہم خود بھی بچ جائیں اور دوسروں کو بھی بچالیں۔

علم کے فیضان کو عام کریں اعلیٰ اقدار کو فروغ حاصل ہوگا :-

اعلیٰ اقدار کے فروغ کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے خواتین کے سپرد کی ہے۔ چونکہ دین کے بڑے حصے کو منتقل کرنے کا فریضہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ازواج مطہرات کے سپرد کیا جارہا تھا تو ارشاد ربانی ہوا۔

ترجمہ : "اے نبی کی بیویوں اپنے گھر میں پڑھی جانے والی آیتوں
اور حکمت کی باتوں کو یاد رکھو"

گویا اس آیت مبارکہ سے براہ راست ازواج مطہرات اور بالواسطہ تمام اہل ایمان خواتین کو علم و حکمت کے حصول کا اور اسے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میری اس توجیہہ کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے کہ علم و حکمت کی تحصیل

کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

"اے عائشہؓ علم و قرآن کو اپنا شعار بنالو"

میرے نزدیک یوں تو محسن نسواں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار احسانات ہیں ہم خواتین پر۔ لیکن آپ کا عظیم ترین احسان یہ ہے کہ آپ نے مسلم مردوں کے ساتھ ساتھ مسلم خواتین کے لئے بھی حصول علم اور طلب علم کو فرض قرار دے دیا۔

مسلمان خواتین حدیث نبوی کی روشنی میں اگر طلب علم کے فریضے کی ادائیگی کو اپنی زندگیوں میں اولین اہمیت دیں۔ نیز اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کے حصول علم کی راہ ہموار کریں تو اس معاشرے میں خواندگی کا تناسب بڑھ جائے گا اور یہ معاشرہ تعلیم یافتہ افراد کا معاشرہ ہوگا۔ لہٰذا اعلیٰ اقدار فروغ پائیں گی۔ نیز اعلیٰ اقدار کے فروغ میں دور حاضر کی مسلم خواتین جب تعلیم سے بہرہ مند ہوں گی تو اپنی ذمہ داریاں زیادہ بہتر طور پر نبھا سکیں گی۔

نیز مسلمان عورت کی اپنے دین سے دوری' قرآن و سنت سے بے خبری اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و پیروی میں کمی کا سبب ہی یہ ہے کہ اس کی آنکھوں پر جہل کی پٹی بندھی ہے۔

جدید تعلیم میں بھی ہماری خواتین میں خواندگی کی شرح 22 فیصد ہے۔ یعنی 78 فیصد خواتین جدید علم سے بے بہرہ ہیں۔ اور علم دین کے نام پر تو خواتین کی اکثریت صرف قرآن پاک ناظرہ پڑھی ہوئی ہیں۔ نہ قرآن کے پیغام کو سمجھا ہوا ہے اور نہ ہم سیرت طیبہ کی باریکیوں سے آگاہ ہیں۔ لہٰذا مسلمان ہونے کی حیثیت سے دور جدید میں بھی کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ قرآن کے معنی اور مفہوم کو سمجھے تاکہ قرآن کا پیغام سمجھ سکے۔ نیز سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غور سے دیکھے۔ سیرت کا تفصیلی مطالعہ کرے تاکہ اتباع کرسکے۔

نیز اس مقالے کی معرفت میری تجویز ہے کہ لڑکیوں یا طالبات کے نصاب میں ایک اضافی مضمون Women Studies یا Muslim Women Studies شامل کیا جائے

قرآن حکیم نے مومن عورتوں کے اوصاف واضح طور پر بیان کردیئے ہیں۔ لہٰذا اس

اضافی مضمون میں مسلمان عورت کی خصوصیات و اوصاف، حقوق و فرائض اور مطلوبہ کردار کی وضاحت ہو۔ نیز مثالی خواتین کے نام سے امہات المومنین، بنات النبی، صحابیات النبی اور تابعات اور پاک نفس خواتین کی سیرت اور کارناموں کا مطالعہ ہو تاکہ ان پاک نفس خواتین کو ہم اور ہماری بچیاں Idealize کریں اور ان کے نقوش سیرت ہمیں حسن عمل پر اکسائیں۔ حضرت ہاجرہؓ جیسی سعی و اوللعزمی، حضرت خدیجہ الکبریٰؓ جیسا انفاق فی سبیل اللہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ جیسا علم و حکمت، حضرت فاطمتہ الزہراؓ جیسا صبر اور حیاء حضرت زینبؓ بنت علی جیسی اعلائے کلمتہ الحق کی صفات اور اعلیٰ اقدار ہم میں فروغ پاسکیں۔

سیوطی نے تاریخ خلفاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ذکر کی ہے کہ۔

"نیکی کی کل 360 خصلتیں ہیں اور وہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ میں ہیں۔"

گویا ہماری معاشرتی اعلیٰ اقدار 360 ہوئیں۔ اور نیکی کی خصلتوں کو اخلاق عالیہ کہتے ہیں تو اعلیٰ اقدار کے فروغ سے مراد اخلاق کے اوصاف یا خلق عظیم کا فروغ ہے۔

اور خواتین خواہ تعلیم یافتہ ہوں یا ان پڑھ یا واجبی طور پڑھی لکھی وہ تربیت اولاد میں خلق عظیم کے فروغ کی کوشش کرتی ہیں۔ میں نے اور آپ نے نیکی کی خلصتیں اپنی ماؤں سے سیکھی ہیں اسکول اور کالج سے نہیں۔

مثلاً" شیخ عبدالقادر جیلانی کا واقعہ ہے کہ جب وہ طلب علم کے ارادے سے بغداد روانہ ہوئے تو ماں نے ان سے کہا "بیٹا جھوٹ مت بولنا اور سچائی کی قدر کی آبیاری ان کی ماں نے کی اور پھر اس صداقت کے فروغ کے باعث ڈاکوؤں اور ان کے سردار کو ہدایت میسر آئی تو مائیں اس طرح اعلیٰ اقدار کے فروغ کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

علامہ اقبال مقالات اقبال میں ص 318-319 پر رقمطراز ہیں۔

"میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ کسی قوم کی بہترین روایات کا تحفظ بہت حد تک اس قوم کی عورتیں ہی کرسکتی ہیں۔ اگرچہ انحراف و انحطاط کے اس دور میں عورت کے حقوق سے

لاپروائی ہوئی مسلمان مردوں نے مسلمان عورتوں سے تغافل برتا لیکن عورت باوجود اس تغافل کے اپنا منصب پورا کرتی رہی۔"

مثلاً" آج بھی اخلاقی انحطاط کے جس دور میں ہم زندہ ہیں اور وہاں اعلیٰ اقدار کا فقدان ہے۔ روایات روبہ زوال ہیں۔ لیکن آج بھی بہت سی اقدار عالیہ ہیں جو خواتین کے دم قدم سے فروغ پارہی ہیں۔ میں یہاں چند ایک کا ذکر کروں گی۔

مثلاً" مائیں ہی باپ کا احترام سکھاتی ہیں اور اولاد خواہ کتنی ہی بڑی اور جدید تعلیم یافتہ کیوں نہ ہوجائے۔ ماں کا دل میں بٹھایا ہوا یہ خیال کہ باپ کا احترام کرو اسے باپ کا احترام کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

مہمانداری ہماری کتنی اچھی قدر ہے کتنی اعلیٰ روایت ہے لیکن اگر گھر کی خواتین پکا کر نہ دیں، تواضع کے لئے زحمت نہ کریں تو یہ اچھی قدر اور اعلیٰ روایت کتنا فروغ پاسکے گی۔

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا ہماری ایک اعلیٰ قدر ہے اور افراتفری اور انحطاط کے اس دور میں بھی خواتین اللہ کی رحمت کا آسرا رکھتی ہیں مایوس نہیں ہوتیں۔ جب بڑے بڑے جی دار حوصلہ چھوڑ دیتے ہیں۔ خواتین اپنے شوہر اور بچوں کا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔

اللہ سے بخشش اور رحم طلب کرنا۔ اپنے رب کی طرف رجوع کرنا، قبل اس کے کہ عذاب آجائے۔ ہر مشکل گھڑی اور کٹھن وقت میں عورتیں اپنے رب کی طرف رجوع کرتی ہیں۔ اپنے اللہ سے بخشش اور رحم طلب کرتی ہیں۔ خواتین مشکل کے وقت میں اکٹھا ہو کر اللہ کو پکارتی ہیں اجتماعی وظیفے پڑھتی ہیں دعائیں کرتی ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ یہ ہماری بہت شاندار اعلیٰ قدر ہے اور خواتین نرم طبیعت اور ہمدرد فطرت رکھنے کے باعث بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں پر انفاق فی سبیل اللہ کرتی ہیں۔

رشتے داروں کا حق ادا کرنا، لینا دینا۔ تحفے، ہدیئے وغیرہ ہمارے یہاں یہ قدر خواتین کے ہاتھوں زیادہ فروغ پاتی ہے۔ وہی اولاد کو رشتوں کی پہچان کرواتی ہیں وہی رشتے نبھاتی ہیں۔

اللہ کا ذکر کرنا خواتین کا شعار ہے اور یہ بہت اچھی قدر ہے۔

کتابیات

مشکوۃ شریف۔

اسلام اور تربیت اولاد۔ احمد علوان مصر

مقالات اقبال

صبر و رضا، ایثار و قربانی اعلیٰ اقدار ہیں اور خواتین اپنے روز مرہ میں اس کی بے شمار مثالیں پیش کرتی رہتی ہیں۔

شرم و حیاء عورت کے مزاج میں ہے لہٰذا آج بے حیائی کے عام رواج پا جانے کے باوجود بھی بہت سی خواتین شرم و حیاء کے تقاضوں کو پورا کرتی ہیں۔

نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ و آلہ و سلم نے فرمایا۔

"جو اپنے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں سے نرمی اور رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں"

عورتیں ماؤں کی حیثیت سے والدین کے احترام سے بڑوں کا ادب کرنا سکھاتی ہیں بہن بھائیوں میں شفقت و محبت سے چھوٹوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا سکھاتی ہیں۔

عفت و عصمت ہماری بڑی اعلیٰ قدر ہے خواتین اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرتی ہیں اور اپنی بیٹیوں، بہنوں بلکہ ہر دوسری عورت کی عصمت و عفت کی پاسبانی کرتی ہیں۔

عام زندگی میں خواتین کو معاشرے میں اعلیٰ اقدار کی پامالی پر میں نے بہت دل گرفتہ پایا ہے اور ان کا یہ احساس زیاں انشاء اللہ اعلیٰ اقدار کے تحفظ و فروغ کا باعث بنے گا۔

آخر میں میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ، اعلیٰ اقدار کو ہمارے معاشرے میں ہمیشہ ہمیشہ سربلند رکھے۔ آمین نیز پاکستان کے معاشرے میں جو غیر اقوام کے اثرات مرتب ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے جلد ہمارے معاشرے کی تطہیر کردے۔ ثم آمین۔

اور ہم خواتین کو اللہ تعالیٰ ایسی توفیق و ہدایت دے کہ ہم اپنے نبی اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی تعلیمات کے مطابق اعلیٰ اقدار کے فروغ کا باعث ہوں۔ آمین اور اعلیٰ اقدار کے فروغ کے عمل میں اپنی ذمہ داریاں پوری کریں۔ ثم آمین۔

عصر حاضر کے مسائل کا حل
سیرت طیبہ کی روشنی میں

زندہ قوموں اور زندہ معاشروں کو مسائل کا سامنا رہتا ہے لیکن عصر حاضر میں امت مسلمہ کو عموماً" اور پاکستانی مسلمانوں کو خصوصاً" جتنے زیادہ گھمبیر پیچیدہ' سنگین اور ان گنت مسائل کا سامنا ہے۔ شاید اتنے سنگین پیچیدہ اور گوں ناگوں مسائل کا سامنا کبھی نہ کرنا پڑا ہو۔

ان سب مسائل کا احاطہ کرنا' ان پر سیر حاصل بحث کرنا' ان کے اسباب کا تجزیہ اور ان کا حل سیرت طیبہ کی روشنی میں پیش کرنا اور ان کو ایک مختصر مقالے میں سمیٹنا بہت مشکل ہے۔ بہرکیف پورے خلوص سے میں اس کی کوشش کروں گی۔

عصر حاضر گوناں گوں مسائل کا دور ہے۔ مسائل کا یہ طوفان بلاخیز ہمیں اس طرح گھیرے ہوئے ہے کہ اس سے نجات کی اگر کوئی صورت نظر آتی ہے تو صرف ایک صورت ہے کہ ہم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد ہمارے لئے دو چیزیں چھوڑ گئے ہیں ایک قرآن اور دوسرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ان دونوں پر عمل پیرا ہو کر ہم عصر حاضر کے مسائل کو حل کرسکتے ہیں۔

مسائل کے پیدا ہونے کے اسباب کی مختصراً" ہم یوں نشاندہی کرسکتے ہیں:

1- اللہ سے دوری
2- اور ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
3- اور ہم خوار ہوئے تارک سنت ہو کر
4- عقیدہ آخرت میں کمزوری
5- علم اور خصوصاً" علم دین سے محرومی
6- عدل و انصاف کا فقدان
7- زندگی کے ہر پہلوں میں اعتدال و میانہ روی کے بجائے افراط و تفریط کا طرز عمل۔

8- اسلام کے دیئے ہوئے معیار یا کسوٹی (Criterion) کو ترک کر دینا اور غیر اسلامی معیارات کو اختیار کرنا۔

مختلف مسائل کے بیان اور ان کے حل کے ضمن میں وقتاً فوقتاً ان اسباب پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گی۔

میرے خیال میں عصر حاضر کے گوں ناگوں مسائل کے درج ذیل اقسام و انواع ہیں۔

(1) سیاسی مسائل (2) معاشی مسائل (3) معاشرتی مسائل (4) عدلیہ کے مسائل (5) انتظامیہ کے مسائل۔

سیاسی مسائل :-

(1) سیاسی شعور کی کمی (2) آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں تاخیر (3) ناقص طریقہ انتخاب (4) مغربی طرز حکومت (5) قانون کی بالادستی نہ ہونا۔

سیاسی شعور کی کمی :-

تعلیم اور خواندگی کی پست سطح کے باعث ہمارے ملک میں سیاسی، تمدنی اور سماجی شعور کی کمی ہے۔ سیاسی شعور کی کمی کے سبب لوگ اچھے شہری کی ذمہ داریوں اور فرائض سے نابلد ہیں۔ اپنے حق رائے دہی کی اہمیت نہیں سمجھتے۔ اپنے ووٹ کا استعمال صحیح طور پر نہیں کرتے۔

آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں تاخیر :-

قرارداد مقاصد میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین و دستور کے متعلق طے کر دیا گیا کہ تمام قوانین قرآن و سنت کے مطابق ہوں گے لیکن نصف صدی گذرنے کے باوجود بھی نفاذ شریعت عملی طور پر ممکن نہیں ہوا۔ دراصل آئین و قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے جس علمی تحقیق اور کاوش کی ضرورت تھی اس کو بجا لانے کے لئے مطلوبہ قابلیت اور

اخلاص میسر نہ ہوا۔

مغربی طرز حکومت :-

مغربی جمہوریت کو ہم نے اپنا طرز انتخاب اور طرز حکومت بنا لیا حالانکہ قرآن حکیم نے اکثریت کو اکثریت کے کردار و عمل کو اور اکثریت کے فیصلوں کی مذمت کی ہے۔ **مثلاً** قرآن کریم میں ارشاد ربانی کے مطابق اکثر لوگ خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں' اکثریت جاہل ہے' اکثریت ناقص ہوتی ہے' اکثریت ظالم ہوتی ہے' لوگوں میں اکثر ناشکرے ہوتے ہیں پھر افسوسناک امر یہ ہے کہ ہم مغربی جمہوریت کو بھی قائم کرنے میں ناکام رہے۔ ہمارے ان پڑھ اور جاہل جاگیردار' زمیندار وڈیرے اپنے مزارعین' رعیت اور ہاریوں کے سہارے انتخاب جیت کر اسمبلیوں میں جا پہنچتے ہیں۔ پھر فلور کراسنگ ہارس ٹریڈنگ اور لوٹے جیسی اصطلاحات اور ان پر عمل درآمد ہماری منتخب اسمبلیوں میں عام ہے۔ الیکشن جیتنے کے لئے اندھا دھند روپیہ لٹانا اور روپے کے زور پر جائز و ناجائز الیکشن جیتنا کہاں تک درست ہے۔؟

طریق انتخاب اور طرز حکومت سے متعلق تمام مسائل کا حل اس میں ہے کہ نبی کریمؐ کے طریقے پر چلا جائے اور اسلام کا نظام خلافت و دشورائیت قائم کیا جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کردہ حدیث مبارکہ ہے۔

ترجمہ : جب تمہارے حکمران تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے کئے جاتے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہوگی۔

اس حدیث شریف کے مطابق اسلامی ریاست کی بہتری کے لئے تین شرائط بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

(1) صالح قیادت (2) دولت مندں کی سخاوت (3) شورائیت

قیادت کے انتخاب اور امور مملکت و ریاست میں مشاورت یا مجلس شوریٰ کے انتخاب میں

آیت الٰہی۔ ترجمہ : "اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت (مناصب و ذمہ داریاں) ان لوگوں کے سپرد کرو جو اہل ہوں۔" لہٰذا ہمارے عوام اپنے حق رائے دہی (ووٹ) کے ذریعے جو ارکان اسمبلی منتخب کریں ان کے لئے اہلیت کی بنیاد دولت جاگیرداری اور وڈیرہ شاہی نہیں بلکہ ایمان فقاہت' عبادت دیانت' عاقل بالغ عرف عام سے واقفیت نیز امت مسلمہ کا معتمد ہونا چاہئے۔

قانون کی بالادستی ۔

نہ ہونا بھی ایک مسئلہ ہے ہر طرف قانون کی پامالی ہے۔ قانون عوام الناس کے لئے ہے اور خواص اس سے بالاتر ہیں۔ جبکہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مثال یہ ملتی ہے کہ کسی انصاری خاتون نے جس کا نام فاطمہ تھا چوری کی مقدمہ سرکار دوعالم کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے اس عورت کے لئے سفارش کی کہ اس کو سزا نہ دی جائے تو آقائے نامدار نے فرمایا "خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جاتے"۔

معاشی مسائل :-

زندگی کا معاشی پہلو بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دین اسلام کا ایک مکمل معاشی نظام ہے لیکن چونکہ اسلام کا معاشی نظام دنیا میں کہیں بھی نافذ نہیں ہے۔ لہٰذا بنی نوع انسان عموماً" اور ہم پاکستانی خصوصاً" بے شمار معاشی مسائل کی زد میں ہیں۔ کیونکہ دین اسلام ایک اکائی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ ہم عبادات و افکار کا اسلامی فلسفہ تو قبول کرلیں اور زندگی کے معاشی پہلو کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو نظرانداز کریں بلکہ سرمایہ دارانہ یا اشتراکی یا مخلوط معاشی نظام نافذ کرلیں۔ ہمیں اسلامی نظریہ حیات من حیث **المجموع** اختیار کرنا اور نافذ کرنا ہوگا۔ تبھی خاطر خواہ نتائج حاصل ہوں گے۔ عصر حاضر کے معاشی مسائل میں سے چند اہم مسائل درج ذیل ہیں۔ (1) مہنگائی اور افراط زر (2) تقسیم دولت کے نظام میں عدم مساوات (3) ہوس

زر (4) جائز و ناجائز آمدنی میں عدم تفریق (5) اسراف و تبذیر (6) انفاق سے روگردانی (7) تعیش پسندی (8) غیر متوازن معاشی ترقی۔

مہنگائی اور افراط زر :-

دنیا بھر میں افراط زر کا رجحان عام ہے یعنی قیمتوں کی سطح بلند سے بلند تر ہوتی جارہی ہے اور مہنگائی نے زندگی کو مشکل بنا دیا ہے۔ خصوصا" تنخواہ دار طبقے کے لئے کم آمدنی اور اوسط آمدنی والے طبقے کے لئے سفید پوشی کا بھرم رکھنا مشکل تر ہوا جارہا ہے۔ مہنگائی اور افراط زر کا تجزیہ یہ بتاتا ہے کہ ناجائز منافع خوری اس کا بہت بڑا سبب ہے۔ نیز سودی کاروبار کا ہونا مزید یہ کہ دیگر عاملین پیدائش کے مقابلے میں محنت کشوں کا معاوضہ نسبتا" زیادہ نہ ہونا اور محنت کشوں کے اکرام کے بجائے ان کا استحصال ہونا وہ اسباب ہیں جن کے باعث مہنگائی دن دونی رات چوگنی رفتار سے بڑھ رہی ہے اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کے مطابق محنت کشوں کی تکریم کی جائے ان کے معاوضوں کی ادائیگی دیگر عاملین پیدائش کے معاوضوں کے اصول کے مطابق نہیں بلکہ ان کے ساتھ عدل کے بجائے احسان کا سلوک کیا جائے۔ سودی نظام معیشت کے متبادل اسلامی معاشی نظام نافذ کیا جائے۔ زائد از معیار منافع خوری Abnormal Profit کے رجحان کو قانونا" ممنوع کیا جائے صرف معیاری منافع کو جائز قرار دیا جائے۔ احتکار اور ذخیرہ اندوزی اور مصنوعی کمیابی کو ممنوع قرار دیا جائے۔ غرض یہ کہ اسلامی معاشی نظام کو نافذ کیا جائے۔

ہمارے ملک میں قیمتوں کی سطح میں تیز رفتار اضافے کے ساتھ ساتھ ملاوٹ شدہ اشیاء بیماریاں پیدا کرنے کا باعث بھی بن رہی ہیں لیکن نہ تو ملاوٹ کرنے والوں کو سزائیں ملتی ہیں نہ ذخیرہ اندوزوں کو سزائیں ملتی ہیں اور نہ اشیاء کی رسد میں مصنوعی کمیابی پیدا کرنے والوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جاتی ہے۔ پرائس کنٹرول کمیٹیاں بھی اپنے فرائض ادا نہیں کررہی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان میں گرانی اور مہنگائی صرف ہوس زر ذخیرہ اندوزی اور

ناجائز منافع خوری کی وجہ سے ہے اور ہوس زر' ذخیرہ اندوزی اور ناجائز منافع خوری کی مذمت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں کی ہے۔ **مثلاً**" امام مسلمؒ نبی کریم علیہ الصلواۃ و السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا **لایحتکرء الا خاطی** ترجمہ : ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا مگر خطاکار۔ اور ابن ماجہ کی روایت ہے۔ ترجمہ : جو شخص غلہ بازار میں لاتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے اور جو ذخیرہ اندوزی کرتا ہے وہ ملعون ہے۔"

تقسیم دولت کے نظام میں عدم مساوات کو دور کرنے کے لئے زکواۃ کے نظام کو صحیح روح کے ساتھ نافذ کرنا ہوگا۔

زمین کی ملکیت کے نظام کی اصلاح کے لئے زرعی اصلاحات اسلامی تعلیمات کے مطابق متشکل کرنا اور نافذ کرنا ہوں گی۔ نیز اجارہ داریوں کی بیخ کنی کے لئے قوانین بنانے ہوں گے۔ اسلام میں جاگیرداری' زمینداری' وڈیرہ شاہی کا قطعی کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلام زمین کی ملکیت کا حق زمین پر محنت کرنے والے کسان یا کاشتکار کو دیتا ہے۔

ملکیت زمین کے بارے میں حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے جس شخص نے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ (یعنی بے کار پڑی زمین کو کارآمد یا پیدا آور بنایا) وہ زمین اسی کی ہے۔ وسیع جاگیروں' زمینداریوں کا سلسلہ پاکستان میں زمین کی ملکیت اسلامی اصولوں کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ہے اور یہ تقسیم دولت کے نظام میں عدم مساوات کا اہم سبب ہے۔

عروہ بن زبیر (تابعی) کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہؐ نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اس زمین کا حقدار ہے۔" (صحیح بخاری۔ جامع ترمذی)

حضور اکرمؐ کے ملکیت زمین کے اس حکم پر حضرت عمرؓ نے عمل کیا اپنے دور خلافت میں زمین کا انتظام چلانے کے لئے آپؓ نے اعلان فرمایا "سالم بن عبداللہ (حضرت عمرؓ کے پوتے) روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے سر منبر فرمایا کہ "جس نے مردہ زمین کاشت کی وہ اسی کی ہے

مگر خواہ مخواہ روکے رکھنے والے کے لئے تین سال کے بعد کوئی حق نہیں ہے"۔ یہ اعلان کر۔
کی ضرورت اس لئے پیش آئی تھی کہ بعض لوگ زمینوں کو یونہی روکے رکھتے تھے اور اس پ
کوئی کام نہ کرتے تھے۔ (ابو یوسف کتاب الخراج)

ہوس زر :-

ہوس زر سے باز رکھنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قناعت پسندی کو نمونہ عمل بنانا ہوگا۔ طلب دنیا کے جذبے پر قابو پانا اور سادہ طرز زندگی اختیار کرنا ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر آدمی کے پاس مال سے بھرے ہوئے دو جنگل ہوں تب بھی وہ تیسرے جنگل کو تلاش کرے گا اور آدمی کے پیٹ کو کوئی چیز نہیں بھرتی مگر قبر کی مٹی"۔

جائز و ناجائز آمدنی میں عدم تفریق :-

وہ واحد معاشی نظام جو ذرائع دولت آفرینی میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا تصور پیش کرتا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام ہے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "حلال طریقے سے کمائی فرض ہے۔ یعنی ان فرائض کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کئے ہیں۔ حلال کمائی بھی فرض ہے۔ (طبرانی و بیہقی)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن (جب حساب کتاب کے لئے بارگاہ خداوندی میں پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے۔ جب تک اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے۔ ان میں سے ایک تو مال و دولت کے بارے میں کہ کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے حاصل کیا تھا دوسرے یہ کہ کہاں اور کن کاموں میں اس کو صرف کیا۔

اسراف و تبذیر :-

اسراف و تبذیر وہ معاشی برائیاں ہیں جو ہماری معیشت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہی ہیں۔ اسراف کے لغوی معنوی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اصطلاحی معنوں میں جائز ضرورت پر ایک حد سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلاتا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ ہر شے سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ مثلاً" کپڑا اس وقت تک ترک نہ کرو کہ اس میں پیوند لگ جائے تبذیر کے لغوی معنی ہیں خرچ میں حد سے تجاوز کرنا۔ اصطلاحی معنی ہیں۔ غیر ضروری مدات پر مال خرچ کرنا۔ اس خرچ کی نمائش کرنا اور اس پر فخر کرنا تبذیر کہلاتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدھی معیشت (اعتدال) میانہ روی میں ہے اور انفرادی سطح پر کنبوں کی سطح پر اور قومی سطح پر جب میانہ روی اختیار و شعار کریں گے تو ہماری آدھی معیشت تو یونہی مستحکم ہوجائے گی اسراف و تبذیر دراصل افراط کی شکلیں ہیں جبکہ سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے ترقی یافتہ ممالک یا فرسٹ ورلڈ کے ممالک نے دور جدید کو مارکیٹنگ کا دور Markeing Era اور صارفین کا معاشرہ Consumers Society بنا دیا اور ان کی اندھی تقلید ہم کررہے ہیں مثلاً" امریکہ میں اتوار کا اخبار اتنا بھاری ہوتا ہے کہ اس کا وزن ایک کلو ہوگیا ہے اسی حساب سے اس کی قیمت بھی ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اخبارات جنگ' ڈان' دی نیوز وغیرہ کے جمعہ ایڈیشن بڑھتے بڑھتے ایک پاؤ وزن کے ہوگئے ہیں اور ان کی قیمتیں بڑھتی چلی جارہی ہیں۔

سرد مشروبات کی بوتلیں چند برس پہلے تک Refill ہوا کرتی تھیں پھر پلاسٹک کی بوتلیں آگئیں اور وہ Recycle ہوا کرتی ہیں اور اب کین یا ٹن آگئے۔ آپ ڈرنک خریدیں' پئیں اور پھینک دیں کیا وسائل کا ضیاع اسلامی روح کے منافی نہیں ہے۔ یہ اسلام کی تعلیمات کے اور نبی اکرم کے اسوہ حسنہ کے بالکل برعکس ہے۔ آپؐ کا شعار عام استعمال کی اشیاء سے بھرپور استفادہ کرنا رہا۔

اس ضمن میں ایک حدیث روایت کی جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ہمراہ مدینہ طیبہ کے کسی راستے سے گذر رہے تھے۔ سرراہ بکری کا ایک بچہ مردہ حالت میں پڑا تھا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا "اس کو کام میں کیوں نہیں لاتے"۔ صحابہ کرام نے حیرت سے عرض کیا حضور یہ تو مردہ ہے اس کو کام میں کیونکر لائیں۔ آپؐ نے فرمایا "اس کی کھال اور سینگ تو کام میں آسکتے ہیں" یہ ہے اسلام کا فلسفہ مردہ اور بظاہر ناکارہ اشیاء سے بھی جو کام لیا جاسکتا ہے یا جو استفادہ ممکن ہے وہ حاصل کرنا چاہیئے۔

دور حاضر میں معاشی ترقی کا معیار یا علامت یہ ہے کہ بجلی، پانی، کاغذ کا فی کس سالانہ صرف کتنا ہے جبکہ اسلام کہتا ہے کہ پانی بچاؤ، بجلی بچاؤ۔ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ پانی کے ایک ایک قطرہ کا اور استعمال کی ہر اس شے کا جو ہمارے تصرف میں دی گئی ہے، روز حساب، حساب دینا ہوگا۔ کسی شے کو ضائع کرنا بہت گناہ کی بات ہے۔

عصر حاضر میں معیار زندگی کی بلندی کا معیار یا علامت یہ ہے کہ جس قوم کے افراد بہتر معیار کی اشیاء صرف جتنی زیادہ مقدار میں استعمال کریں تو گویا ان کا معیار زندگی اتنا ہی بلند سمجھا جائے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم یہ رہا کہ آپ نے کم از کم اشیاء کو صرف کرنے اور سادگی و قناعت کی زندگی کو پسند فرمایا اور اختیار کیا۔

انفاق سے روگردانی :-

ہمارا معاشی المیہ ہے۔ انفاق اسلامی معیشت کا ایک ایسا عمل ہے جو کہ دوررس معاشی اثرات کا حامل ہے۔ بیشمار مسائل کا سدباب ہے مثلاً" بلند آمدنی اور پست آمدنی والے طبقوں میں تفاوت کو دور کرتا ہے۔ طبقاتی کشمکش کو پیدا ہونے سے روکتا ہے۔ معاشرے کے یا معیشت کے مختتم میلان صرف میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ تجارتی چکروں کو پیدا ہونے سے روکتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کے لئے آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ بے شمار ہیں۔

انفاق سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ قرآن حکیم کی فقط پہلی دو سورتوں "البقرۃ" اور آل عمران میں ستائیس آیات صرف اسی موضوع پر ہیں۔ "اے ایمان والو! جو دولت ہم نے تمہیں دی ہے اس میں انفاق کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی نہ سفارش چلے گی اور ظالم دراصل یہی لوگ ہیں جو اللہ کے حکم سے انکار کرتے ہیں"۔ سورہ البقرہ آیت 154 اسلام نے حلال طریقے سے کمائی ہوئی دولت میں غریب رشتہ داروں اور محتاجوں مسکینوں کو ان کے حق کے طور پر حصہ دار بنایا۔ اسلام نے مالدار کو دولت کا مالک نہیں بلکہ امین ٹھہرایا ہے۔ زکواۃ، عشر، صدقات اور خیرات کو نظام معیشت کے بنیادی اجزاء قرار دیا۔ نبی کریمؐ نے محتاجوں اور بے کسوں پر مال خرچ کرنے کی تاکید کی ہے۔ حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے فرمایا "رب کعبہ کی قسم وہ لوگ گھاٹے میں ہیں"۔ میں نے عرض کیا کہ حضور میرے ماں باپ قربان وہ کون لوگ ہیں جو گھاٹے میں ہیں فرمایا جو لوگ دولتمند ہیں بجز ان دولتمندوں کے جو اپنی دولت ہر چہار طرف (راہ خدا میں) دیتے ہیں۔ (ترمذی و نسائی)

اسلام کی معاشی منصوبہ بندی میں بنیادی بات سادگی اور قناعت ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق معاشی منصوبہ بندی میں، بنیادی بات معیار زندگی کو بلند کرنا ہے اس نصب العین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دیکھیں تو عجیب صورت ظاہر ہوتی ہے۔ ایک شخص جو آج تک الف کی سطح پر ہے وہ "ب" کی سطح اور حیثیت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب (ب) کی سطح پر پہنچتا ہے تو اس کو اپنے اوپر اور متعدد درجے نظر آتے ہیں اور وہ اس کوشش میں لگ جاتا ہے کہ اپنا معیار زندگی بلند سے بلند تر کرے گویا اسے اپنے آپ کو سنوارنے سے فرصت ہی نہیں ملتی اپنا معیار زندگی بلند سے بلند تر کرنے سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ کسی غریب کی مدد کرے۔ کسی یتیم کی کفالت کرے، کسی بیوہ کی سرپرستی کرے اس طرح انفاق فی سبیل اللہ جو ایک مسلمان کا شعار ہونا چاہئے اس کی گنجائش ہی پیدا نہیں ہوتی۔ ایک صاحب نظر شاعر نے خوب کہا ہے۔

خوبان جہاں کو اے کامل محبوب خدا سے کیا نسبت
یہ خود کو سنوارے رہتے ہیں وہ سب کو سنوارا کرتے ہیں

تعیش پسندی :-

ذرائع ابلاغ کی ترقی کی بدولت یہ دنیا سمٹ کر بہت محدود ہوگئی ہے اور اس باعث مختلف اقوام کے مابین اثر اندازی بہت بڑھ چکی ہے۔ خصوصاً" یہود و نصاریٰ یعنی موجودہ اصطلاح کے مطابق مغربی اقوام یا معاشی لحاظ سے صف اول کے ترقی یافتہ ممالک First World Countries یا صف دوئم کے ترقی یافتہ ممالک 2nd World Countries تیسری دنیا کے ممالک 3rd World Countries یا ترقی پذیر ممالک جس میں بیشتر ممالک اسلامی ہیں ان پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ خصوصاً" ہم ان ممالک کی عیش و عشرت کی زندگی' پر تعیش طرز حیات سے متاثر ہوکر تعیش پسندی کا شکار ہوچکے ہیں۔ ان حالات میں کیا ہمیں بحیثیت مسلمان اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سبق نہیں لینا چاہئے۔ امام احمدؒ معاذ بن جبل سے مرفوع حدیث ہے۔

"تم ناز و نعم میں پڑنے سے بچو اس لئے کہ اللہ کے بندے ناز و نعم میں نہیں پڑتے"

مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا "معاذ آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچے رہنا۔ اللہ کے خواص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے"۔ اور طبرانی روایت کرتے ہیں۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سادگی اور معمولی زندگی اختیار کرو" ابو داؤد کی مروی حدیث میں ہے۔ "ایک سادہ طرز زندگی ایمان کی علامت ہے"۔ سادہ طرز زندگی اختیار کرے اور سادگی سے بسراں کرنے میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے بہترین نمونہ اور اعلیٰ مقتدی ہیں۔

غیر متوازن معاشی ترقی :-

ہمارے معاشی منصوبہ بندی کرنے والوں نے کراچی' لاہور اور اسلام آباد کو اس قدر ترقی دی کہ اندرون ملک دیہاتی اگر دیکھیں تو ان شہروں پر مغربی دنیا کے ترقی یافتہ شہروں کا گمان کریں جبکہ اندرون ملک پاکستانیوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں۔ پکی سڑکوں' اسکول اور ہسپتال سے محروم ہیں' بجلی' گیس اور ٹیلی فون جیسی بنیادی سہولیات سے بھی محروم ہیں۔ اسلام اس کی قطعی اجازت نہیں دیتا کہ ملک کے اکثر افراد کی بنیادی ضروریات سے صرف نظر کرکے چند بڑے شہروں کی ترقی پر زر کثیر خرچ کیا جائے۔

علاقائی طور پر متوازن معاشی ترقی کی حکمت عملی یہ ہے کہ ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی میں مزید اضافہ نہ کیا جائے بلکہ نئی سرمایہ کاریاں کم ترقی یافتہ یا پسماندہ علاقوں میں کی جائیں تاکہ علاقائی ترقیاتی تفاوت کم سے کم کیا جاسکے۔ پسماندہ علاقوں کے لوگوں کے لئے روزگار کے مواقع اور معاشی فروغ کے مواقع پیدا کرنے کے لئے وہاں نئی صنعتیں قائم کی جائیں۔ نئے کارخانے لگائے جائیں۔ کوٹہ سسٹم اس کا عادلانہ حل نہیں تھا۔ تاکہ ایک جانب تو پسماندہ دیہی علاقوں میں ترقی اور نمو کے امکانات پیدا ہوتے۔ دوسری جانب بڑے شہروں میں آبادی کے نقل مکانی کا رجحان پیدا نہ ہوتا اور یوں شہری مسائل کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور تیسرے کارخانوں کا ارتکاز نہ ہوتا۔

معاشرتی مسائل :-

قابل ذکر معاشرتی مسائل درج ذیل ہیں۔

(1) جہالت و ناخواندگی (2) بے روزگاری (3) صوبائی اور لسانی تعصبات (4) افراط آبادی کا مسئلہ اور بہبود آبادی (5) شہری پھیلاؤ کے مسائل (6) گندگی اور ماحولیاتی آلودگی (7) منشیات کا عفریت (8) کوٹہ سسٹم (9) رشوت و بدعنوانی

جہالت اور ناخواندگی :-

ام المسائل ہے تعلیم کی کمی مسائل کا بنیادی سبب بنتی ہے پاکستان میں شرح خواندگی بہت پست ہے بلکہ دیگر ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں بہت ہی کم۔

درج ذیل اعداد و شمار کا موازنہ و مطالعہ کیجئے:

(1) 6 سال سے 11 سال کی عمر کے بچوں میں شرح خواندگی پاکستان میں صرف 45 فیصد ہے۔ جبکہ دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں اوسط شرح خواندگی 64 فیصد ہے۔

(2) ثانوی تعلیم کی سطح (12 سے 17 سال) شرح خواندگی پاکستان میں 13 فیصد ہے۔ جبکہ دیگر ترقی پذیر ممالک کی تعلیم کی شرح 38 فیصد ہے۔

(3) یونیورسٹی کی سطح پر اعلیٰ تعلیم کی شرح پاکستان میں 3 فیصد ہے۔ جبکہ دیگر ترقی پذیر ممالک کی اوسط شرح 9 فیصد ہے۔

(4) خواتین میں خواندگی کی شرح پاکستان میں 16 فیصد ہے۔

(5) خواتین میں یونیورسٹی سطح پر اعلیٰ تعلیم کی شرح پاکستان میں 2 فیصد ہے۔

اس افسوسناک صورتحال کی توجیہہ ہم یوں نہیں کرسکتے کہ یہ افسر شاہی یا حکومت یا عہد غلامی کا کیا دھرا ہے۔ اس کے لئے ہم سب ذمہ دار ہیں۔ ہمارے بے شمار سیاسی اور معاشرتی مسائل تعلیم کی کمی ہی کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے عہد حاضر میں زندہ رہنا ہے تو حصول علم کے متعلق ہمیں اپنا رویہ تبدیل کرنا ہوگا اور بہت جلد ایک نسل کے اندر تبدیل کرنا ہوگا اور یہ ناممکن نہیں ہے۔

شرح خواندگی کو سو فیصد تک بڑھانا ہوگا اور نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور سیرت طیبہ کی روشنی میں ام المسائل یعنی جہالت کے قلع قمع اور بیخ کنی کا پورا پورا لائحہ عمل موجود ہے۔ کاش کہ ہم اسے سمجھیں اور روبہ عمل لائیں۔ مثلاً" اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والے اس ملک میں حکومتی سطح پر ملکی بجٹ کے ترقیاتی اور غیر ترقیاتی اخراجات کے بے حد قلیل فیصد کے بجائے بجٹ کا کثیر فیصد حصہ تعلیم کے فروغ کے لئے مختص

کیا جائے۔ بیت المال پر اسلام اولین حق تعلیم کو دیتا ہے کیونکہ تعلیم ہی اصلاح کا کلیدی آلہ ہے۔ تاکہ اسلامی فلاحی ریاست کا مقصد اعلیٰ حاصل کرنے کی طرف قدم بڑھ سکے کیونکہ قرآن حکیم کی 657 آیات میں علم کا تذکرہ ملتا ہے۔ معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت سے حصول علم اور فروغ علم کے ضمن میں بے شمار ثبوت ملتے ہیں۔

جن میں سے چند پیش کررہی ہوں:

1- "علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے"۔

2- "علم حاصل کرو خواہ چین ہی کیوں نہ جانا پڑے۔"

3- "اسلام میں اس مسلمان کا کوئی مقام نہیں جو استاد ہے' نہ طالب علم"۔

4- "علم حاصل کرو مہد سے لحد تک"۔

5- "عالم بنو! طالب علم یا علم کو سننے والا یا اس سے محبت کرنے والا (ان چار طبقوں کے علاوہ) پانچواں مت بنو ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔ (حدیث نبویؐ)

رسول مقبولؐ کی سکھائی ہوئی ایک دعا ہے۔ ترجمہ : "میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہوجاؤں"۔ (مشکوۃ روایت ابو ہریرہ۔ ابن ارقم) حدیث مبارکہ ہے "باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے۔ اس میں سب سے بہتر عطیہ اچھی تعلیم و تربیت ہے"۔ (سنن ترمذی)

اسلام تو وہ عظیم الشان دین ہے جو لونڈیوں تک کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کو کار ثواب قرار دیتا ہے جیسا کہ بخاری کتاب العلم کی حدیث سے عیاں ہوتا ہے۔ پھر بھلا اسلام آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کو علم و تعلیم و ادب سے کس طرح محروم رکھنا گوارہ کرسکتا ہے بلکہ اسلام علم کے سیکھنے اور سکھانے کو لازمی اور فرض قرار دیتا ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں **علقمہ** سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہؐ نے تقریر کی اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی تعریف کی اور پھر فرمایا۔ "ان قوموں کو کیا ہوگیا ہے جو اپنے پڑوسیوں کو سمجھ کی باتیں نہیں سکھاتیں نہ تعلیم دیتی ہیں اور نہ ان کو

نصیحت کرتی ہیں اور نہ روکتی ہیں اور کیا ہوگیا ہے ان قوموں کو جو اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتیں نہ ان سے سمجھ کی باتیں اخذ کرتی ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں۔ خدا کی قسم لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں اور سمجھ کی باتیں بتلائیں اور ان کو نصیحت کریں۔ نصیحت پکڑیں ورنہ اللہ ان پر جلد ہی عذاب نازل کردے گا اور سزا دے گا۔"

غور کرنے کا مقام ہے۔ اگر ہم خواندگی کا' تعلیم کا تناسب بڑھانے کی شعوری کوشش یعنی جہالت کے قلع قمع کی شعوری کوشش نہیں کریں گے تو ہم مسلمانوں پر عذاب آجانے کی وعید ہے۔ سزا ملنے کی وعید ہے۔

بے روزگاری کی بلند شرح :-

ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے لیکن پاکستان میں بے روزگاری ایک سنگین تر مسئلے کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ ہر سال کام کی عمر کو پہنچنے والے افراد میں سے ڈیڑھ لاکھ افراد بے روزگاری کا شکار ہوجاتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ یا غیر تعلیم یافتہ افراد کی بیروزگاری کے اسباب کا تجزیہ کیا جائے تو یہ غلط معاشی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ حکومت روزگار کے مواقع مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے جیسا کہ خود نبی کریمؐ نے بے روزگار صحابہ کے لئے کام کے مواقع اور انتظام پیدا فرمائے۔

صوبائی اور لسانی تعصبات :-

اسلام میں عصبیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یارومددگار چھوڑتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا اور نہ اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے"۔ (حدیث نبویؐ)

خطبہ حجتہ الوداع میں نبی کریمؐ نے فرمایا۔ "جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں"۔

صوبائی اور لسانی عصبیت ہمارے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچا رہی ہے اور منافرت پیدا

کر رہی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان اور مہاجر قومیت کے احساس کو ختم کر کے یہ یاد رکھیں کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ صوبائیت کی تنگ و تاریک گھاٹیوں میں گرنے کے بجائے امت مسلمہ سے وابستگی کا احساس پیدا کریں۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہوجاتے ہیں۔" ایک اور حدیث شریف ہے۔ حضرت ابو موسی اشعریؓ حضور اکرمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "ایمان والوں کا تعلق دوسرے ایمان والوں سے ایک مضبوط عمارت کے اجزاء کا سا ہونا چاہئے کہ وہ باہم ایک دوسرے کی مضبوطی کا ذریعہ بنتے ہیں"۔ پھر آپؐ نے (ایمان والوں کے اس باہمی تعلق کا نمونہ دکھانے کے لئے) اپنے ہاتھ کی انگلیاں ملا دیں اور بتایا کہ مسلمانوں کو اس طرح باہم مل کر ایسی مضبوط دیوار بن جانا چاہئے جس کی اینٹیں باہم پیوستہ اور ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہوں اور کہیں بھی ان میں کوئی خلا نہ ہو"۔ (بخاری و مسلم)

یہی وہ اصول تھے جن کی پاسداری اور جن پر عمل پیرا ہو کر تمام امت مسلمہ ایک وحدت میں ڈھل گئی۔ ایک دوسرے کا احترام، ایک دوسرے کی مدد ان کا شعار بن گئی اور وہ معاشرہ ظہور پذیر ہوا جس کے اجزائے ترکیبی باہمی کشمکش اور تصادم کا شکار ہونے کے بجائے ایک دوسرے کے مددگار اور ایک دوسرے کی طاقت بن گئے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کے دعوے آج ہم سے انہیں اصولوں پر عمل کرنے کا تقاضہ کر رہے ہیں۔

افراط آبادی کا مسئلہ :-

پاکستان بڑھتی ہوئی آبادی سے متاثر ہونے والا بلکہ سب سے زیادہ متاثر ہونے والا ملک ہے۔ اندازاً" اس صدی کے اختتام تک پاکستان میں 20 کروڑ افراد بس رہے ہوں گے آبادی 3.5

سالانہ کی شرح سے بڑھ رہی ہے اور صرف 23 سال میں آبادی دگنی ہو رہی ہے۔ اس بڑھتی ہوئی آبادی کو ضروریات زندگی رہنے کو گھر، پینے کو صاف پانی، خوراک، تعلیم و صحت کی سہولیات اور روزگار مہیا کرنا ایک سنگین مسئلہ ہوگا۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ عصر حاضر کے بے شمار مسائل کو حل کرنے کے امکانات آبادی کے مسئلے کو حل کرنے میں مضمر ہیں۔ اسلام نے خاندانی منصوبہ بندی کے ہر اس طریقے کو حرام قرار دیا ہے جس سے مرد یا عورت میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے اور ایسا رزق کی تنگی کے خوف سے کیا جائے۔ البتہ ایسے اضطراری حالات میں جبکہ عورت کی صحت بری طرح خراب ہونے یا اس کی جان جانے کا خطرہ ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل کو جائز قرار دیا ہے۔ اب اگر ہر سال لاکھوں عورتیں حمل اور بچے کی پیدائش کی پیچیدگیوں کی بنا پر لقمہ اجل بن جاتی ہیں تو گویا ضبط تولید بصورت عزل یا خارجی تدابیر کے ذریعے اختیار کرنا جائز ہو جاتا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی بہبود آبادی کا ایک موثر طریقہ ہے اور ماں اور بچے کی صحت و سلامتی کی ضمانت ہے۔ ماؤں اور بچوں کی شرح اموات میں کمی کا باعث بھی ہے۔ لہٰذا اس کو ماں اور بچے کی صحت کی سہولتوں کے اہم جز کے طور پر تصور کیا جانا چاہئے۔

اقوام متحدہ کے ماہرین کے مطابق تنہا فیملی پلاننگ کچھ نہیں کرسکتی جب تک کہ

1- خواتین کا معاشی معیار بلند کیا جائے۔

2- ان کی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے۔

3- ان کی صحت، رہن سہن اور کام کرنے کے حالات کو بہتر بنایا جائے۔

معاشی اور معاشرتی ترقی اور بہبود آبادی کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر ہم نبی کریمؐ کے عطا کردہ حقوق خواتین کو دے دیں تو ہم بہبود آبادی کے مقاصد کو بہتر طور پر حاصل کرسکتے ہیں۔

شہری پھیلاؤ کے مسائل :-

شہر جوں جوں تیزی سے پھیلتے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے مسائل میں بھی تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ یوں تو شہری مسائل بے شمار ہیں لیکن جو مسائل سنگین صورت اختیار کرتے جارہے ہیں ان میں:

1- شہروں کا جرائم کی آماجگاہ بننا۔

2- ٹریفک کا مسئلہ جو بے ہنگم ہوا جاتا ہے۔

3- حادثات کا مسئلہ۔

4- ناجائز تجاوزات کا مسئلہ۔

5- ماحولیاتی آلودگی کا مسئلہ۔

6- ڈرینج سسٹم پر اوورلوڈ۔

7- بجلی کی زیادہ کھپت اور لوڈ شیڈنگ کا مسئلہ۔

یہ تمام مسائل تو گھمبیر' پیچیدہ اور سنگین ہیں ان کا حل حدیث نبویؐ میں موجود ہے۔ فرمایا "جب شہر بڑے ہونے لگیں تو نئی بستیاں آباد کرلیا کرو۔"

اور خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ نے اس پر یوں عمل کیا کہ نئی بستیاں شہر اور قریے آباد کئے۔ گویا شہروں کو وسیع تر کرکے شہری مسائل نہ پیدا کئے جائیں بلکہ نئے شہر اور نئی بستیاں آباد کئے جائیں۔ شہروں کی آبادی بڑھنے کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ شہر میں روزگار کے مواقع زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور روزگار کے مواقع زیادہ ہونے کا سبب ایک شہر میں متعدد کارخانوں کا مرتکز ہوجانا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام ارتکاز دولت کی بیخ کنی کرتا ہے۔ لہٰذا منطقی طور پر ارتکاز صنعت اور کارخانے کے مرتکز ہونے کی حوصلہ افزائی کیونکر کرسکتا ہے۔

گندگی اور ماحولیاتی آلودگی :-

فرمایا "..... کوئی عبوے لے آئے۔" سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک انصاری دوڑے

دوڑے اپنے گھر گئے اور اللہ کے رسولؐ کے حکم کی تعمیل کی۔ کسی بدوی نے مسجد نبوی کی دیوار پر تھوک دیا تھا اور بلغم جم گیا تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اپنے دست مبارک سے تھوک صاف کیا اور فرمایا کہ "تم میں سے کسے گوارا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے منہ پھیر لے" تھوک صاف کرکے آپ نے وہاں عبیر کی خوشبو مل دی اور اس طرح اہل ایمان کو سبق دیا کہ اپنی قومی عمارات کو پاک و صاف رکھیں اور آج ہمارا عالم یہ ہے کہ ہماری عمارتیں کسی مہذب قوم کی عمارتیں نظر نہیں آتیں۔ اسلام طہارت، صفائی اور پاکیزگی پر بے حد زور دیتا ہے۔

اللہ کے رسولؐ کا فرمان ہے کہ "اپنے راستوں، گھروں کی زمین اور اپنے قومی اداروں یعنی مسجد، مکتب اور دفتروں کو پاک صاف رکھو" جو قوم دنیا کو صفائی اور پاکیزگی کا درس دیتی آئی تھی۔ اس کے اپنے شہر ہی گندے ہوں تو ہم کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم صفائی کو نصف ایمانؐ سمجھتے ہیں۔

ماحولیاتی آلودگی کا عالم یہ ہے کہ ہر طرف کوڑے کے ڈھیر ہیں۔ پلاسٹک کی استعمال شدہ تھیلیاں ہوا میں اڑتی پھرتی ہیں۔ سیوریج لائنیں ابلی پڑ رہی ہیں۔ سڑکوں کے ساتھ بنی ہوئی نالیاں اور نالے کوڑے اور گندگی سے اٹے پڑے ہیں۔ بڑے شہروں میں دھوئیں اور گرد و غبار کا یہ عالم ہے کہ سانس لینا بھی دشوار ہے لیکن کسی کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ مسموم ہوا جسمانی نظام پر کتنے تباہ کن اثرات مرتب کررہی ہے۔ فضائی آلودگی کارخانوں، ریفائنریوں، پلانٹس اور فیکٹریوں سے نکلنے والے دھوئیں بھٹیوں بوائلرز اور گاڑیوں سے خارج ہونے والے دھوئیں کی بدولت ہے۔

فضائی آلودگی کا فطری حل جنگلات اور درختوں کی کثرت سے ممکن ہے اور نبی کریم کی حدیث مبارکہ ہے جو درختوں کے اگانے کی اہمیت کی نشاندہی کرتی ہے "مسلمان جو بھی پھل دار درخت لگاتا ہے یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرندے یا انسان یا چوپائے کھاتے ہیں یا اس کے سائے میں بیٹھتے ہیں تو وہ اس مسلمان کے لئے صدقہ ہوجاتا ہے۔"

منشیات کا عفریت :-

منشیات کا عفریت ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ اس وقت اندازوں کے مطابق دنیا میں پانچ کروڑ سے زائد افراد منشیات کے عادی ہو چکے ہیں۔ تمام دنیا کی حکومتیں ڈرگ مافیاں سے خوفزدہ ہیں۔ منشیات کی تجارت بین الاقوامی تیل کی تجارت پر حاوی ہوگئی ہے اور اس سے زیادہ صرف اسلحہ کی تجارت ہے۔ پاکستان میں 1981ء سے پہلے طاقتور نشہ ہیروئن کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ ایک اندازے کے مطابق پاکستان میں لاکھوں افراد صرف ہیروئن کے عادی ہیں آج دنیا میں کراچی منشیات کی عالمی منڈی والے شہر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کراچی میں ہیروئن کے عادی افراد کی تعداد اندازے کے مطابق دس لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "نہ خود نقصان اٹھاؤ اور نہ دوسروں کو نقصان پہنچاؤ"۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ترجمہ : اور اپنی جان کو ہلاکت میں مت ڈالو" البقرۃ 195۔

ہر قسم کے نشے کی ابتداء سگریٹ نوشی سے ہوتی ہے۔ لہٰذا سگریٹ نوشی سے نفرت پیدا کرنی چاہیے۔ یہ بات مسلم اور طے شدہ ہے کہ منشیات (ہیروئن، چرس، افیون وغیرہ) خبیث اور مضر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پاکیزہ اور اچھی چیزوں کو حلال کیا ہے اور خبیث اور گندی چیزوں کو حرام کیا ہے تاکہ اس کے جسم و جان کی حفاظت ہو۔ معاشرے میں انسان پسندیدہ اور اچھی شکل و صورت میں جاسکے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: (ترجمہ) "اور حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاکیزہ چیزیں اور حرام کرتا ہے ان کے لئے ناپاک چیزیں"۔ الاعراف 157 نیز ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ : "اور بدل نہ لو برے مال کو اچھے مال سے" النساء 20- امام احمد اپنی مسند میں اور ابی داؤد اپنی سنن میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنے والی مخدرات سے منع کیا ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "ہر نشہ آور چیز شراب (کے حکم میں) ہے اور ہر

شراب حرام ہے" نیز جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ "اللہ کی لعنت ہو شراب پر اور اس کے پینے والے اور پلانے والے اور بیچنے والے اور خریدنے والے اور نچوڑنے والے اور اٹھا کر لے جانے والے اور جس کے پاس اٹھا کر لے جائی جائے اور اس کے پیسے اور قیمت کے کھانے والے پر۔" (ابو داؤد و ترمذی) لہٰذا یہی حکم اس حدیث مبارکہ کے حوالے سے تمام منشیات پر فائز ہوتا ہے۔ اس لئے منشیات استعمال کرنے والے، استعمال کا عادی بنانے والے، منشیات بیچنے والے، خریدنے والے، پیدا کرنے والے اور تیار کرنے والے، منشیات کی ترسیل کرنے والے اور منشیات کے بیوپاریوں پر آپؐ نے لعنت فرمائی ہے۔ حکومت کو میڈیا یا ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان تعلیمات نبویؐ کی تشہیر کرنا چاہئے۔

کوٹہ سسٹم :-

کوٹہ سسٹم دنیا کے کسی ملک میں بھی رائج نہیں ہے۔ کوٹہ سسٹم کی تائید میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ شہروں کے علاوہ دوسرے علاقوں میں تعلیمی سہولتیں ویسی نہیں ہیں جیسی شہروں میں موجود ہیں اس لئے دیہی علاقوں کے رہنے والوں کے ساتھ انصاف یہ ہے کہ انہیں کم تر تعلیمی اہلیت کے باوجود بھی ڈومیسائل کی بنیاد پر پیشہ ورانہ کالجوں میں داخلے اور ملازمتیں دی جائیں۔ دراصل یہ انصاف نہیں، بے انصافی ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ پسماندہ علاقے اور دیہی علاقے کے رہنے والوں کو بھی جینے کا حق ہے اور آزادی کے ثمرات سے مساوی طور پر بہرہ اندوز ہونے کے وہ بھی حقدار ہیں لیکن اسلامی نقطہ نظر سے ہونا چاہئے کہ شہروں کی سطح پر ان علاقوں کو لانے کی بھرپور کوشش کی جائے اعلیٰ معیار کی درسگاہیں ترجیح اول کے طور پر وہاں قائم کی جائیں اس وقت تک ان علاقوں کے ہونہار بچوں کو وظائف دیئے جائیں اور جب وہ معیار کے مطابق ہوجائیں تو ان کی لیاقت کے مطابق مناسب حال عہدے دیئے جائیں تاکہ قوم بحیثیت مجموعی ترقی کرے۔

عہدے اور مناصب تو امانتیں ہوتی ہیں ان کی تقسیم اہلیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ علاقائی یعنی شہری اور دیہی بنیاد پر نہیں کوٹہ سسٹم کے نتیجے میں نااہل ذمہ دار عہدوں پر فائز ہونے لگے اور

بہتر اہلیت کے حامل محروم نوجوان مزید قابلیت اور اہلیت حاصل کرنے کے بجائے کسی نہ کسی طرح ڈومیسائل حاصل کر کے ملازمت کرنے میں لگ گئے اور ڈومیسائل کے نتیجے میں صوبائی تعصبات اور لسانی عصبیت فروغ پاتی گئی۔ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے آج جاہلیت کے تمام تعصبات کو اپنے پیروں تلے روند دیا۔ ہم نے پاکستان میں سنت نبویؐ کے برخلاف غلط پالیسیاں اختیار کیں جن کے نتیجے میں گروہی، صوبائی، لسانی و ثقافتی عصبیتوں کا فروغ ہوا اور

ع : اور ہم خوار ہوئے تارک سنت ہو کر

مسلم قومیت کی بنیاد پر بننے والے اس ملک میں ہم اسوہ حسنہ کی روشنی میں اسلامی عدل عمرانی پر کاربند ہو کر معاشرتی ظلم سے پاک معاشرہ قائم نہ کر سکے۔

رشوت اور بدعنوانی :-

ہمارے معاشرے میں آج رشوت اور بدعنوانی اتنی عام ہو چکی ہے کہ گھر بیٹھے اپنے حق کا حصول اور انصاف کی توقع ایک خواب بے تعبیر بن گئی ہے یہاں تک کہ ایک سابق وزیر خزانہ نے برملا اعلان کیا کہ عمال حکومت ہر سال ترقیاتی اخراجات میں سے چالیس ارب روپے ہڑپ کر جاتے ہیں۔ یہ تخمینہ ترقیاتی منصوبوں کی مد میں بدعنوانی اور رشوت کی ایک جھلک ہے عوام کو اپنے جائز کام کروانے کے لئے رشوت دینا پڑتی ہے وہ اس پر مستزاد ہے رشوت سے مستحق کی حق تلفی ہوتی ہے اور غیر مستحق کو ناجائز طور پر مفادات حاصل ہوتے ہیں اور راشی غلط کام کا منافع حاصل کرتا ہے اس صورت حال سے پورا نظام معاشرت عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے۔ آنحضورؐ کا ادراک زماں و مکاں کی حدود سے ماورا تھا۔ گذشتہ اور آئندہ کا حال آپؐ پر منکشف تھا۔ آپؐ نے نہایت شدت سے اس لعنت کی بیخ کنی کرنے کا حکم دیا اور رشوت لینے اور دینے والے دونوں کو جہنمی قرار دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمال حکومت کو رشوت تو کیا ہدیہ اور تحائف لینے سے

منع فرمایا آپؐ نے ایک مرتبہ قبیلہ ازد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ واپسی پر اس شخص نے آنحضورؐ کے سامنے وصول شدہ مال پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس میں سے اس قدر مال صدقے کا ہے اور اتنا ہدیے کے طور پر مجھے ملا ہے۔ یہ سنکر آنحضورؐ منبر پر کھڑے ہوگئے اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا "عامل کا یہ حال ہے کہ ہم اس کو بھیجتے ہیں تو آکر کہتا ہے کہ یہ مال صدقے کا ہے اور یہ میرا ہے یہ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کر نہیں دیکھتا کہ اس کو تحفے ملتے ہیں کہ نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ اس میں سے جو لے جائے گا وہ قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر لائے گا۔"

اگر ہمارے عمال حکومت ارشادات نبویؐ کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لیں اور اس بدعنوانی کی سنگینی کا احساس کریں تو ہمارے پورے معاشرے میں خوشگوار انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ بحیثیت مسلمان یہ ان کا دینی فرض ہے۔ اگر وہ اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانت سمجھیں اور اس امانت میں خیانت کے ذاتی اور قومی مضمرات کا احساس کریں تو اس لعنت سے نجات مل سکتی ہے۔ کون مسلمان ہے جو قلیل سے مالی منافع کی خاطر پیغمبر اسلام کے ارشادات سے روگردانی کرنے کی بدبختی کا مرتکب ہونا پسند کرے گا۔

باہمی جھگڑے :-

ترجمہ : "مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو" - (الحجرات آیت 10) بدقسمتی سے مسلمان آپس میں لڑنے میں بہت طاق و مشاق ہوگئے ہیں اور خصوصاً ہم پاکستانیوں میں تو حلم و بردباری اور وسیع القلبی مفقود ہوگئی ہے۔ اگر دو مسلمان لڑتے ہیں تو بجائے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان میں صلح کرادیں یا صلح کی کوشش کریں۔ ہم مسلمان کو دوسرے مسلمان سے لڑتا دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ افراد کے درمیان لڑائی جھگڑے بلکہ گروہوں اور جماعتوں کے مابین معمولی معمولی اختلافات پر آپس میں لڑائی ہوتی ہے بلکہ بھائی بھائی کو قتل کررہا ہے۔ اس طرح اپنے دشمنوں کی نظروں میں اپنی ساکھ کھو بیٹھے ہیں۔ دشمن ہماری

باہمی لڑائی اور چپقلش سے فائدہ اٹھا جاتے ہیں۔ آپس کی یہ لڑائی ہمیں کمزور کررہی ہیں۔ بقول شاعر: ع

"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

اس سلسلے میں حضور اکرمؐ کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے۔ دو انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کرنا صدقہ ہے۔" حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا آپؐ فرماتے تھے کہ وہ انسان جھوٹا نہیں ہے جو لوگوں کے درمیان جھوٹ بول کر صلح کرواتا ہے۔ (بخاری مسلم) حضرت ابو عباس سہیل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کو یہ خبر پہنچی کہ بنو عمر بن عوف کے درمیان لڑائی ہوگئی ہے تو آپؐ ان کے درمیان صلح کروانے کے لئے چند رفقاء کی معیت میں تشریف لے گئے جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ دو افراد یا دو گروہ یا دو جماعتیں اگر آپس میں ایک دوسرے سے برسرپیکار ہوں اور ہم کو اس پر قدرت بھی ہو کہ ہماری کوشش سے ملاپ ہوجائے گا تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ پرائی آگ میں کون پڑے۔

عدلیہ کے مسائل :-

اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ کے مشن کا ایک اہم ترین پہلو انسانی معاشرے میں اللہ کے بنائے ہوئے قانون عدل کا قیام قرار دیا۔ کسی انسانی معاشرے کے مہذب ہونے کی پہچان اس معاشرے میں رائج نظام عدل سے کی جاتی ہے۔

اسلامی معاشرے میں نظام عدل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ **ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان** بیشک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ اسلامی نظام عدل میں قانون اور انصاف کی بالادستی پر بہت زور دیا گیا ہے اور دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حصول انصاف میں مشکلات :-

ہماری عدالتوں میں زیر سماعت مقدموں میں حصول انصاف کی راہ بہت مشکل ہے۔ اس کا سدباب ہونا چاہیئے۔

عدالتی فیصلوں میں تاخیر :-

یہ ایک عام مسئلہ ہے۔ لہٰذا حکومت نے فوری سماعت کی عدالتیں قائم کی ہیں اور شریعت کورٹ یا شرعی عدالتیں بھی قائم کی ہیں۔

گواہی دینے سے گریز :-

نظام عدل میں گواہ کی حیثیت کلیدی ہوتی ہے۔ کسی بھی مقدمے کا فیصلہ گواہی کے معیار پر ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اپنے پیروکاروں کو گواہی دینے کا حکم دیا اور گواہی کے عمل کو اللہ کے لئے عمل قرار دے کر اسے عبادت کا درجہ دیا۔ آج لوگ گواہی دینے سے گریز کرتے ہیں۔

جھوٹی گواہی دینا :-

رسول اکرمؐ نے فرمایا "کیا میں تم کو بتاؤں کہ کبیرہ گناہوں میں سے بڑے گناہ کون سے ہیں۔" صحابہؓ نے عرض کیا بتایئے۔ حضورؐ کا ارشاد ہوا۔ خبردار جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی، خبردار! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی"۔ حضورؐ بار بار یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ صحابہؓ نے خیال کیا کہ شاید آپؐ خاموش نہ ہوں گے۔ (بخاری شریف) رحمت عالمؐ صبح کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو کھڑے ہو کر فرمایا "جھوٹی گواہی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کے برابر ہے آپؐ نے تین بار یہی فرمایا (ابن ماجہ) جھوٹی گواہی اور جھوٹے بے بنیاد مقدمات قائم کرنے کا ہمارے یہاں بڑھتا ہوا رجحان ہے اور نبی کریمؐ کی ان احادیث : کے ذریعے ہمیں لوگوں کو جھوٹی گواہی سے باز رکھنے کی کوشش

کرنا ہوگی۔

سربراہ آوردہ افراد کا عدالتی فیصلوں پر اثر انداز ہونا :-

اسلامی نظام عدل میں سربراہ مملکت اور سربر آوردہ افراد کو آئین اور قانون کے معاملے میں ایک عام شہری پر کوئی امتیاز نہیں۔ اور اسلامی مملکت کا ایک عام شہری بھی سربراہ مملکت یا سربر آوردہ افراد کے خلاف مقدمہ دائر کرسکتا ہے اور اس مقدمے کے دفاع میں سربراہ مملکت اور سربر آوردہ افراد اسی طریق کار کے پابند ہوتے ہیں جو ایک عام شہری پر لاگو ہوتا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے اور خلفائے راشدینؓ سے ہمیں یہی مثالیں ملتیں ہیں۔

انتظامیہ کے مسائل :-

1۔ عمومی مسائل (الف) فرائض سے غفلت (ب) ذمہ داری کے احساس کا فقدان (ج) وقت کا ضیاع (د) حکام، زعمائے حکومت اور افسران اعلیٰ میں خادم قوم ہونے کا رویہ باقی نہیں رہا۔ (ہ) احتساب اور جوابدہی کا تصور نہیں رہا۔ (و) خود غرضی اور نفسا نفسی کا عالم ہے۔

مندرجہ بالا کا سبب یہ ہے کہ عقیدہ آخرت میں کمزوری آگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا تصور کمزور پڑتا جارہا ہے اور ہمیں نبی کریمﷺ نے موت کو کثرت سے یاد کرنے کا حکم دیا ہے اگر ہم آپؐ کے حکم کے بموجب موت کو کثرت سے یاد کریں تو اللہ کے سامنے جوابدہی کا احساس غالب رہے گا۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عقلمند وہ ہے جو قیامت کی اور روز جزا کی تیاری کرتا ہے۔"

2- طویل المیعاد اور دوررس منصوبہ بندی کی کمی :-

ہمارے ملک میں طویل المیعاد اور دوررس منصوبہ بندی کی کمی ہے۔ مثلاً جب کسی علاقے

کو آباد کیا جاتا ہے تو وہاں ڈاک خانہ، بنک، اسکول، ہسپتال وغیرہ قائم کئے جاتے ہیں مثلاً" ڈاکخانے کی عمارت دو کمروں پر مشتمل بنادی جاتی ہے۔ چند سال بعد وہ ڈاکخانے کی ضرورت کے لئے کافی نہیں رہتی لہٰذا ثابت یہ ہوتا ہے کہ طویل المیعاد اور دور رس منصوبہ بندی نہیں کی جاتی جو آنے والے وقت کے تقاضوں کو پورا کرسکے۔ جبکہ مومن ناعاقبت اندیش نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہمیں مومن کی فراست سے کام لینا چاہئے اور ناعاقبت اندیشی سے منصوبہ بندی نہیں کرنی چاہئے۔

3- شعبہ جاتی عدم تعاون :-

انتظامیہ کا ایک اور مسئلہ شعبہ جاتی عدم تعاون ہے۔ آئے دن جس کے باعث مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ مثلاً" بلدیہ شاہراہوں کے محکمے نے سڑکوں کی مرمت کروائی تو اس کے بعد ٹیلی فون کے محکمے نے نئی لائنیں بچھانے کا کام شروع کردیا اور پھر سڑکیں کھود کر ڈال دیں یا قدرتی گیس کی سپلائی کے لئے نئی لائنیں ڈالنے کا کام شروع ہوگیا۔

4- باقاعدہ دیکھ بھال کا فقدان :-

انتظامیہ کے مختلف محکموں میں مناسب و باقاعدہ سپرویژن کا فقدان ہے۔ افسران اگر خود ذمہ داری کا احساس رکھنے والے ہوں تو وہ اپنے ماتحتوں سے بہتر کام لے سکتے ہیں۔ خصوصاً" انتظامی محکموں میں سپرویژن اچھی نہیں ہے اسی لئے کام کی رفتار ست اور معیار پست ہوتا ہے۔

اختتامیہ :-

اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سیرت طیبہ کا اطلاقی اور عملی اعتبار سے مطالعہ کریں۔ دراصل جس سیرت طیبہ کو علیم و بصیر اللہ نے ہمارے لئے اسوہ حسنہ اور کامل نمونہ قرار دیا ہو۔ اس کا مطالعہ بھی فقط توصیفی پہلو سے نہیں بلکہ اپنی عملی زندگی میں رہنمائی حاصل کرنے کے

لئے عملی اور اطلاقی پہلو سے کیا جانا چاہئے۔

دراصل سیرت طیبہ پر توصیفی مقالہ لکھنا کہیں آسان ہے لیکن اپنے وجود پر، اپنے طرز عمل پر اس کو نافذ کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے ایمانی قوت درکار ہوتی ہے۔

عصر حاضر کے گوناں گوں مسائل کو حل کرنے کے لئے ہمیں سیرت مبارکہ سے بہت گہرائی اور گیرائی سے استفادہ کرنا ہوگا۔ ہم سیرت طیبہ کا تفصیلی مطالعہ کریں پھر اس پر اطلاقی پہلو سے اپنے مخصوص مسائل و حالات کے لحاظ سے غور و فکر اور تدبر کریں اور عمل کریں۔

سیرت طیبہ کے اتباع اور پیروی سے ہم دونوں جہانوں میں کامیاب یا فائز المرام بن سکتے ہیں۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے اور اس میں کامیاب کرے۔ آمین۔ ثم۔ آمین۔

<====> کتابیات <====>

1- معجم المفہرس الالفاظ القرآن الکریم، از محمود فواد عبدالباقی، مصر

2- معجم المفہرس الالفاظ الحدیث، از محمود فواد عبدالباقی، مصر

3- مشکواۃ شریف، از امام ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری

4- مضامین قرآن، زاہد ملک

5- اسلام اور تربیت اولاد، احمد علوان، مصر

6- کتاب الخراج، امام ابو یوسف

7- Economic Survey of Pakistan

8- النبی الخاتم

9- روشنی، شاہ بلیغ الدین

10- اقبال کے نثری افکار

ازواج مطہرات کی سادگی

"سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ اور اکل حلال کے حصول میں خواتین کی ذمہ داریاں ازواج مطہرات کے اسوہ مبارکہ کی روشنی میں"

درج بالا عنوان کا تجزیہ کیا جائے تو سب سے زیادہ اہم قابل توجہ اور تجزیہ طلب جو الفاظ و اصلاحات ہیں۔ وہ ہیں:۔

نمبر1 سادگی نمبر2 کفایت شعاری نمبر3 اکل حلال

اول و دوئم اصطلاحات صرف دولت کے رہنماء اصول و نظریات سے متعلقہ ہیں اور سوئم اصطلاح پیدائش دولت کے رہنماء اصول و نظریات سے متعلقہ ہے۔

ماہرین معاشیات کے نزدیک دولت یا معاشی اشیاء کا مطالعہ چار پہلوؤں سے کیا جاتا ہے:۔

نمبر1 پیدائش دولت نمبر2 تقسیم دولت نمبر3 صرف دولت نمبر4 تبادلہ دولت

معاشیات میں دولت کا مطالعہ برائے دولت نہیں کیا جاتا بلکہ انسانی زندگی کے مادی و معاشی فلاح و بہبود کے نقطہ نظر سے کیا جاتا ہے کہ پیدائش دولت، صرف دولت، تقسیم دولت اور تبادلہ دولت کیوں، کیسے اور کس طرح کی جائے کہ مادی اور معاشی پہلو سے بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود میں اضافہ ہوسکے۔

سرمایہ دارانہ نظام معیشت ہو یا اشتراکی نظام یا مخلوط معاشی نظام، ان میں سے کسی معاشی نظام میں صرف دولت کی Channels کا تعین نہیں کیا گیا۔ یا صرف دولت کے رہنماء اصول بیان نہیں کئے گئے۔ "اسلام کا معاشی نظام" وہ واحد معاشی نظام ہے جو صرف دولت کے رہنماء اصول بیان کرتا نیز صرف کی راہیں متعین کرتا ہے۔

سادگی اور کفایت شعاری صرف دولت سے متعلقہ رویے یا نظریے Behviours اور Theories کو بیان کرنے والی اصطلاحات ہیں۔ اسلامی معاشی نظام یا اسلامی معیشت میں اور اسلامی طرز زندگی میں کسی بھی اصطلاح کی وضاحت کے لئے یہ لازمی ہے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ

اسلام ایک نظریہ حیات ہے۔ اسلام کی تعلیمات ساری حیات انسانی پر محیط ہیں۔ صحیح نتائج اسی وقت حاصل ہوتے ہیں۔ جب ہم اسلام کو کلیتاً" نافذ العمل کریں۔ اور اختیار کریں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم اس دین مبین کی کچھ تعلیمات کو اختیار کرلیں اور کچھ کو نظرانداز کردیں۔ خیر یہ تو عمومی اور آفاقی سچائی تھی اور جملہ معترضہ تھا۔ اب آیئے ہم زیر غور موضوع کی ایک ایک قابل توجہ اصطلاح پر غور کریں۔

سادگی: تعریف و مفہوم :-

سادگی کیا ہے؟ "نفس کو خواہشات سے روکنا اور کم سے کم سامان دنیا سے گذر بسر کرنا"۔ جیسا کہ قرآن کے الفاظ ہیں:

ونہی النفس عن الھویٰ

(ترجمہ) اور نفس کو خواہشات سے روکتا ہے"۔

خواہشات کا سلسلہ تو لامتناہی ہے اس لامتناہی سلسلے کی ایک ترتیب اور درجہ بندی یوں کی جاتی ہے۔

نمبر1 احتیاجات و ضروریات نمبر2 آسائشات نمبر3 **تعیشات**

نمبر4 حرص و ہوس

"سادگی سے مراد ہے کہ ہم نفس کو خواہشات سے روکیں، ضروریات کو کم کریں، جو میسر ہے اس پر قناعت کریں۔ یہ بھی تمنا نہ کریں کاش میرے پاس.......... ہوتا۔"

حضرت ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم سنتے نہیں کیا تم سنتے نہیں (یعنی سنو اور غور سے سنو اور یاد رکھو کہ سادگی اور خستہ حالی بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ یہ آپؐ نے مکرر ارشاد فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ سادگی اور خستہ حالی، اندرونی ایمانی کیفیت سے پیدا ہوتی ہے اور یہ ایمان ہی کا ایک رنگ ہے"۔

سادگی کا الٹ اگر تصنع اور بناوٹ کو سمجھا جائے تو سادگی یہ ہے کہ زندگی اس طرح سے

گزاری جائے کہ اس میں بناوٹ کی، تصنع کی تکلف کی تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ بقول شاعر۔ع

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

ضروریات بلکہ محدود اور بنیادی احتیاجات پر اکتفا کرنا، آسائشات کی تمنا نہ کرنا، تعیشات سے گریز کرنا انسان کو سادگی سے قریب کرتا ہے۔

ابو داؤد کی مروی حدیث میں ہے "ایک سادہ طرز زندگی ایمان کی علامت ہے"۔ گویا سادگی ایمان کی علامت ہے۔

سادہ طرز زندگی اور سادگی کا الٹ ناز و نعمت اور تعیش ہے۔ مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ کیا "معاذ آرام طلبی اور خوش عیشی سے بچے رہنا۔ اللہ کے خاص بندے آرام طلب اور خوش عیش نہیں ہوا کرتے۔"

امام احمد معاذ بن جبل سے مرفوع حدیث روایت کرتے ہیں کہ

"تم ناز و نعمت میں پڑنے سے بچو اس لئے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت میں نہیں پڑتے۔"

اور طبرانی روایت کرتے ہیں۔ فرمایا نبیؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "اپنے جد امجد معد بن عدنان کی نسبت پیدا کرو۔ (سادگی فصاحت و بلاغت میں) اور سادگی اور معمولی زندگی اختیار کرو"

سادہ طرز زندگی اختیار کرنے اور سادگی سے بسر کرنے اور سادگی کو شعار کرنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے بہترین نمونہ اور اعلیٰ ترین مقتدیٰ ہیں۔ آپؐ نے کھانے پینے، لباس اور رہائش سب میں سادگی کو اختیار کیا تاکہ مسلم معاشرہ اور امت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اقتدیٰ کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے پر چلے۔

یہ بات صاف شاہد ہے کہ جب امت مسلمہ نعمتوں میں مست اور کھانے پینے میں مستغرق ہوجائے گی اور ریشم و دیباج پر سوئے گی۔ تعیشات میں پڑ جائے گی تو مادہ پرستی اس پر غالب آجائے گی اور مادی ترقی و تمدن اپنی چمک دمک اور ظاہری آب و تاب سے اسے دھوکے میں

ڈال دے گی اور پھر وہ بہت جلد اپنے مقام سے گر جائے گی اور دشمن کے سامنے باطل قوتوں کے سامنے گردن جھکا دے گی اور اس کے نوجوانوں کے دل سے صبر اور جہاد فی سبیل اللہ اور اس کے مصائب برداشت کرنے کی روح ماند پڑ جائے گی۔

ناز و نعمت سے مراد یہ ہے کہ انسان ضرورت سے زیادہ لذتوں میں مہنمک ہو جائے اور عیش و عشرت اور ناز و نخرے میں پڑا رہے اور ہمیشہ راحت و عیش میں پڑے رہنے کی عادت سے انسان دعوت و ارشاد اور جہاد کے فریضے سے پیچھے رہ جائے گا اور آزادی و بے راہ روی کی وادیوں میں پھسلتا رہے گا۔ اس کا نفس موٹا ہو جائے گا جبکہ

حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے کٹے

اگر طرز حیات سادہ نہ ہو اور بود و باش میں سادگی نہ ہو تو اس عارضی دنیا میں انسان کی بسران کا بنیادی نظریہ ہی بدل جاتا ہے۔ یہ دنیا تو عارضی قیام گاہ ہے اگر ہم اس زندگی میں "جہاد اکبر" یعنی اپنے نفس کے خلاف جہاد نہ کریں گے اور نفس کو موٹا کرتے رہیں گے تو حیات ابدی یعنی حیات بعدالموت کی ابدی راحتوں، جنت الفردوس کو کیسے پاسکیں گے۔

معاشی لحاظ سے ملکی وسائل و ذرائع کا استعمال غیر پیدا آور مدات کی اور آسائشات و تعیشات کی پیداوار کی سمت میں ہوگا اور اس کے برعکس اگر افراد قوم یا افراد امت سادگی اختیار کریں گے تو ملکی ذرائع اور وسائل کا استعمال غلط سمت میں نہیں ہوگا۔

بنیادی احتیاجات و ضروریات درج ذیل ہیں:

نمبر1 غذا یا روٹی نمبر2 لباس یا کپڑے نمبر3 رہائش یا مکان

آیئے دیکھتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی یہ بنیادی ضروریات کس سادگی سے پوری فرماتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بان کی ایک کھری چارپائی پر تشریف فرماتے تھے۔ جسم اطہر پر بان کے نشانات ابھر آئے

تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہہ بند باندھ رکھا تھا۔ ایک کونے میں ذرا سے ستو رکھے تھے۔ مٹی کا ایک آبخورہ پانی پینے کے لئے تھا۔ اور دیوار پر ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ سرور کائنات کی یہ کل کائنات دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آبدیدہ ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ قیصرو کسریٰ تو اس دنیا کے مزے لوٹیں اور آپ اللہ کے محبوب ہوتے ہوئے اس طرح زندگی گذاریں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قیصرو کسریٰ کے لئے اس دنیا کے مزے ہیں اور آخرت کا اجر و ثواب اہل ایمان کے لئے۔"

کھانا پینا احتیاجات میں سے ہے اور غذا و خوراک کے بغیر زندہ رہنا اور عبادت کرنا ممکن نہیں روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں شکم سیر ہو کر کھانا نہ کھایا تھا اور حاکم نے مقدام بن معدی کربؓ کی اس حدیث کو صحیح کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابن آدم نے اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرا۔ حالانکہ اس کے لئے تو صرف اتنے لقمے ہی کافی تھے کہ جس کے ذریعے اس کی ریڑھ کی ہڈی قائم رہ سکتی۔ اگر اسے زیادہ ہی کھانے کی خواہش ہے تو اپنے پیٹ کے ظرف کے تین حصے کرے۔ ایک حصہ کھانے کے لئے ہو۔ دوسرا حصہ پینے کے لئے ہو اور تیسرا حصہ سانس لینے کے لئے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے مراد ہے۔ مسلمان کی کم خوری اور کافر کی بسیار خوری۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل و عیال میں ہوتے تھے۔ آپؐ ان سے کھانا نہیں طلب فرماتے تھے اور نہ ہی آپؐ ایسی خواہش ہی ظاہر کرتے تھے اگر وہ آپؐ کی خدمت میں کھانا پیش کرتے تو آپؐ تناول فرما لیتے تھے اور جو چیز بھی حاضر خدمت کی جاتی تھی۔ آپؐ قبول فرماتے تھے اور جو کچھ پینے کو پیش کیا جاتا تھا وہی پی لیتے تھے۔

ایسی شکم سیری جو مانع عبادت ہو مکروہ ہے۔ ورنہ کبھی کبھی شکم سیری یا عادتاً" شکم سیری مکروہ نہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی متواتر تین دن

پیٹ بھر کر نہ کھایا تھا حتی کہ آنحضور ﷺ دنیا سے رخصت فرما گئے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل خانہ پر متواتر راتیں گذرتی تھیں۔ لیکن رات کو کوئی چیز کھانے کی نہ ہوتی تھی جبکہ غذا بھی جو کی روٹی ہوتی تھی۔ رواہ ترمذی۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حالت میں رخصت فرما گئے کہ ایک دن میں آپ صلی اللہ کا شکم مبارک دو کھانوں سے پر نہ ہوا تھا۔ اگر کھجور سیر ہو کر کھائی تو جو کی روٹی شکم سیری کے لئے نہ ہوتی تھی اور جو کی روٹی سیر ہو کر تناول فرمائی تو کھجور سے شکم سیر نہ ہوئے۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران خطبہ فرمایا کہ خدا کی قسم! آل محمد میں ایک صاع کھانے سے شام نہ ہوئی۔ حالانکہ آپ کے نو گھر تھے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ایسے اہل بیت ہیں کہ ہمارے یہاں ایک ایک ماہ تک آگ بھی نہ جلتی تھی اور سوائے کھجور اور پانی کے کوئی کھانا میسر نہ ہوتا تھا۔ دیگر ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم پر دو مہینے ایسی حالت میں گذر جاتے تھے کہ ہمارے چند انصاری پڑوس میں رہنے والے ہمارے یہاں دودھ بھیج دیتے تھے ہم وہ ہی پی لیتے تھے۔

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وسعت و کشادگی ممکن ہونے کے باوجود فقر اختیار کئے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفس کی خاطر کوئی مخصوص غذا کے مکلف نہ ہوتے تھے اور روش تکلف نہ اپناتے تھے۔ آپؐ بھی اہل مدینہ کے معمول کے مطابق کھانا کھاتے تھے تاکہ امت کے لئے وسعت ہو اور رہبانیت کے راستے مسدود ہو جائیں۔

آپؐ بعض اوقات روٹی کو سرکہ کے ساتھ بھی کھاتے تھے اور فرماتے تھے "سرکہ بہترین سالن ہے"۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مراد ہے کھانے کی

چیزوں میں میانہ روی اختیار کرنا اور لذیز کھانوں سے اجتناب کی تلقین۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے کہ آنتیں بوجھل رہیں۔

شمائل ترمذی میں ہے کہ حضرت مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا۔ انہوں نے میرے لئے کھانا منگوایا اور فرمانے لگیں کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی مگر میرا رونے کو دل چاہتا ہے پس رونے لگتی ہوں۔ مسروق نے پوچھا کہ کیوں رونے کو دل چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا "مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حالت یاد آتی ہے جس پر ہم سے مفارقت فرمائی کہ کبھی ایک دن میں دو مرتبہ گوشت اور روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے دو دن پے در پے پیٹ نہیں بھرا۔" آپ کو اپنے گھروالوں کے لئے فقر ہی پسند تھا اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر سکیں جو کچھ ہوتا تھا وہ غرباء میں تقسیم کردیا جاتا تھا۔ جو چیز میسر آگئی صرف اتنی کھالی جس سے کمر سیدھی رہے اور ذاتی زندگی رواں دواں۔ زیادہ تر کھجوروں پر گذر اوقات تھی کبھی جو کی روٹی کھالی اور کبھی فاقہ کو پسند فرمایا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ نے آپ پر فقر و فاقہ مسلط کر رکھا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش ہی یہی رہی کہ سادہ اور معمولی خوراک سے ہی زندگی بسر ہو۔ امیرانہ خوراک اور شاہی ٹھاٹھ باٹھ سے آپؐ نے اعراض ہی فرمایا۔

لباس :-

لباس انسانی جسم کے لئے لازمی ہے۔ ستر پوشی کے علاوہ انسان کے حسن و جمال کو چار چاند لگاتا ہے اور مہذب شہری بناتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے سورہ الاعراف آیت 26 (ترجمہ)

"اے اولاد آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری جو

ڈھانکے تمہاری شرم گاہیں اور اتارا لباس زینت
کا اور تقویٰ کا یہ بہتر ہے۔"

آدمی کا لباس واجب بھی ہوتا ہے، مستحب بھی، حرام بھی، مکروہ بھی، مباح بھی۔

واجب : وہ لباس ہے جس سے ستر پوشی ہو۔

مندوب : وہ لباس ہے جس کے پہننے کی شریعت نے ترغیب دی ہو جیسے عیدین کو عمدہ کپڑا پہننا اور جمعہ کو۔

مکروہ : غلیظ اور گندے کپڑے یا جیسے غنی کے لئے پھٹے پرانے اور خستہ حالت کے کپڑے

حرام : جیسے مرد کے لئے ریشمی کپڑا پہننا حرام ہے۔

لباس التقویٰ بھی نازل کیا یہ بہتر ہے۔ یعنی انسان کو اپنا ظاہر و باطن پاک اور ستھرا رکھنا چاہئے اور دل اور زبان بھی صدق و اخلاق سے آراستہ کرنا چاہئے۔

لباس مقدس :-

سرور عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت مبارکہ میں لباس میں کسی قسم کی وسعت یا تنگی یا تکلف مقصود نہ تھی جو کچھ بھی میسر آتا تھا آپؐ زیب تن فرمالیتے تھے لباس میں کوئی تعین کا تکلف نہ فرماتے تھے۔ نہ کوئی مخصوص جستجو ہی ہوتی تھی۔ آپؐ کسی بھی حال میں عمدہ اور نفیس لباس نہ چاہتے تھے اور ادنیٰ اور حقیر لباس پہننے کا تکلف بھی نہیں تھا۔ ہر میسر آنے والی چیز زیب تن فرمالیتے تھے۔ احتیاج کو پورا کردینے والا لباس ہوتا تھا تو اسے کافی سمجھتے تھے۔ زیادہ تر آپؐ کا لباس ایک چادر پیرہن اور آزاد پر مشتمل ہوتا تھا وہ سخت اور موٹے سے کپڑے سے بنائے ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پشمینہ بھی پہن لیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوڑھتے تھے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک بندہ بھی ہوں اور بندوں کی طرح لباس پہنتا ہوں۔

اگر کسی وقت عجمی بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اچھے، نفیس اور

قیمتی لباس بطور ہدیہ بھیجتے تھے تو صرف ان کی تالیف قلوب کے پیش نظر پہن لیتے تھے لیکن جلد
لباس لوگوں کو دے دیتے تھے۔

بہتر یہ ہے کہ لباس صاف ستھرا اور پاک ہو اور میانہ روی اختیار کر کے ہم جنسوں کی مشابہ
رکھی جائے۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و
وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی خوبیوں میں سے پسندیدہ تر خوبی صاف لبا
کا پہنا اور تھوڑے پر راضی رہنا ہے"۔

سفر السعادۃ میں آیا ہے کہ لباس کے بارے میں تکلف کو برطرف رکھنا آنحضور صلی اللہ عل
و آلہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی۔ لباس میں تزئین و پھبن اور لباس میں خستہ حالی۔ دونوں خلاف
طریق نبوت ہیں۔ ہر حالت میں میانہ روی اور تکلف کا نہ ہونا ہی بہتر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبر و غرور کی مذمت کرتے تھے تو صحابہ پوچھتے تھے
رسول اللہ! آدمی کو پسند ہوتا ہے کہ عمدہ کپڑے ہوں جوتے بھی اچھے ہوں تو آنحضرت فرماتے تھ
"بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے اور تکبر اللہ سے سرکشی ہے"۔

مراد یہ ہے کہ لباس اور ہیئت میں تجمل اور تحسین کرنا تکبر نہیں ہوتا۔ کبر و تکبر یہ ہے ک
اللہ تعالیٰ سے سرکشی ہو۔ دیگر حدیث میں آیا ہے کہ

"بے شک اللہ پاک و صاف ہے اور پاکی اور صفائی کو پسند کرتا ہے"۔

نمبر1 اگر لباس وہیئت میں تجمل و تحسین سے مراد نعمت الہیہ کا اظہار و تشکر ہے تو یہ پسندید
ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود بھی وفود کے لئے تجمل فرماتے تھے۔ آپ جمعت
المبارک اور عیدین پر بھی زیبائش و آرائش فرمایا کرتے تھے اور علیحدہ مستقل لباس محفوظ رکھ
تھے۔

اور ابو داؤد روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جس
کو اللہ تعالیٰ نے وسعت و فراخی دی ہے تو وہ روز مرہ کے کپڑوں کے علاوہ اگر ایک جوڑا جمعہ کے
لئے بنالے تو اس کا کیا نقصان ہو جائے گا"۔

نمبر2 نیز اگر ادنیٰ لباس کنجوسی سے یا لوگوں کے مال میں لالچ اور اپنی احتیاج ظاہر کرنے کے لئے پہنا جائے تو یہ مذموم ہے۔

نمبر3 اگر دنیا کی زینت اور سامان سے عدم رغبت مقصد ہو اور جو ملے وہی پہننے اور ایثار و قناعت کرے تو یہ محمود ہے۔

تواضع اور انکساری کے سبب لباس میں سادگی :-

روایت ہے شوید بن وہب سے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "جو شخص کہ چھوڑ دے لباس زیب و زینت کا درحالیکہ وہ اس پر قادر ہو" اور ایک روایت میں تواضعا" کا لفظ زیادہ آیا ہے۔ یعنی چھوڑ دے لباس زیب و زینت بسبب تواضع اور کسر نفسی کے تو پہنائے گا اس کو اللہ تعالیٰ جوڑا بزرگی کا۔ یعنی بہشت کا جوڑا کہ باعث رفعت اور بزرگی کا ہوگا"۔ (ابو داؤد-جامع ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ تواضع سادہ، موٹا اور پیوندوں والا لباس پہنا ہے۔

آسائشات :-

حضور اقدس صلی اللہ وآلہ وسلم کا بچھونا اور تکیہ دونوں چمڑے کے تھے جن میں کھجور کا چھلکا بھرا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زہد کرتے تھے دنیا میں اور اعراض کرتے تھے متاع اور لذات دنیا سے۔

ازواج مطہرات کا اسوہ مبارکہ :-

واقعہ ایلا اور واقعہ تخسیر کا جائزہ امہات المومنین کے اسوہ مبارک کو اجاگر کرتا ہے۔
کہ انہوں نے اللہ، اللہ کے رسول ﷺ اور آخرت کا گھر اختیار کیا اور دنیوی زندگی اور اس کی رونق ٹھکرا دی۔

واقعہ ایلا :-

ازدواج مطہرات رضی اللہ عنہما کے لئے غلہ اور کھجور کی جو مقدار مقرر تھی وہ ان کی ضروریات کے لئے کافی نہ تھی اور وہ تنگدستی سے گذر اوقات کرتی تھیں۔ دوسری جانب اموال غنیمت اور سالانہ محاصل میں کافی اضافہ ہوچکا تھا۔ چنانچہ ازواج مطہرات نے اپنے مقررہ گزارہ میں اضافہ کی خواہش کی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹیوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سمجھا کر اس مطالبے سے باز رکھا۔ لیکن دوسری ازواج اس مطالبے پر قائم رہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد کیا کہ ایک مہینے تک ازواج مطہرات سے نہ ملیں گے یہی ایلا کہلاتا ہے۔

واقعہ تخییر :-

واقعہ ایلا کے بعد ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا "عائشہؓ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کرکے دو تو بہتر ہوگا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا بات ہے حضور نے سورہ احزاب کی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔"

(ترجمہ) "اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم کو دنیوی زندگی اور اس کی رونق درکار ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلاکر بھلے طریقے سے رخصت کروں اور اگر تمہیں اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آخرت کا گھر پسند ہے تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ اس میں والدین کے مشورے کی کیا ضرورت میں تو اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آخرت کا گھر اختیار کرتی ہوں"۔ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ جواب پسند فرمایا یہی بات جب دوسری ازواج سے پوچھی تو انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔

کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دیئے جاتے :-

خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں امہات المومنین کے حجرات جو سادگی کا نمونہ اور مثال تھے جب مسجد نبویؐ میں شامل کئے گئے تو سہیل بن حنیف نے فرمایا "کاش وہ حجرے اسی طرح چھوڑ دیئے جاتے تاکہ لوگ دیکھتے کہ جس رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں وہ کیسے حجروں اور کیسے چھپروں کے نیچے زندگی گزارتے تھے"۔

مکان یا رہائش :-

مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوے پر تشریف لے گئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں حضرت ام سلمہؓ نے اپنے حجرے کو کچی اینٹوں سے تعمیر کرلیا۔ حضورؐ واپس آئے اور اس حجرے میں داخل ہوئے تو فرمایا۔ "یہ کیا عمارت ہے"۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا۔ "میں نے سوچا تھا کہ لوگوں کی نگاہوں کو اس طرف آنے سے روک دوں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے ام سلمہؓ! مسلمانوں کے مال کا سب سے برا مصرف مکانوں کی تعمیر ہے"۔

گھر کا سامان :-

امہات المومنین رضی اللہ عنہما میں سے ہر بی بی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سامان عنایت ہوا اس کی تفصیل یہ ہے۔

دو چکیاں، گھڑا اور چمڑے کا تکیہ جس میں خرمے کی چھال بھری ہوتی۔

طرز حیات یا معیار زندگی :-

ابتدائے اسلام میں صحابیات نہایت فقر و فاقہ اور غربت و افلاس کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھیں جس کا اثر ان کے لباس، مکان، گھر کے سامان اور سامان آرائش غرض ہر چیز سے ظاہر ہوتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے میں نے آپؐ کے پیچھے ایک کپڑا لیا اور پردہ بنا کر اس کو دروازہ پر ڈال دیا جب آپؐ واپس تشریف لائے اور اس پردے کو دیکھا تو اس کو کھینچ لیا اور پھاڑ ڈالا اور اس کے بعد فرمایا۔ "خداوند تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم اینٹ اور پتھروں کو کپڑے پہنائیں"۔ بخاری و مسلم ابو داؤد۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ایک روز رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا "اگر تو دنیا و آخرت میں مجھ سے پیوستگی چاہتی ہے تو دنیا سے صرف اتنا لے جتنا کہ ایک سوار کو کافی ہوتا ہے اور دولت مندوں کی صحبت سے دور رہ اور اس وقت تک کپڑے کو پرانا سمجھ کر نہ پھینک جب تک وہ پیوند کے قابل رہے"۔ (ترمذی)

صحابیات کے لباس :-

صحابیات کو کپڑوں کی نہایت تکلیف تھی۔ حضرت فاطمہؓ جگر گوشہ رسول کی چادر اسقدر چھوٹی تھی کہ ایک بار انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب و حیاء سے جسم کے ہر حصے کو چھپانا چاہا لیکن ناکامی ہوئی۔ سر ڈھکتی تھیں تو پاؤں کھل جاتے تھے۔ پاؤں ڈھکتی تھیں تو سر کھل جاتا تھا۔ (ابو داؤد کتاب اللباس)

بعض صحابیات کو تو چادر بھی میسر نہ تھی۔ رسول اللہؐ نے صحابیات کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ اس کو دوسری عورت اپنی چادر اڑھا لے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

شادی بیاہ میں دلہن کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن صحابیات کو معمولی جوڑا بھی میسر نہ تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی۔ شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی وہ مجھ سے اس کو مستعار منگوا لیتی تھی۔ (بخاری)

صحابیات کے مکان :-

غربت و افلاس کی وجہ سے صحابیات کے مکان نہایت مختصر، پست اور کم حیثیت ہوتے تھے۔ گھروں میں جائے ضرورت تک نہ تھی۔ اس لئے راتوں کو صحرا میں جانا پڑتا تھا۔ دروازوں پر پردے نہ تھے راتوں کو جلانے کے لئے چراغ تک میسر نہ تھا۔

زیورات :-

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ ایک ہار پہن لیا جس میں کچھ سونا بھی شامل تھا۔ حضورؐ نے اس کو ناپسند فرمایا تو اس کو اتار دیا۔ (یا توڑ دیا)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بہن بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتو! کیا تمہارے لئے چاندی کافی نہیں ہے کہ تم اس کے زیور بناؤ! خبردار تم میں سے جو عورت سونے کا زیور بنائے اور پھر اس کو بے موقع دکھائے گی اس کو زیور کے سبب عذاب دیا جائے گا۔ (ابو داؤد۔ نسائی)

کفایت شعاری :-

کفایت شعاری سے مراد خرچ میں میانہ روی ہے۔ کفایت شعاری خرچ کرنے کے عمل یا صرف دولت کا رہنما اصول ہے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت 29 میں ارشاد ربانی ہے۔ "اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا

ہوا۔ (یعنی بہت تنگ) کرلو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ"۔

قرآن حکیم میں کفایت شعاری اور میانہ روی کی وضاحت و تعریف اس طرح کی گئی ہے " اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ بیجا اڑاتے ہیں اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کے ساتھ، نہ تو ضرورت سے زیادہ نہ کم" (سورۃ الفرقان۔ آیت 67)

عملی زندگی میں اعتدال و توازن اسلام کا منشاء ہے۔ افراط و تفریط کو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں کرتے جیسا کہ درج بالا قرآنی آیات سے ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اپنے نفقہ میں اعتدال برتنا آدھی معیشت ہے"

قربان جایئے پیغمبر اسلام کی بصیرت و دانش و حکمت کے 1400 برس پہلے معاشیات کا ایسا اصول بیان فرما دیا جو ناقابل تردید حقیقت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا "جس نے میانہ روی (اعتدال) اختیار کی کبھی محتاج نہ ہوگا"۔

نیز فرمایا "اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھ کر نہ رکھ اور نہ اسے پورے طور پر پھیلا دے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتصاد فی العمل کا حکم دیا اور قناعت کو معاش کی روح قرار دیا۔ اس اقتصاد (خرچ میں میانہ روی) کی یہاں تک تاکید کی گئی کہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بھی اس کا پورا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔ خرچ میں میانہ روی اور اعتدال کو کفایت شعاری کہا جاتا ہے۔ اعتدال کا متضاد افراط و تفریط ہے۔

افراط کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔

اسراف :-

اسراف کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنا ہے۔ اصطلاحی معنی ہیں جائز ضرورت پر ایک حد

سے زیادہ خرچ کرنا۔ اسراف قرآن کریم کی ایک جامع اصطلاح ہے اس کا اطلاق ہر ایسے طرز عمل پر ہوتا ہے جو صحیح اسلامی طرز عمل سے ہٹا ہوا ہو جو ضروریات مثلاً" کھانا' پینا' پہننا' پر مال کی ایک مخصوص مقدار صرف کر کے پوری کی جاسکتی ہیں ان پر بلاوجہ ایک حد اعتدال سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلاتا ہے۔

غرض جائز ضروریات پر ایک حد سے زیادہ یا حد اعتدال سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے۔

"کھاؤ اور پیؤ اور اسراف نہ کرو"۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یقیناً" اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے"۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے۔ کھاؤ اور پیؤ اور پہنو اور صدقہ کرو بغیر کسی اسراف اور تکبر کے"۔

اسراف کی ممانعت کا مقصد صرف مال و دولت میں انسان کو اعتدال و توازن کی روش پر قائم رکھنا ہے یہ اسی وقت ممکن ہے جب اشیاء استعمال کو مقدار اور وصف دونوں کے اعتبار سے ضرورت کے تابع رکھا جائے۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ ہر شے سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ مثلاً" کپڑا اس وقت تک ترک نہ کرو کہ اس میں پیوند لگ جائے۔

تبذیر :-

تبذیر کے لغوی معنی ہیں خرچ میں حد سے تجاوز کرنا۔ اصطلاحی معنی ہیں۔ غیر ضروری مدات پر مال خرچ کرنا۔ اس خرچ کی نمائش کرنا اور اس پر فخر کرنا تبذیر کہلاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورہ بنی اسرائیل 26-27 ترجمہ : "بے جا خرچ کر کے مال کو نہ اڑا مال اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکر گزار ہے"

سورہ الانعام آیت 141 میں ارشاد خداوندی ہے "اور بے جا خرچ نہ کرو وہ بے جا خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا"۔

جس طرح اسراف اور تبذیر ناپسندیدہ ہیں اسی طرح تفریط بھی ناپسندیدہ ہے۔ خرچ میں تفریط کی جو شکل ہو سکتی ہے۔ وہ بخل اور کنجوسی ہے۔

بخل اور کنجوسی :-

سورۃ النساء آیت 37 کا ترجمہ ہے۔

"جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو مال خدا نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھیں اور ہم نے ناشکروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

ابو الاحوص تابعی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں بہت معمولی اور گھٹیا قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھا تو آپؐ نے مجھ سے فرمایا "کیا تمہارے پاس کچھ مال و دولت ہے" میں نے عرض کیا کہ مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے اونٹ بھی ہیں، گائے بیل بھی ہیں، بھیڑ بکریاں بھی ہیں، گھوڑے بھی ہیں، غلام باندیاں بھی ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "جب اللہ نے تم کو مال و دولت سے نوازا ہے تو پھر اللہ کے انعام و احسان اور اس کے فضل و کرم کا اثر تمہارے اوپر نظر آنا چاہئے"۔ (مسند احمد، سنن نسائی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کو یہ بات محبوب اور پسند ہے کہ کسی بندے پر اس کی طرف سے جو انعام ہو تو اس پر اس کا اثر نظر آئے۔ (جامع ترمذی)

یہ اللہ کی نعمتوں پر شکر کے تقاضوں میں سے ہے کہ اظہار نعمت ہو۔

اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "تم حرص و بخل سے بچو اس لئے کہ تم سے پہلے

لوگوں کو حرص و بخل ہی نے ہلاک کیا ہے"۔

اکل حلال کا حصول :-

اکل حلال اسلامی فریضہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حلال طریقے سے کمائی فرض ہے یعنی ان فرائض کے بعد جو خدا نے مقرر کئے ہیں حلال کمائی بھی فرض ہے۔ (طبرانی و بیہقی)

اللہ اور رسولؐ پر ایمان، نماز، روزہ، زکواۃ و حج اسلام کے بنیادی ارکان اور اولین فرائض ہیں ان کے بعد حلال روزی حاصل کرنے کی فکر و کوشش بھی ایک اسلامی فریضہ ہے۔

امام احمدؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا "بہترین کمائی انسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے"۔

نیز بخاری، احمد اور ابن ماجہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "کسی شخص نے کوئی بھی روزی اس سے بہترین نہیں کھائی کہ وہ اپنے ہاتھ سے کام کاج کرکے کما کر کھائے اور اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کی کمائی کھایا کرتے تھے"۔

مندرجہ بالا دونوں احادیث سے ہم مسلمانوں کو یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہئے کہ اپنی معاش اور اپنی کفالت کے لئے فکر و کوشش بنیادی فرائض کے بعد ایک فریضہ ہے۔ لہذا ہر شخص کو اپنی معاش کے لئے دوسروں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے دست و بازو سے روزی پیدا کرنی چاہئے۔ اپنی مدد آپ کرے اپنے پیروں پر کھڑا ہو خود کفیل ہو۔

معاشی نقطہ نظر سے اگر کسی ملک کی آبادی کی غالب اکثریت خود کفیل ہو۔ فعال ہو۔ دوسروں کی کمائی پر انحصار کرنے والی نہ ہو بلکہ خود کفالت کے اصول پر عمل پیرا ہو تو معیشت زیادہ تیز رفتاری سے معاشی ترقی اور نمو کے مراحل طے کرتی ہے۔

منحصرین یعنی غیر ذمہ دار، بے فکرے، بے روزگار، کاہل، ست الوجود داگر وغیرہ معیشت کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ اسلام اور نبی اکرمؐ کی تعلیمات میں کیا کیا معاشی حکمتیں

پوشیدہ ہیں۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ 1400 برس پہلے پیغمبر اسلامؐ نے کیا حکیمانہ معاشی اصول اپنی احادیث سے امت کو عطا فرمائے۔ ہم اہل ایمان خواتین کی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی اولاد، بھائیوں، زیر اثر افراد کو اُن کے اپنے آپ ذاتی محنت و کاوش سے روزی کمانے کی ترغیب ان احادیث کی معرفت دیں اور یہ سمجھائیں کہ دوسروں پر بوجھ بننے کے بجائے دوسروں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنی روزی آپ اپنے ہاتھ سے پیدا کرو کہ یہی بہترین روزی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روزی پیدا کرنے کے قابل بنانے کے لئے کیا کیا جائے؟ اپنے زیر اثر افراد کو ہنرمندی کی طرف رغبت دلائی جائے۔

تکنیکی اور پیشہ ورانہ افراد پسندیدہ ہیں :-

طبرانی و ابن عدی و ترمذیؒ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو پسند کرتا ہے جو پیشہ و حرفت والا ہو"۔

جب اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو پسند کرتا ہے جو پیشہ و حرفت والا ہو تو ہم مسلمانوں کو گویا ہنر مندی، دستکاری مہارت، تکنیکی تعلیم و تربیت اور پیشہ ورانہ تربیت و مہارت کی جانب مائل ہوجانا چاہیے۔ ہم مسلمان خواتین کی ذمہ داری ہے کہ اپنے زیر اثر افراد کو پیشہ وارانہ مہارت کی اہمیت سمجھائیں۔

تجارت دیانت داری کے ساتھ :-

حضرت رافع بن خدیجؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کونسا پیشہ بہتر ہے آپؐ نے فرمایا انسان کا اپنے ہاتھ سے کمانا بہترین کسب ہے اور پیشہ وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کیا جائے جیسے زراعت، کتابت اور بیع (یعنی تجارت جو بددیانتی اور مکرو فریب سے پاک ہو) مقبول ہے۔

اگر ہمارے زیر اثر افراد تجارت کی طرف مائل ہوں تو ہم دیانت داری کے ساتھ تجارت و

کاروبار کرنے اور مکر و فریب سے پاک تجارت کرنے اور اس کے ذریعے اپنی روزی حاصل کرنے کی ترغیب دیں۔

پیدائش دولت کے ذرائع اور صرف دولت کی مدات کی اہمیت :-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قیامت کے دن (جب حساب کتاب کے لئے بارگاہ خداوندی میں پیشی ہوگی تو) آدمی کے پاؤں اپنی جگہ سے سرک نہ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ کرلی جائے۔

1- اس کی پوری زندگی کے بارے میں کہ کن کاموں اور مشغلوں میں اس کو ختم کیا؟

2- خصوصیت سے جوانی کے بارے میں کہ کن مشغلوں سے اس کو بوسیدہ کیا؟

3- مال و دولت کے بارے میں کہاں سے اور کن طریقوں اور راستوں سے حاصل کیا تھا؟

4- کہاں اور کن کاموں میں اس کو صرف کیا؟

5- جو کچھ معلوم تھا اس پر کتنا عمل کیا؟

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر آدمی کو اپنے آمد و خرچ کا بھی حساب دینا ہوگا۔ کتنا کمایا اور کیسے کمایا؟ حلال طریقے سے کمایا یا حرام طریقے سے؟

ہم خواتین اکل حلال کے حصول پر زور اس طرح دے سکتی ہیں کہ اول تو اپنے متعلقین کو اکل حلال کی اہمیت بتاتی رہیں۔ دوسرے اپنی آمدنی کی چادر دیکھ کر اخراجات کے پیر پھیلائیں بلکہ اخراجات کو تو ہمیشہ minimum رکھنے کی کوشش کریں۔ خواہ آمدنی کی چادر بڑھ ہی کیوں نہ جائے۔ اخراجات اگر ایک ندی ہے تو اس کے بہاؤ کو سادگی اور کفایت شعاری کے بند باندھ کر قابو میں رکھیں۔

ہم خواتین اپنے گھر کے کمانے والوں کے ذہن و دماغ میں یہ بٹھا دیں کہ ان آمدنیوں میں حرام کے مال کا عنصر ذرہ برابر شامل نہ ہونے پائے وہ چوکس و خبردار رہیں اور دیانت داری سے

کام کریں حتی کہ مشتبہات سے بھی بچیں۔ کیونکہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی ترکے میں چھوڑا ہوا حرام مال آخرت کا وبال ہوگا۔ اس کو حرام کھانے کا گناہ ہوگا اور زیر کفالت افراد کو حرام کھلانے کا۔

حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی

حرام لباس پہننے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی

یہ سب جان لینے کے باوجود اگر انسان اکل حلال حاصل کرنے کے لئے شعوری کوشش نہ کرے اور اس سے غفلت برتے تو آخرت میں اس کا انجام وہ ہوگا جو حرام سے پیٹ بھرنے والوں کا بتلایا گیا ہے۔

حرام مال سے پلنے والا بدن بہشت میں داخل نہ ہوگا :-

حضرت ابو بکر صدیقؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"جو بدن حرام مال سے پلا ہے وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا"۔ (بیہقی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ گوشت اور وہ جسم جنت میں نہ جاسکے گا جس کی نشو و نما حرام مال سے ہوئی ہو اور ہر ایسا گوشت اور جسم جو حرام مال سے پلا بڑھا ہے دوزخ اس کی زیادہ مستحق ہے"۔ (متفق علیہ)

اس حدیث میں بڑی سخت وعید آئی ہے۔

اکل حلال کے حصول میں خواتین کی ذمہ داریاں :-

1- خواتین اگر حصول معاش کی سرگرمیوں میں مصروف ہیں تو خود شعوری طور پر محتاط رہیں کہ حلال طریقے سے روزی کمائیں۔ اپنے فرائض منصبی پوری دیانتداری اور ذمہ داری سے ادا کریں۔ یاد رہے کہ بلا عذر شرعی عورت پر کمانا فرض نہیں۔

2- اپنے متعلقین اور خصوصاً اپنی اولاد کو اکل حلال کی اہمیت سے آگاہ کریں اور اکل حلال

سے متعلقہ احادیث ان کے ذہن میں راسخ کردیں۔

3- انہیں حلال روزی کمانے کے قابل بنائیں یعنی ہنر مندی' مہارت اور تکنیکی تعلیم و تربیت دلوا کر محنت کی عادت ڈال کر دیانت کی تربیت دیں۔

4- اپنے باپ' بھائی' شوہر اور بیٹے کی کمائی پر نظر رکھیں اور جائزہ لیتی رہیں کہ اس میں حرام کا کوئی عنصر تو شامل نہیں ہوگیا۔

5- بیجا فرمائشیں نہ کریں اور کثرت کی خواہش نہ کریں۔

6- سادگی اور کفایت شعاری کو اپنا شعار بنائیں اولاد کو بھی سادگی اور کفایت شعاری کی عادت ڈالیں۔

7- خصوصاً" شوہروں کو مجبور نہ کریں کہ مزید پیسے دو اخراجات کے لئے۔

8- اگر اس کے باوجود کمانے والے حلال و حرام ذرائع میں تمیز نہ رکھتے ہوں تو خواتین اس کمائی کو استعمال نہ کریں۔

امہات المومنینؓ کے زمانہ حیات میں خود ان پاک نفس خواتین کی زندگیاں اور طرز معاشرت سراسر سادگی کی تصویر تھی۔ احتیاجات اور ضروریات محدود۔ ان محدود اور معدودے چند احتیاجات و ضروریات کو بھی ضبط نفس سے پورا کیا جاتا تھا۔

بے شک ازواج مطہرات نے آیت تخییر کے مصداق دنیاوی زندگی اور اس کی رونق کو پس پشت ڈال کر اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور آخرت کا گھر پسند کرلیا تھا۔

ذاتی اخراجات نہیں بڑھائے انفاق فی سبیل اللہ میں اضافہ کیا :-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب عالم اسلام کو فراوانی و کشادگی حاصل ہوئی تو بھی ازواج مطہرات نے انفاق فی سبیل اللہ میں اضافہ کیا اور اپنے دنیاوی اخراجات نہیں بڑھائے۔

اب اگر ہم اپنے طرز حیات اور اپنے طرز عمل کا موازنہ ازواج مطہرات کے طرز حیات

اور طرز عمل سے کریں تو مختصراً" ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نفس کی بندیاں اور وہ پاک نفس خواتین اللہ کی بندیاں تھیں۔ ہمارے وارڈروب لباسوں سے پٹے پڑے ہوتے ہیں۔ پھر بھی کہیں آتے جاتے ہم خواتین کہتے ہیں کیا کریں ہمارے پاس تو موزوں کپڑے ہی نہیں ہیں۔

نت نئے کپڑوں کی خریداری' میچنگ اور انتخاب ان کی ڈیزائننگ اور سلائی کروانا یہ وہ اعلیٰ مقاصد ہیں جن کے گرد ہم میں سے اکثر خواتین کی زندگیاں گھومتی ہیں۔

زیورات بنوانا اور خریدنا' ملبوسات سے میچنگ جوتے' پرس خریدنا خواتین میں سے بیشتر کا مقصد حیات ہیں۔

اپنے گھروں کو آراستہ کرنا' آرام و آسائش کی اشیاء ہی نہیں بلکہ تعیشات کی اشیاء حاصل کرنا اور ان میں تکاثر و تفاخر ہماری زندگیوں کی معراج ہے۔

اللہ مجھے سچ لکھنے کی توفیق دے اپنے شوہر کی اور اپنی کمائیوں کو ہم خواتین فقط اپنا حق سمجھتے ہیں اس میں حق داروں کا حق تو طوعاً" وکرہاً" گوارا کرتے ہیں لیکن کوشش یہی ہوتی ہے کہ سب کچھ اپنے پر ہی لگائیں اللہ کی راہ میں غرباء مساکین کو ہم باسی اور بچے کھچے کھانے اور اپنے بوسیدہ آؤٹ آف فیشن اور دل سے اترے ہوئے کپڑے دے کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے خیرات کی ہے۔

گویا ہمارے یہاں جو متوسط آمدنی والے ہوتے ہیں وہاں آمدنیوں میں اضافے دنیاوی اخراجات میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ میں اضافے کا باعث نہیں بنتے۔ آمدنی بڑھی تو آسائشات و تعیشات کی اشیاء و سامان خریدیں گے۔ لباس و زیورات بنوائیں گے یعنی اسراف و تبذیر کریں گے۔

زکواۃ ایک ضروری اور کم سے کم minimum ہے جو ہر اس آدمی کو ادا کرنا پڑتا ہے جس کی مالی حالت ایک خاص درجے کی ہو جبکہ انفاق ہر امیر غریب پر فرض ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ "جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اس میں سے میری راہ میں خرچ کرو"۔ صاحب وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا خدا نے اس کو دیا اس کے موافق

خرچ کرے"۔ (سورہ الطلاق آیت 7)

اور ازواج مطہرات کا اسوہ مبارکہ بھی ہمارے سامنے یہی نمونہ عمل پیش کرتا ہے کہ فراخی و فراوانی ہوئی تو بھی اپنے ذاتی اور دنیاوی اخراجات نہیں بڑھائے بلکہ انفاق بڑھتا گیا۔ سادگی اور کفایت شعاری دنیاوی اخراجات اور ذاتی اخراجات کا طرہ امتیاز رہا۔

سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ میں خواتین کا کردار :-

سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ میں خواتین پر کیا کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

1- اپنی ذاتی اور انفرادی زندگیوں میں سادگی اختیار کریں۔

(الف) سادہ اور متوازن غذا کھائیں مرغن اور انواع و اقسام کے کھانوں کی بجائے سادہ اور ہلکی پھلکی غذا استعمال کریں۔

(ب) ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم کھانے کے لئے زندہ ہیں۔ زندہ رہنے کے لئے کھانا پیش نظر نہیں ہے۔

(ج) ہم رزق کا احترام نہیں کرتے' رزق کی قدر نہیں کرتے' رزق کو ضائع کرتے ہیں۔

2- نمود و دکھاوے کے لئے بھاری اور قیمتی ملبوسات نہ استعمال کریں۔

3- ہر لباس سے بھرپور استفادہ کریں یعنی اسے بار بار پہنیں یہاں تک کہ اس میں پیوند لگنے کی نوبت آجائے۔

4- مجموعی طور پر اپنے ملبوسات کی تعداد کم رکھیں۔ گرمی اور سردی ہر موسم کے چند گنے چنے ملبوسات ہوں۔

5- اپنی ذات میں اور اپنے بچوں کی شخصیت میں لباسوں کی خوبصورتی کے ذریعے دلکشی پیدا کرنے سے زیادہ شخصی اخلاق و اوصاف کے ذریعے دلکشی پیدا کریں۔ کیونکہ اخلاق و عمل کی خوبیاں ہی انسان کی شخصیت کے قد و قامت کو بڑھاتی ہیں اور شخصیت میں چار چاند لگاتی ہیں۔

میری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

6- زیورات اور غیر ضروری آرائش و زیبائش کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ع

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی

اپنی شخصیت میں مورپنکھ لگا کے اسے خوبصورت بنانے کی کوشش نہ کیجئے۔ شخصی اوصاف پیدا کیجئے۔ ذاتی اخلاق کو بلند کیجئے۔ ازواج مطہرات امہات المومنین اور صحابیات کو اپنی آئیڈیل بنائیے۔ فلمی ستاروں اور اداکاراؤں کو اپنا آئیڈیل نہ بنائیے۔

7- اپنے لئے مکانات' صاف ستھرے ضرور بنوائیے لیکن بلند و بالا' زائد از ضرورت وسیع و عریض مکانات نہ بنائیے۔ ہمارا عالم یہ ہے کہ زندگی بھر محنت کر کے خون پسینے کی کمائی سے ہم پائی پائی جوڑ کر یعنی انفاق فی سبیل اللہ سے روگردانی کر کے مکان بناتے ہیں یا قرضوں کے جال میں جکڑ کے سود در سود کے چکر میں پھنس کے مکان بناتے ہیں۔

8- پھر ان مکانوں کو فرنیچر سے' پردوں سے' سجاوٹی اشیاء سے نادر و نایاب اور قیمتی Show Pieces Decoration Pieces سے بناتے اور سنوارتے ہیں اور ہمارا سارا زور ہوتا ہے۔ع

مرے صوفے ہیں افرنگی مرے قالین ایرانی

(علامہ اقبال سے معذرت کے ساتھ)

اپنے گھروں میں تمام تر Status Symbols جمع کر لینے کے خواہش مند ہوتے ہیں تاکہ معاشرے کے اعلیٰ ترین آمدنی والے طبقے میں یعنی معززین میں ہمارا شمار ہونے لگے۔

اے کاش ہم جان لیں کہ معززین اہل تقویٰ ہیں۔ پرہیزگار ہیں' اللہ سے ڈرنے والے ہیں دولت والے جاہ و حشم والے نہیں۔ اس دنیا میں ہم سب کا انجام وہ قبرستان ہیں جو بالآخر جلد یا بدیر ہمارا ٹھکانہ ہوں گے اور اپنی قبر کی کشادگی اور اپنی قبر میں تاریکی سے بچنے کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں؟ ہم نے کیا آگے بھیجا ہے اور آخرت میں انسانوں کے جو دو طبقے ہوں گے۔

(1) اہل جنت (2) اہل دوزخ

اس میں ہم کون سے طبقے میں ہوں گے؟

اور اہل جنت کی جو درجہ بندی ہے یعنی جنت کے سات طبقوں میں سے ہم کس طبقے میں ہوں گے؟ کیا ہم ایسے کام کررہے ہیں کہ اہل جنت میں سے ہوں اور جنت الفردوس یا جنت الماوی ہمارا مقام ہو اور اہل دوزخ کی جو درجہ بندی ہے یعنی دوزخ کے سات طبقے ہوں گے تو کیا ہم ان کاموں سے بچ رہے ہیں کہ اہل دوزخ میں ہمارا شمار نہ ہو۔

کاش کہ ہماری تمامتر توجہ اور کوشش یہی ہو کہ ہم اوامر پر کاربند ہوں اور نواہی سے بچیں اور اسوہ حسنہ یعنی سیرت مبارکہ کا اتباع کریں اور ازواج مطہرات کے اسوہ مبارکہ کو اختیار کریں کہ آخرت میں ہمارا Status اچھا ہو۔

9- شادی بیاہ، تقریبات کے موقع پر اخراجات میں حد اعتدال سے تجاوز کرتے ہیں۔ اس تبذیر کو فوری طور پر بند کردیں۔

نمبر1: کھانے کا، اللہ کی نعمتوں کا ضیاع کرتے ہیں۔

نمبر2: دکھاوے اور ریاکاری کے لباس پہنتے ہیں۔ زیب و زینت کے یہ تمام لباس اپنے فخرو مباہات کے لئے ہوتے ہیں۔

نمبر3: زیورات کی نمائش کرتے ہیں۔

نمبر4: شادیوں اور تقریبات میں بن سنور کر جاتے ہیں اور نامحرموں سے بے پردگی ہوتی ہے۔

نمبر5: ویڈیو بنتی ہے جس میں نامحرم عورتوں کو فلم بند کیا جاتا ہے۔

نمبر6: تقریبات میں مقررہ وقت سے تاخیر ہوتی ہے۔ وقت کو اور وسائل کو بے دردی سے ضائع کیا جاتا ہے۔

نمبر7: مایوں، مہندی کی رسمیں خرافات ہوتی ہیں سب سراسر نواہی ہیں۔

نمبر8: جہیز کی نمائش ہو یا جہیز کا مطالبہ (ضروری نہیں کہ الفاظ میں ہو) سب ہماری معاشرت کے ناسور ہیں۔

نمبر9: دلہن کے اور قریبی عزیز خواتین کا Beauty Par Lours میں میک اپ کروانے پر جو کثیر رقوم خرچ ہوتی ہیں کہاں تک جائز ہیں؟

نمبر10: ہمیں سادگی اور کفایت شعاری کے فروغ کے لئے شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے انعقاد کے موقع پر اس قسم کی تقریبات کا بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ نیز اپنے گھر میں ان تقریبات کا موقع بلکہ مبارک موقع آئے تو اللہ کے شکر گزار بندوں کی طرح اسوہ رسول ﷺ اور اسوہ امہات المومنین کی روح کے منافی طور طریقے اختیار نہ کریں بلکہ شعوری طور پر سادگی و کفایت شعاری اختیار کریں۔

آخر میں یہی کہوں گی کہ اگر ہم نے اپنے رویئے اور طرز حیات کی اصلاح نہیں کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المومنینؓ سے ہمیں کیا نسبت رہ جائے گی؟ اللہ تعالی ہمیشہ یہ نسبت قائم رکھے اور اللہ ہمیں اس نسبت کے تقاضے نبھانے کی توفیق دے۔ (آمین ثم آمین)

کتابیات :

۱۔ مضامین قرآن کریم از زاہد ملک

۲۔ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانی

۳۔ مشکوٰۃ شریف از امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب العمری

۴۔ اسلام اور تربیت اولاد از شیخ عبد اللہ ناصح علوان

۵۔ مدارج النبوت از شیخ عبد اللہ محدث دہلوی

۶۔ تذکار صحابیات از طالب ہاشمی

۷۔ مسلمانوں کی مائیں از رازق الخیری

۸۔ صحابیات از مولانا سعید انصاری اور مولانا عبد السلام ندوی

۹۔ صحابیات از نیاز فتح پوری

۱۰۔ دانائے سبل از حکیم محمد سعید

۱۱۔ مسند عائشہ از جمیل نقوی

۱۲۔ مسند صحابیات از جمیل نقوی

۱۳۔ جمال مصطفٰے از مولانا محمد صادق سیالکوٹی

"سماجی برائیوں کا انسداد خواتین کا کردار تعلیمات نبوی کی روشنی میں"

زیر غور موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے بنیادی طور پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ سماجی برائی یا سماجی مسئلہ کیا ہوتا ہے؟

مشہور ماہرین عمرانیات لیزلی اور ہارٹن نے Laslie, Harton نے اپنی تصنیف سوشیالوجی آف سوشل پرابلمز Sociology Of Social Problems میں سماجی برائی یا معاشرتی مسئلہ کی جامع وضاحت کی ہے۔

"سماجی برائی یا معاشرتی مسئلہ ایسی معاشرتی حالت ہے جو افراد کی اکثریت کو ناپسندیدہ طریقوں سے متاثر کرتی ہے اور جس کے متعلق یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ اجتماعی مشترکہ کوششوں سے اس کو دور کرنے کے لئے کچھ کیا جائے"۔

اس تعریف سے سماجی برائی یا معاشرتی مسئلہ کی مندرجہ ذیل شرائط واضح ہوتی ہیں۔

1- معاشرتی برائی یا سماجی مسئلہ ایسی معاشرتی حالت ہے جو افراد کی اکثریت کو متاثر کرے۔

2- سماجی برائی سے افراد کی اکثریت ناپسندیدہ اور منفی طور پر متاثر ہے۔

3- اس ناپسندیدہ حالت کا افراد میں شعور و احساس پیدا ہونا لازم ہے۔

4- اس احساس کے پیدا ہونے کے لئے معاشرتی حالت کا ایک حد تک بگڑنا یا تکلیف دہ ہونا لازم ہے۔

5- اجتماعی مشترکہ کوششوں سے اس تکلیف دہ حالت پر قابو پانے کی کوشش کی جائے۔

لیسٹو فرینک وارڈ نے معاشرتی برائی یا مسئلہ کی جو وضاحت کی ہے وہ یوں ہے۔

"سماجی برائی یا معاشرتی مسئلہ ایسی معاشرتی حالت ہے جس کے متعلق لوگوں میں ناپسندیدگی کا احساس پیدا

ہوجائے اور وہ اس کا حل تلاش کرنے کی کوشش کریں"

سماجی برائیوں کا انسداد :-

ہر معاشرے میں سماجی برائیاں اور معاشرتی مسائل ہوتے ہیں جن کی نوعیت وقت اور زمانے کے ساتھ بدلتی رہتی ہے معاشرتی برائیوں اور سماجی مسائل کے پیدا ہونے کے اسباب کا تجزیہ کیجئے تو ثابت یہ ہوتا ہے کہ افراط تفریط تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اعتدال کا حکم ہے۔ زندگی کی ہر جہت اور پہلو میں اعتدال برتنا اور افراط تفریط سے بچنا انفرادی اور اجتماعی سطح پر ضروری ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"ہر ایک کام میں اوسط اور درمیانہ درجہ بہت اچھا ہے"

اسلام ایک عظیم الشان معاشرتی دین ہے جو تمام انسانی معاشروں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے۔

بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ اس امت کے آخری زمانے والوں کی اصلاح بھی اسی سے ہوگی جس سے پہلے والوں کی اصلاح ہوئی تھی۔ یعنی قرون اولیٰ قرون وسطیٰ قرون موجودہ اور قرون آخری سب ادوار اور قرون کے مسلمانوں کی معاشرتی اصلاح اور سماجی برائیوں کے انسداد کے لئے بنیادی کردار۔

"امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے اور رہے گا۔

دراصل انسان جن لوگوں کے ساتھ معاشرتی ربط و ضبط اور تعلق رکھتا ہے معاشرے کے افراد کی ایک دوسرے کے لئے خیر خواہی بھلائی اور مدد و تعاون اس میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے بے خبر اور لا تعلق نہ رہیں بلکہ موقع بہ موقع ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے رہیں اور اسلام کے اساسی اصول یعنی نیک کاموں کا حکم دیتے رہنے اور برے کاموں سے منع کرتے رہنے پر کاربند ہوں۔

خواتین اپنے زیر اثر افراد یعنی اپنے زیر تربیت بچوں یعنی وہ افراد جن کی بابت عورت روز قیامت مسئول ہوگی ان میں اس اہم قاعدے اور اساسی اصول پر کاربند ہونے کے مطلوبہ کردار اور متقاضی اوصاف کو پروان چڑھائیں۔ یہ سماجی برائیوں کے انسداد میں سب سے زیادہ اہم اقدام ہے اور اللہ کی جانب سے تفویض شدہ ذمہ داری ہے۔

اسلام نے معاشرے کی اصلاح اور سماجی برائیوں کے انسداد کے اقدام میں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی شکل میں تمام امت کو شامل و شریک کیا ہے۔

یہ فریضہ اسلام نے حکام و علماء' عوام و خواص' مرد و عورت' جوان بوڑھے چھوٹے اور بڑے ملازمین و افسران سب پر برابر کا فرض کیا ہے اور اس ذمہ داری کو ایک ایسی معاشرتی ذمہ داری قرار دیا ہے جس سے کوئی بھی انسان مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ ہر شخص پر اس کی حیثیت و طاقت اور ایمان کے مطابق یہ فریضہ عائد ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی دلیل اور اساس اللہ تعالیٰ کا فرمان ذیل ہے۔

کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف
و تنھون عن المنکر و تو منون باللہ (ال عمران)

ترجمہ: "تم ان سب امتوں سے بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی ہیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو" آل عمران 110

اور مسلمانوں کے اجتماعی و معاشرتی فریضے کے سلسلے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

والمومنون و المومنت بعضھم اولیاء بعض یا مرون بالمعروف
و ینھون عن المنکر و یقیمون الصلواۃ و یوتون الزکواۃ و یطیعون اللہ
و رسولہ اولئک سیر حمھم اللہ ان اللہ عزیز "حکیم" ○

ترجمہ: "اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کے مدد گار ہیں۔ نیک بات سکھلاتے ہیں اور بری بات سے منع کرتے ہیں اور نماز قائم رکھے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے حکم پر چلتے ہیں وہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بے شک

اللہ زبردست ہے حکمت والا" سورہ توبہ - 71-

سورۃ الحج آیت 141 ارشاد ربانی ہے۔

ترجمہ : "یہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکواۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔ اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے"۔

سورۃ لقمان آیت 17 میں حضرت لقمان کی زبانی کہلوایا "بیٹا نماز کی پابندی رکھنا اور لوگوں کو اچھے کاموں کے کرنے کا امر کرنا اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا۔ اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اس پر صبر کرنا بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں"

معاشرے کو افراد پر اور افراد کو معاشرے پر جو نظر رکھنا چاہیے اس کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کشتی سے دی ہے۔

امام بخاری و ترمذیؒ حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔

"اس شخص کی مثال جو اللہ کی حدود پر قائم ہو اور اس کی مثال جو اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرتا ہو اس قوم کی طرح ہے جو کشتی میں قرعہ اندازی سے سوار ہوئی ہو اور بعض کو اوپری منزل ملی ہو اور بعض کو نچلی جو لوگ نچلی منزل میں ہوں وہ پانی لینے کے لئے اوپر کی منزل والوں کے پاس سے گذرتے ہوں۔ اگر نچلی منزل والے یہ سوچ لیں کہ اگر ہم اپنی منزل میں سوراخ کرلیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیا کریں۔ تو اگر ایسی صورتحال میں اوپر کی منزل والے ان کو یہ سوراخ کرلینے دیں تو سب کے سب ہلاک ہوجائیں گے اور اگر اوپر والے ان کا ہاتھ پکڑ لیں اور ان کو سوراخ نہ کرنے دیں تو وہ خود بھی بچ جائیں گے اور دوسروں کو بھی بچالیں گے۔"

سماجی برائیوں کے انسداد کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت مسلمہ کے تمام افراد پر واجب و لازم ہے اور یہ ہر مسلمان فرد کا ایک اجتماعی اور معاشرتی فریضہ ہے اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اس لئے لعنت کے مستحق بنے کہ انہوں نے ایک

دوسرے کو برائی سے نہ روکا۔

سماجی برائیوں کے انسداد کے واجب ہونے کی مزید تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی امت میں سے کسی بھی فرد کی حتیٰ کہ صالحین و متقیوں کی دعا بھی قبول نہیں فرماتے۔ اس لئے کہ انہوں نے گم کردہ راہ افراد کی ہدایت و رہنمائی اور ظالموں کی مقاومت کے فریضے سے روگردانی کی تھی۔

چنانچہ امام ترمذی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکو ضرور کرو ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر عذاب نازل فرمادے اور پھر تم دعا مانگو تو اسے بھی قبول نہ کرے"

امام مسلم سے روایت کردہ حدیث پاک ہے کہ

"تم میں سے جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے درست کردے۔ اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے اس پر نکیر کرے اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے

اچھی باتوں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے کے کچھ ضروری اصول ہیں جو ہم خواتین کو برائیوں کے انسداد کا فریضہ انجام دینے کے قابل بنانے کے لئے اختیار کرنا ضروری ہیں۔

1- قول و فعل میں مطابقت :-

سورۃ صف میں ارشاد باری تعالٰی ہے "اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔"

سورۃ البقرہ - آیت 43- میں ارشاد ربانی ہے۔

"کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور اپنے آپ کو
بھولتے اور تم تو کتاب پڑھتے ہو پھر سوچتے کیوں نہیں۔"

بخاری و مسلم حضرت اسامہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ۔

"قیامت کے روز ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو آگ میں ڈال دیا جائے گا تو لوگ اس سے کہیں گے کہ فلا نے! تمہیں کیا ہوگیا کیا تم اچھی باتوں کا حکم نہیں دیتے تھے اور بری باتوں سے نہیں روکتے تھے؟ تو وہ کہے گا کیوں نہیں میں دوسروں کو اچھی بات کا حکم دیا کرتا تھا لیکن خود ان پر عمل نہیں کرتا تھا اور دوسروں کو برائیوں سے روکتا تھا لیکن خود برائیاں کیا کرتا تھا۔"

لہٰذا سلف صالحین کی عادت یہ تھی کہ وہ پہلے اپنے نفوس کی اصلاح کرتے۔ اوامر کو اختیار کرتے اور خود کو نواہی سے باز رکھتے۔ نیز اپنی اولاد اور گھروالوں کا محاسبہ کرتے اور انہیں نواہی سے روکتے اور اچھی باتوں کا حکم دیتے۔ پھر دعوت الی اللہ دیتے اور دوسروں کو برائیوں سے روکتے اور اچھے کاموں کی تلقین کرتے اور تقویٰ اور عمل صالح کی ترغیب دیتے۔

اس طریقے کے مطابق سب سے پہلے تو ہم خواتین اپنے اپنے کردار و عمل کی اصلاح کریں اور مسلمہ معاشرتی برائیوں کو ہرگز اختیار نہ کریں بلکہ نہ صرف خود ترک کریں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اپنے گھروالوں اور اپنی اولادوں کو بھی ان سے باز رکھیں۔ نصیحت ہمیشہ اپنے گھر سے شروع ہوتی ہے۔

2- جس برائی سے روک رہی ہوں وہ متفق علیہ برائی اور امر منکر ہونا چاہئے

جس برائی اور منکر سے ہم مسلمان خواتین دوسروں کو روک رہی ہوں وہ ایسی برائی ہو جس کے برا ہونے پر فقہاء اور ائمہ مجتہدین متفق ہوں لیکن اگر کوئی امر ایسا ہو جس میں قابل اعتماد مجتہدین کا اختلاف ہو تو شریعت کی نظر میں وہ امر منکر شمار نہ ہوگا۔

3- برائی کے انسداد میں تدریج سے کام لینا چاہئے :-

انسداد میں مرحلہ وار بتدریج کام کرنا چاہئے۔

1- پہلے مرحلے میں برائی کی تفصیلی معلومات حاصل کریں۔

2- برائی کے مرتکب کو یہ جتا دے اور اس پر یہ واضح کردے کہ یہ کام برا ہے۔

یہاں یہ اعتراف ہے کہ ہم خواتین فی زمانہ ایسا نہیں کرتیں اور بری رسوم و رواج پر خاموش رہتی ہیں۔

3- وعظ و نصیحت سے اور اللہ کا خوف دلا کر اس برائی کو روکنے کی کوشش کریں۔

ہم آج کی مسلمان خواتین میں قوت ایمانی کی کمی ہے اور بیگانگی و بے پروائی موجودہ معاشرتی زندگی کا وطیرہ ہے لہٰذا برائیوں کو برا سمجھنے کے باوجود ہم وعظ و نصیحت نہیں کرتے۔

4- کسی شخص پر وعظ و نصیحت کا بھی اثر نہ ہو تو اسے سختی سے سرزنش کرنا چاہئے۔

5- اگر اس کا بھی اثر نہ ہو تو پھر ڈرانا' دھمکانا چاہئے کہ برائی کرنے والے کے ساتھ ایسا کیا جائے گا۔

6- پھر اس برائی کو قوت بازو سے ختم کردینا چاہئے۔

برائی کی روک تھام کے سلسلے میں فقہاء نے جو بنیادی نقطہ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ اگر برائی کو نرمی سے ختم کیا جاسکتا ہو' تو سختی اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ اگر کسی برائی کو نصیحت اور نرمی سے ختم کیا جاسکتا ہو تو سختی اور درشتگی اختیار نہیں کرنا چاہئے اور اگر درشتگی و سخت کلامی سے کام چل سکتا ہو تو ہاتھ سے برائی کو مٹانے کی کوشش کرنا درست نہیں ہے۔

لہٰذا برائیوں کی اصلاح و انسداد کے لئے حکمت سے کام لیں۔

4- برائیوں کے انسداد کرنے والے خوش اخلاق ہوں :-

لوگوں کو خیر کی طرف بلانے والے اور برائیوں سے روکنے والے نرم مزاج اور خوش اخلاق ہوں تاکہ دوسروں پر پورا اثر ہو۔

بیہقی حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اچھی بات کا حکم دے تو اسے چاہئے کہ عمدگی سے دے۔

اور امام مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"نرمی کسی چیز میں شامل نہیں ہوتی مگر یہ کہ اسے زینت بخشتی ہے۔ اور اسے کسی چیز سے بھی جدا نہیں کیا جاسکتا مگر یہ کہ وہ اسے عیب دار بنا دیتی ہے۔"

امام بخاری حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کردیا لوگ اس کی طرف بڑھے تاکہ اسے سرزنش کریں تو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔

"اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہادو۔ اس لئے کہ تم لوگوں کو نرمی پیدا کرنے کے لئے بھیجا گیا سختی پیدا کرنے کے لئے نہیں۔"

حضرت ابو امامہؓ کی روایت کے مطابق ایک نوجوان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زنا کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے جس حکمت و نرمی سے ان کو اس فعل کریہہ سے روکا وہ بے مثال ہے۔

5- تکلیف و ابتلا پر صبر کرے :-

اگر برائیوں کے انسداد و اصلاح میں مشکل پیش آئے' جو نقصان اٹھانا پڑے جس تکلیف و

ابتلا کا سامنا کرنا پڑے تو حضرت لقمانؒ کی زبانی اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے۔

ترجمہ: "اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کرو اور برے کام سے منع کیا کر اور جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کیا کر بے شک یہ (صبر) ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

معاشرے کی برائیوں کے انسداد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے جنہیں معاشرے کی برائیوں کے انسداد میں وہ تکالیف و مصائب پہنچے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کو نہیں پہنچے ہوں گے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔

6- حق گوئی و بیباکی :-

اصلاح معاشرہ کے لئے معاشرتی برائیوں کے انسداد کے لئے ضروری ہے کہ افراد معاشرہ مصلحت کوشی سے بچیں اور ہر برائی کے خلاف برملا کلمہ حق بلند کریں۔

اگر اللہ کے سوا کسی اور مخلوق کا کوئی خوف دل میں نہ ہو اور انسان صرف اللہ ہی کو نافع اور ضار سمجھے تو وہ بلا دھڑک ہر موقع پر حق بات کہہ سکتا ہے اور برائی کے خلاف آواز بلند کرسکتا ہے۔ بقول اقبال۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اور بقول شاعر

کسی سے وہ نہیں ڈرتے کہ جو اللہ سے ڈرتے ہیں
جو اللہ سے نہیں ڈرتے وہی ہر اک سے ڈرتے ہیں

اور حق گوئی و بیباکی کی یہ صفت مسلمان خواتین کا کردار رہی ہے اور قرون اولیٰ کی مسلمان خواتین نے برائیوں کے خلاف سلطانوں کے سامنے حق گوئی و بیباکی کی سے کام لیا۔

چند مثالیں :-

1- حضرت اسماءؓ بنت ابو بکر کا حجاج جیسے جابر کے سامنے اعلائے کلمتہ الحق۔ اور حجاج جیسا جابر بھی حضرت اسماء کی گفتگو سن کر سکتے میں آگیا۔

2- علامہ ابن اثیر نے "اسد الغابہ" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ وقت کے روبرو حضرت شفاء نے نہایت جرات و بیباکی سے دل کی بات کہہ دی۔

3- حضرت عمر فاروقؓ سے حضرت خولہ بنت حکیم ثعلبہ کی گفتگو۔

4- حضرت سودہؓ بنت عمارہ کا حضرت امیر معاویہؓ سے طویل مکالمہ۔

5- اسی طرح حضرت عکرشہؓ بنت الحرش بھی حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں ان کے گورنروں کی شکایت لے کر پہنچیں۔

6- حق بات کہنے میں کسی سے نہ ڈرنے کا اعلیٰ ترین اور فقید المثال مظاہرہ حضرت زینبؓ بنت علی نے کیا۔ خصوصا" واقعہ کربلا کے بعد یزید کے دربار میں جو تقریر انہوں نے کی اسے سن کر یزید اور اس کے درباری مبہوت رہ گئے۔

البتہ مجھے اعتراف ہے کہ فی زمانہ مسلمان خواتین کے کردار سے یہ وصف کم ہوگیا ہے اور غالبا" ایک سبب یہ بھی ہے کہ معاشرتی برائیاں بڑھ رہی ہیں۔

7- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے والوں کو ان باتوں کے ساتھ ساتھ علم سے بھی لازمی طور پر متصف ہونا چاہئے۔ اور المیہ یہ ہے کہ ہماری خواتین کی اکثریت علم سے بے بہرہ ہے۔ سب سے پہلے تو ہمیں علم کے فیضان کو عام کرنا چاہئے۔ اور خصوصا" خواتین کو علم سے بہرہ مند کرنا ہوگا۔

عملی اطلاق :-

حدیث مبارکہ ہے۔

"تم میں سے جو شخص کسی بری بات کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ

سے درست کردے۔ اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے اس پر نکیر کرے اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے اسے برا سمجھے"

جس طرح متذکرہ بالا حدیث کے مطابق بااثر صحابیات نے پہلے دونوں طریقوں سے برائیوں کے انسداد کا حق ادا کیا۔

آج پاکستانی معاشرہ جن سماجی برائیوں کا شکار ہے ہم ان کا احساس کریں ان کا تجزیہ کریں ان معاشرتی اور سماجی برائیوں کو نہ صرف یہ کہ دل سے برا سمجھیں زبان سے ان پر نکیر کریں۔ قلم سے ان کے خلاف جہاد کریں اور بالآخر ان کا انسداد کریں۔ میرے نزدیک پاکستانی معاشرے میں درج ذیل سماجی برائیاں ہیں۔

(1) بے حیائی و بے پردگی۔ (2) جہیز۔ (3) لڑکیوں کے رشتے نہ ملنا۔ (4) نمود و نمائش۔ (5) غیر ضروری رسوم و رواج۔ (6) تہواروں اور تقریبات پر بے جا خرچ۔ (7) مذہبی تہواروں پر ان کی روح کے منافی رسوم۔ (8) ذات' پات کی تقسیم اور طبقاتی تقسیم۔ (9) عصبیت اور صوبائیت۔ (10) جرائم اور بالخصوص نو عمروں کے جرائم۔ (11) والدین اور اولاد کے مابین تعرض۔ (12) ویڈیو فلمیں' ڈش انٹینا' ویڈیو گیمز۔ (13) رشوت۔ (14) سفارش۔ (15) مزاروں کو دودھ سے دھونا۔

اب آیئے یکے بعد دیگرے ان سماجی برائیوں کے تجزیئے اور انسداد کے لئے عملی اقدام پر غور کریں۔

1- بے حیائی و بے پردگی :-

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک گھر میں مہمان اتریں۔ میزبان کی دو لڑکیوں کو جو جوان ہو چلی تھیں دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید کی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے ہوئے نماز نہ پڑھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا ہے۔ (**عین الاصابہ بحوالہ سنن بیہقی**)

آج ہم خواتین اگر نوجوان و نو عمر لڑکیوں کو بے حجابانہ گھر سے باہر دیکھ کر چادر اوڑھنے کی

طرف مائل کریں تو کیا یہ ہمارا فریضہ نہیں ہے؟

لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم خواتین خود باحیا اور حجاب والی ہوں اور ہماری بیٹیاں‘ بہنیں‘ بھتیجیاں‘ بھانجیاں اور عزیز و اقارب کی نو عمر لڑکیاں سب سے پہلے ہماری مثال نیز ہماری نصیحت سے اثر لیں۔

ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک عورت کو دیکھا کہ اس کی چادر میں صلیب کے نقش و نگار بنے ہوئے ہیں آپؓ نے دیکھتے کے ساتھ ڈانٹا کہ یہ چادر اتار دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے کپڑوں کو دیکھتے تھے تو پھاڑ ڈالتے تھے۔

آج ہم سب خواتین خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی انسانوں اور جانوروں کے نقش والے کپڑے نہ استعمال کریں اور نہ استعمال کرنے دیں نیز دوسروں کو بھی اس سے باز رکھنے اور منع کرنے کی ہمت و حوصلہ اپنے اندر پیدا کریں کہ یہی تعلیمات نبویؐ کا تقاضہ ہے۔

ایک بار حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بھتیجی حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر سامنے آئیں دیکھنے کے ساتھ ہی غصے سے دوپٹے کو چاک کردیا پھر فرمایا تم نہیں جانتیں کہ سورۃ نور میں اللہ نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں اس کے بعد گاڑھے کا دوسرا دوپٹہ منگوا کر اوڑھایا۔ (از موطا۔ امام مالک۔ کتاب اللباس)

اگر آج میں اور آپ سب گاڑھے کے دوپٹے یا موٹے دوپٹے پہنتے ہوں خود باحیا اور باعمل ہوں تو شاید اتنا جوش ایمانی اور جرات ہم میں پیدا ہو کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی بیٹیوں‘ بھانجیوں اور بھتیجیوں کے باریک دوپٹے چاک کرسکیں اور یوں بے پردگی اور بے حیائی کی کثافت کم ہوسکے۔

لیکن ہمارا عالم یہ ہے کہ اول تو ہم خود بے پردگی کا شکار ہیں دوئم یہ کہ اگر ہم خود بے پردگی و بے حیائی کا شکار نہ بھی ہوں تب بھی بے حیائی و بے پردگی یا خلاف شرع قسم کے عمل پر کسی کو روکتے ٹوکتے نہیں بلکہ مصلحتاً خاموش رہتے ہیں۔

2- جہیز :-

جہیز لینا اور جہیز دینا دونوں سے معاشرے کو نجات دلانے میں عورتوں کا کردار سب سے زیادہ موثر ہو سکتا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہندوؤں سے معاشرتی ارتباط بہت سی سماجی برائیوں کا سبب ہے اور جہیز ان میں سے ایک ہے۔ اگر صاحب حیثیت مائیں اپنی بیٹیوں کو جہیز دینے میں افراط سے بچیں کہ یہی تعلیم نبویؐ ہے اور دوسری جانب بیٹوں کی مائیں بہو بیاہ کر لاتے ہوئے اگر جہیز کی طلب گار نہ ہوں بلکہ جہیز لینے سے انکار کردیں تو جہیز کا مطالبہ کرنے والے لعنتیوں سے نجات مل جائے گی۔

3- لڑکیوں کے رشتے نہ ملنا :-

موجودہ زمانے میں لڑکیوں کو موزوں رشتے نہ ملنا اور لڑکیوں کا غیر شادی شدہ بیٹھے رہ جانا ایک بہت بڑا سماجی مسئلہ ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے ہمیں رشتوں کے انتخاب کا جو معیار دیا تھا ہم نے اس معیار کو پس پشت ڈال دیا۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے "عورت سے چار باتوں کی وجہ سے شادی کی جاتی ہے یا تو اس کے مال کی وجہ سے' یا حسب نسب کی وجہ سے یا جمال و خوبصورتی کی وجہ سے یا دین کی بنا پر۔ لہٰذا تم دیندار کو حاصل کرلو۔

لہٰذا ہم مسلمان خواتین کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کے رشتے طے کرتے وقت زیادہ دیندار کا انتخاب کرنا چاہیے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے اولیاء کی اس جانب رہنمائی فرمائی کہ وہ ایسے لڑکوں کو تلاش کریں جو دیندار اور با اخلاق ہوں۔

لیکن آج ہمارا یہ عالم ہے کہ بجز دینداری کے ہم باقی تمام معیارات کی تلاش میں رہتے ہیں اور اسی لئے موزوں رشتے ملنے میں دقت ہوتی ہے۔

4- نمود و نمائش :-

زندگی کے ہر پہلو میں نمود و نمائش کا رجحان بڑھتا جارہا ہے۔ خصوصاً" ہم خواتین میں لباس' زیبائشی اشیاء اور گھر کے ساز و سامان اور اشیائے تعیش میں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا' مقابلے کا اور نمود و نمائش کا رجحان بری طرح پھیل گیا ہے۔

امام احمدؒ ابو داؤد و نسائی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں "جو شخص ریاکاری کے لئے لباس پہنے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو ذلت و رسوائی کا لباس پہنائیں گے۔"

ریاکاری کے لباس سے مراد یہ ہے کہ انسان قیمتی اور شاندار لباس بڑائی کے اظہار اور فخرو مباہات کے لئے پہنے اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ یہ دکھاوا اور فخرو مباہات تکبر و اکڑ پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تکبر و فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتے۔

اے کاش ہم مسلمان عورتیں سادگی' کفایت شعاری اور میانہ روی کو اپنا شعار بنائیں۔ اور اندھا دھند ملبوسات اور سامان آرائش و سامان تعیش میں ایک دوسرے سے بازی لے جاتے وقت پیغمبرؐ اسلام کی درج بالا حدیث پیش نظر رکھیں۔

5- غیر ضروری رسوم اور

6- زائد از ضرورت اخراجات :-

خصوصاً" شادی بیاہ کے موقع پر ہمارے معاشرے میں غیر ضروری رسوم اور زائد از ضرورت اخراجات کئے جاتے ہیں۔ جبکہ دین اسلام کی تعلیمات کی رو سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے لئے نکاح کی رسم کا ادا کرنا لازمی ہے۔ نکاح اعلانیہ کیا جائے اور پھر دولہا کی طرف سے دعوت ولیمہ ہو۔

لیکن ہمارے معاشرے میں شادی سے متعلقہ غیر ضروری رسمیں بہت رواج پاگئی ہیں۔ مثلاً" منگنی' عید کے تحائف' مایوں' مہندی' دولہا اور اس کے رشتے داروں کے لئے ملبوسات'

جہیز، مرغن کھانے، دھوم دھام، چراغاں اور آتش بازی وغیرہ۔

مایوں اور مہندی کی فضول رسموں میں اتنا غیر ضروری خرچ ہوجاتا ہے کہ اتنی رقم سے کسی یتیم و بے سہارا لڑکی کا گھر بس جائے۔لہٰذا نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہمیں یہ غیر ضروری رسمیں اور ان پر ہونے والے اخراجات فوراً" بند کردینے چاہئیں۔

7- مذہبی تہواروں پر ان کی روح کے منافی رسوم :-

مذہبی تہواروں پر ان کی روح کے منافی رسوم بھی ہماری ثقافت و سماج کی برائیاں بن گئی ہیں۔ مثلاً" شب برات میں عبادت، شب بیداری اور جہنم کی آگ سے برأت طلب کرنے کے بجائے پٹاخے چھوڑنا، حلوے بنانا، کونڈے کرنا، رمضان شریف میں اللہ کی رضا جوئی کے بجائے افطار پارٹیاں، روزہ کشائیوں کا اہتمام کرنا، نیز عید کے لئے ملبوسات، جوتے چوڑیوں کی خریداری کے لئے رمضان کی راتوں میں قرآن پڑھنے اور سننے کے بجائے بازاروں میں پھرنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت منانے کا طریقہ ہونا تو یہ چاہئے کہ ہم ماہ ربیع الاول میں خصوصاً" درود و سلام کثرت سے پڑھیں۔ سیرت مبارکہ کا مطالعہ کریں۔ نبی اکرمؐ کی سنت ہائے مبارکہ کو قائم کریں اور اپنے عمل میں اسوہ حسنہ کو شعار بنائیں اور اس کے بجائے ہم جلوس نکالنے کو کافی سمجھتے ہیں۔اور لنگر لٹا کر رزق کی بے حرمتی کرتے ہیں۔

ہمیں چاہئے کہ مذہبی تہواروں پر ان کی روح کے منافی رسوم کو بالکل ترک کردیں۔

8- ذات پات کی تقسیم اور طبقاتی تقسیم :-

ذات پات، حیثیت اور طبقاتی تقسیم اسلامی اصولوں اور نظریات کے منافی ہے۔ اس لئے کہ اسلام مساوات بھائی چارے کی تلقین کرتا ہے۔ ذات پات اور طبقاتی تقسیم ہی کا بھیانک نتیجہ ہے کہ خاکروبوں کا طبقہ جن کے آباء و اجداد مسلمان تھے عیسائیت اپناتا جارہا ہے۔ لہٰذا ہمیں

اسلامی مساوات و اخوت کو قائم کرنا چاہئے اور معاشرے کے کسی طبقے سے اچھوتوں کا سلوک نہیں کرنا چاہئے۔

9- عصبیت و صوبائیت :-

یہ ہمارے معاشرے کی بہت افسوسناک برائیاں ہیں۔ ہماری روز مرہ کی زندگی میں عصبیت کی لاکھوں مثالیں ہمیں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مثلاً" شہروں میں رہنے والے دیہاتیوں کو کمتر سمجھتے اور دیہاتی شہریوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔

پاکستان میں مختلف مذہبی فرقوں کے افراد اپنے دل میں یہ بات بٹھائے ہوئے ہیں کہ صرف ان کا فرقہ صراط مستقیم پر چل رہا ہے۔ اور قیامت کے دن صرف وہی سرخرو ہوں گے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کی نظر میں فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ اور

"جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں" (حدیث رسولؐ)

عصبیت سے صوبائیت جیسا خطرناک مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ سماجی مسئلہ ہمارے ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچا رہا ہے اور گروہی اختلافات کو پیدا کر کے نفرت و حقارت کے جذبات عوام میں پیدا کر رہا ہے۔

لہٰذا ہم خواتین آپس میں اور اپنے بچوں میں اور اپنے زیر اثر افراد میں منافرت دور کرنے کی شعوری کوشش کریں۔ ایک دوسرے سے محبت کرنا سیکھیں اور سکھائیں اپنے بچوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائیں کہ سندھی، بلوچی، پنجابی، پٹھان اور مہاجر ہم میں سے کوئی نہیں ہے ہم سب پاکستانی ہیں اور ہم سب مسلمان ہیں، صوبائیت کی تنگ و تاریک گھاٹیوں میں گرنے کے بجائے امت مسلمہ سے وابستگی کا احساس ان میں پیدا کریں۔

10- جرائم اور بالخصوص نو عمروں کے جرائم :-

جرائم اور بالخصوص نو عمروں میں جرائم کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے خواتین بحیثیت ماں بالخصوص

اور بحیثیت بیوی، بحیثیت بہن اور بحیثیت بیٹی بالعموم اپنے اپنے گھر کے مردوں میں اللہ حاضری، اللہ ناظری، اللہ معی، یعنی اللہ موجود ہے اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور اللہ میرے ساتھ ہے کا احساس پیدا کریں۔

اور خصوصاً مسلمان ماں اپنے بچوں کی تربیت شعوری طور پر کرے۔ اور یہ یاد رکھے کہ ماں کا کام محض بچوں کو پیدا کر دینا، ان کا پالنا پوسنا ان کو مزے مزے کے کھانے پکا کر کھلا دینا اور ان کو اچھے اچھے کپڑے سی کر پہنا دینا ہی نہیں ہوتا، بلکہ ماں کا اصل کام یہ ہے کہ وہ بچوں تک دین پہنچائے، ان کی اسلامی تعلیم و تربیت کرے ان کو برے بھلے کی تمیز سکھائے اور ادب سکھائے۔ اللہ کا خوف ان میں پیدا کرے۔ اور یہ احساس پیدا کرے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور ایک دن مجھے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے اور اسی طرح جرائم اور خصوصاً نو عمروں میں جرائم کے رجحان کا سدباب ہو سکتا ہے۔

11- والدین اور اولاد کے مابین تعرض :-

صحیح اسلامی تربیت اگر کی جائے تو اولاد اور والدین کے درمیان تعرض پیدا نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسلام نے تربیت اولاد کا جو بار عظیم ہم پر ڈالا ہے ہم اس کا احساس کریں اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو مستقبل کی ماؤں اور باپوں کی حیثیت سے اس بار عظیم کو بخیر و خوبی پورا کرنے کی اہلیت ان میں پیدا کریں۔ اور حقوق العباد اور حقوق و فرائض تعلیمی نصاب میں شامل کریں تاکہ Generation Gap جیسے لادینی مسائل ہمارے معاشرے میں پیدا نہ ہو سکیں۔

12- ویڈیو فلمیں، ڈش انٹینا، ویڈیو گیمز :-

یہ دور جدید کا ایک گمبھیر مسئلہ ہے بظاہر ترقی اور جدید ٹیکنالوجی کے نام سے ویڈیو فلمیں، ڈش انٹینا اور ویڈیو گیمز تیزی سے ہمارے معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں ہم خواتین اپنے گھروں میں ان لعنتوں کے آنے کو روکیں۔ نیز اپنے آپ کو ان تفریحات و تعیشات سے

دور رکھیں تاکہ ہم اپنے بچوں کو ان سے باز رکھ سکیں۔ نیز بچوں میں اسلام اتنا راسخ کردیں کہ وہ لغویات اور لہو لعب سے دور رہنے کو پسند کریں۔

13- رشوت :-

رشوت ایسا زہریلا ناگ ہے جو ہمارے معاشرے کو متواتر ڈس رہا ہے ہم خواتین اگر اپنے شوہر' اپنے بھائیوں' اپنے باپ اور اپنے بیٹوں کی کمائی اور ذریعہ آمدنی کا احتساب کرتی رہیں تو شاید مرد رشوت لینے سے ہاتھ روکیں۔ خواتین قناعت و صبر اختیار کریں کم سے کم معاش کے اندر جینا سیکھ لیں۔ ہوس' افراط' اسراف اور تبذیر سے بچی رہیں تو رشوت لینے والے شوہر' باپ' بھائی اور بیٹے شاید رشوت سے باز رہ سکیں نیز اپنے کام کروانے کے لئے خواہ کتنی تاخیر اور الجھنوں کا سامنا کیوں نہ ہو رشوت دے کر کام نہ کروائیں۔ بلکہ صبر آزما انتظار اور برداشت سے کام لیں۔ یعنی نہ رشوت لینے دیں اور نہ رشوت دیں۔

14- سفارش :-

آج ہمارے معاشرے میں عالم یہ ہے کہ

سو کام سفارش سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں سفارش کا ہے بندہ

سفارش کی بدولت نااہل سب کچھ حاصل کرلیتے ہیں اور اہلیت والے' قابلیت والے بیٹھے رہ جاتے ہیں۔ یہ سراسر غلط ہے' ناانصافی ہے لہٰذا نہ سفارش کرنی چاہئے۔ نہ سفارش کروانی چاہئے۔ او. نہ سفارش پہ کام کرنا چاہئے آج ہم کسی کی حق تلفی کریں گے (سفارش کرکے یا سفارش کرواکے یا سفارش پر کان دھرکے) کل قدرت ہماری حق تلفی کردے گی۔

15- مزاروں کو دودھ سے دھونا :-

اولیاء کرام سے محبت اور ان کی پیروی ان کی تعلیمات اور طریقت سے فیض اٹھانا ایک الگ چیز ہے اور ان کی قبروں کو دودھ سے دھونا ایک غلط رسم ہے بلکہ یہ تمام سچے ولیوں' پیران کامل اور اہل اللہ کی تعلیمات کے برخلاف ہے جس طرح ہم مذہبی تہواروں کو ان کی روح کے منافی رسوم سے مناتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہم بزرگان دین اور اولیاء کرام کی قبور اور مزاروں کو جب دودھ سے اور عرق گلاب سے دھوتے ہیں تو یہ غلط روش قائم کرتے ہیں ان اولیاء کرام اور بزرگان دین کو خراج عقیدت پیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انہوں نے دین کی تبلیغ و ترویج و اشاعت کے لئے اپنی زندگیاں کھپا دیں ہم اس دین پر عمل پیرا ہوجائیں اور ان کے کام اور عمل کو زندہ رکھیں۔

اختتامیہ :-

مجھے احساس ہے کہ ہمارا آج کا معاشرہ بہت زیادہ برائیوں کا شکار ہے۔ اعلیٰ اقدار زوال پذیر ہیں اچھائیوں کا تناسب روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اور برائیوں کا تناسب روز بروز بڑھ رہا ہے معاشرتی انحطاط کا یہ عالم ہے کہ آج ہم نے برائیوں کو برا سمجھنا چھوڑ دیا ہے اور تعلیمات نبویؐ کے مطابق ہم مسلمانوں کی اکثریت ایمان کے ضعیف ترین درجے پر ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ ہے۔

> "تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دے۔ اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو زبان سے اس کا انکار کرے اور یہ بھی نہیں کرسکتا تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

اور آج ہمارا عالم یہ ہے کہ ہم برائیوں کے ایسے طوفان بلاخیز کی زد میں ہیں کہ ہم نے

برائیوں کو دل سے برا سمجھنا بھی چھوڑ دیا ہے اللہ نہ کرے کہ یہ طوفان بلاخیز ہمارے اسلامی کردار کی باقیات کو بھی بہا کر لے جائے اور ہمارے ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کردے اور ہم غفلت سے مصلحت کوشی سے آنکھیں موندے ہی زندگی گزارتے رہیں۔ اے کاش کہ ایمان کے بلند درجوں پر فائز کوئی رہنماء ہمیں جگائے اور کہے کہ۔

"مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے چلا"

اے اللہ کاش کہ یہ رہنماء' یہ مصلح ہمارے قلب کے اندر اترا ہوا سچا ایمان ہو' تیری اور تیرے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت ہو جو ہم سب مسلمانوں کو ہم سب پاکستانیوں کو اور خصوصا" مسلمان خواتین کے دلوں کو بیدار کردے۔ اور ہم اپنی ذات اور اپنے معاشرے کی برائیوں کا انسداد کرسکیں اور مغضوب لوگوں میں ہمارا شمار نہ ہو۔

آمین - ثم - آمین

<===> کتابیات <===>

1- Sociology of Social Problems by laslie Harton

2- معاشرتی مسائل کی عمرانیات از فہمیدہ احمد (پروفیسر)

3- عین الاصابہ

4- موطا۔ از امام مالک

5- عورت از مالک رام

6- ماں، بہن، بیٹی، بیوی از افتخار فریدی

7- عورت کا معاشرتی مقام از اشتیاق دھول

8- تربیت اولاد از احمد علوان (مصر)

9- مضامین قرآن از زاہد ملک

10- مضامین حدیث از زاہد ملک

حصول علم اور مسلمان خواتین
تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں

(یہ مقالہ قومی سیرت کانفرنس 1991ء برائے خواتین' وزارت امور مذہبی اسلام آباد میں پڑھا گیا اور اول انعام کا مستحق قرار پایا)

صلواۃ و سلام ہو شہر علم پر کہ حصول علم خواتین کا استحقاق بن گیا۔ حصول علم اور مسلمان خواتین کے موضوع میں بہت گہرائی ہے۔ اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے قرآن مجید اور احادیث نبویؐ کے مطابق علم کی اہمیت اجاگر کرنا ہوگی نیز یہ تجزیہ بھی ضروری ہے کہ حصول علم مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لئے کیا مختلف اہمیت و افادیت کا حامل ہے؟ نیز کیا حصول علم کا مقصد و منتہا مسلمان مرد کے لئے کچھ اور ہے اور مسلمان خواتین کے لئے حصول علم کا مقصد و مدعا کچھ اور ہے؟ اور موجودہ زمانے کی مسلمان خواتین کے حصول علم کا جائزہ بھی لینا ضروری ہے۔

علم کی اہمیت :-

قرآن حکیم کی 657 آیات میں علم کا تذکرہ ملتا ہے۔ آیات قرانی کی اتنی بڑی تعداد آئینہ دار ہے اس بے اندازہ اہمیت کی جو علیم و بصیر و لطیف و خبیر' حکمت والے اور علام الغیوب اللہ نے علم کو دی ہے۔ علم کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ہمارے نارسا ذہنوں میں درج ذیل آیات ابھرتی ہیں۔

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم کی سب سے پہلی آیت (جس کا نزول ہوا) اور معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے وحی علم کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ سورۃ العلق کی ابتدائی آیات ہیں۔ ترجمہ (1) پڑھیئے! "اپنے رب

کے نام سے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے قطرہ خون سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور تیرا رب عزت والا ہے جس نے قلم کے ذریعے انسانوں کو علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا" ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ "خدا نے سب سے پہلے قلم ہی کو پیدا کیا"۔

اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام انسانوں کے علم سے زیادہ تھا تاہم اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ دعا سکھائی۔

(2) **رب زدنی علما** - "اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما" (قرآن مجید 20-114)

اس دعا کو سکھانے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان ہر وقت اپنے علم میں اضافے کی کوشش میں لگے رہیں اور علم میں اضافے کے لئے دعا بھی کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک علم کے حوالے سے مختلف لوگوں میں فرق پایا جاتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

(3) "اہل علم اور بے علم برابر نہیں ہوسکتے"۔ (قرآن مجید 39-9)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ اہل زر اور بے زر برابر نہیں ہوسکتے۔

وہ آیات قرآنی جن میں لکھنے، پڑھنے، علم سیکھنے کا اور قلم کا تذکرہ ہے وہ عموماً" مکی آیات ہیں اس کے برعکس مدنی آیات میں کام کرنے اور تعمیل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ غور کیجئے۔

(4) "تم کو علم سے تھوڑی سی مقدار دی گئی ہے" (قرآن مجید 17-85)

(5) "اللہ سے اس کے بندوں میں صرف عالم ہی ڈرتے ہیں" (35-28)

(6) "تمہیں وہ چیز سکھائی گئی جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء و اجداد" (6 : 92)

(7) "اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر سات دیگر سمندوں کے ساتھ سیاہی بن جائیں تو بھی خدا کے کلمات ختم نہ ہوسکیں گے" (27:31)

(8) "قسم ہے پہاڑ کی قسم ہے ایک کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے ایک جھلی پر جو پھیلائی گئی ہے" (52 تا 3)

(9) "نون! قسم ہے قلم کی اور اس چیز کی جو وہ لکھتے ہیں"۔ (1:68)

(10) اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور علم والوں کے درجات بلند کرتا ہے" (سورۃ مجادلہ آیت 11)

حضرت ابن عباسؓ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "علم والوں کو عام مسلمانوں پر سات سو (700) درجے زیادہ فضیلت ہے"۔

دراصل پیغمبر کا مبعوث ہونا تعلیم تربیت اور رہنمائی کے لئے ہوتا ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔

اس کی تائید آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً" سورہ بقرہ، سورہ احزاب، سورہ آل عمران اور سورہ جمعہ کی وہ آیات جن میں "یعلمھم الکتاب والحکمۃ" کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی نبی انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حقیقت میں تبلیغ و تعلیم ایک ہی چیز ہیں۔

حصول علم کی فضیلت میں ارشاد نبویؐ :-

حصول علم ہر مسلمان پر فرض ہے اور اس سلسلے میں تعلیمات نبویؐ میں احادیث اور معلم اعظم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثبوت ملتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔

(1) "علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے"۔
یعنی بقدر ضرورت ہر مرد اور عورت پر علم کا حصول واجب ہے۔

(2) "علم حاصل کرو خواہ چین ہی کیوں نہ جانا پڑے"۔

(3) "اسلام میں اس مسلمان کا کوئی مقام نہیں ہے جو نہ استاد ہے اور نہ طالب علم"۔

(4) "علم حاصل کرو مہد سے لحد تک"۔

(5) "میرے بعد سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا وہ شخص ہوگا جس نے علم سیکھا اور اسے اوروں تک پہنچایا"۔

(6) "حصول علم کے لئے اٹھنے والے ہر قدم پر دس نیکیاں ملتی ہیں"۔

(7) "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں علم کو انبیاء کا ورثہ قرار دیا ہے"۔
(صحیح بخاری کتاب العلم)

(8) "اللہ تعالیٰ جس پر رحمت کرنے کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کا علم عطا فرماتا ہے"۔

(9) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ "ایک فقیہہ (عالم دین) شیطان کے مقابلے میں ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے"۔

(10) حضرت انسؓ کہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے گھر سے نکلے وہ جب تک واپس نہ آجائے خدا کی راہ میں ہے"۔

(11) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے"۔

(12) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "جو شخص حصول علم کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستے پر چلاتا ہے۔ طالب علم کی خوشنودی کے لئے فرشتے اس کے پاؤں تلے اپنے پر بچھاتے ہیں"۔

(13) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے قدم تحصیل علم میں خاک آلود ہوئے ہوں خدا اس کے بدن کو دوزخ پر حرام قرار دیتا ہے۔ اس کے دونوں فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اگر طالب علمی میں مرتا ہے تو شہید مرتا ہے اور اس کی قبر باغہائے جنت سے ایک ہوتی ہے خداوند قدوس اس کی قبر کو اتنا وسیع کردیتا ہے کہ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ اور اس کے ہمسائے کی چالیس قبریں دائیں، چالیس بائیں، چالیس پیچھے اور چالیس آگے یعنی سامنے، یہ تمام اس کے علم حاصل کرنے کی وجہ سے روشن ہوجاتی ہیں (مشکوہ شریف)۔

(14) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "علم حاصل کرو اور علم حاصل کرنے کے لئے وقار اور سکون کو سیکھو اور جن سے علم حاصل کرتے ہو ان کے سامنے تواضع اختیار کرو"۔

(16) فرمایا "جس شخص نے علم طلب کیا پھر اسے حاصل کرلیا تو اسے دوہرا اجر ملے گا اور اگر علم حاصل نہ ہو تو اکہرا ثواب ملے گا"۔

(17) ”جس شخص کو اس حال میں موت آئے کہ وہ اس غرض سے علم حاصل کر رہا ہو کہ اس سے اسلام کو تازہ زندگی بخشے تو اس کے اور انبیاء کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا“۔

(18) ”علم کی تحصیل و جستجو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جدوجہد ہے۔ چنانچہ جب طالبان علم پڑھتے ہیں تو رحمت کے فرشتے ان کے لئے اپنے پر کا سایہ دیتے ہیں“۔

(19) ”جس شخص نے ایک اہل علم کی عزت و قدر کی اس نے ستر انبیاء کی عزت کی اور جس شخص نے ایک طالب علم کی عزت کی اس نے ستر شہیدوں کا احترام کیا“۔

(20) جامع ترمذی میں روایت ہے۔

”دنیا ملعون ہے اور ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے سوائے اللہ کے ذکر کے اور جو اس اللہ کا فرماں بردار ہو اور سوائے عالم اور طالب علم کے“۔

(21) ”اللہ اور کے فرشتے اور آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوقات یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنے سوراخوں میں اور مچھلیاں اس کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے“ (اس بھلائی سے مراد علم ہے)۔

حصول علم نفل عبادت پر فضیلت رکھتا ہے :-

(22) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”علم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ چودھویں رات کا چاند ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے“۔

(23) ”اگر تو جا کر علم کا کوئی باب سیکھے تو وہ سو رکعت نفل پڑھنے سے بہتر ہے“۔

(24) ”ایک عالم کی مجلس میں (بغرض علم) حاضر ہونا ہزار رکعت (نفل) پڑھنے، ہزار بیماروں کی عیادت، اور ہزار جنازوں کی شرکت کرنے سے بہتر ہے“۔ کسی نے پوچھا کہ قرآن حکیم کی تلاوت سے بھی بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا ”کیا قرآن علم کے بغیر نفع پہنچا سکتا ہے؟“۔

(25) ”میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں“۔

(26) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو

مجلسوں میں سے گذرے جو مسجد میں منعقد ہوئی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا دو مجلسیں بھلائی پر ہیں لیکن ان میں سے ایک دوسری سے بہتر ہے۔ ان دونوں مجلسوں یا جماعتوں میں سے ایک عبادت میں مصروف ہے اور اللہ سے دعا کررہے ہیں اور اس سے اپنی خواہش و رغبت کا اظہار کررہی ہے اور دوسری جاہلوں کو علم سکھا رہی ہے۔ لہٰذا یہ لوگ بہتر ہیں اور میں بھی معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں" اور یہ کہہ کر آپؐ ان میں بیٹھ گئے۔

حصول علم و حکمت اور مسلمان خواتین :-

(27) آپؐ نے علم و حکمت کو "مومن کی گمشدہ میراث" سے تعبیر کیا اور ہدایت فرمائی کہ جہاں کہیں بھی اسے پاؤ حاصل کرو۔

حکمت کو ایک گمشدہ لعل سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

دراصل حکمت اور سنت بھی منزل من اللہ ہے۔ فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

الا انی اوتیت القران و مثلہ معہ

(28) ترجمہ : خبردار مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے مانند اور بھی عطا کیا گیا۔ مثلاً" معہ کا نام حکمت سنت اور حدیث ہے۔ جسے وحی خفی بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضورؐ کی ازواج مطہرات کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا (قرآن مجید 34:33) ترجمہ

"اے نبی کی بیویو! یاد رکھو اللہ کی آیات اور حکمت کی باتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں"۔

گویا اس آیت سے براہ راست امہات المومنین اور بالواسطہ تمام اہل ایمان خواتین کو علم و حکمت کے حصول کا اور اسے یاد رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میری اس توجیہ کی تائید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے کہ علم و حکمت کی تحصیل کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ

(29) اے عائشہؓ! "علم و قرآن کو اپنا شعار بنا لو"۔

علم کی بابت رسول اکرمؐ کی دعائیں :-

رسول مقبولؐ کی سکھائی ہوئی ایک دعا ہے۔

(30) ترجمہ "میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہوجاؤں"۔ (مشکوۃ - روایت ابوہریرہ و ابن ارقم) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور دعا ہے۔

(31) اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم، رزق طیب اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں"۔

(32) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور دعا ہے جس میں آپؐ نے بے فیض (غیر نافع) علم سے اللہ کی پناہ مانگی ہے۔

علم و حکمت کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے والی آیات ربانی اور احادیث مبارکہ میں سے چند پیش کی گئی ہیں۔ قرآن مبین اور احادیث نبویؐ کے مخاطب اہل ایمان مرد اور خواتین دونوں ہیں۔ گویا متذکرہ بالا یہ آیات و احادیث اہل ایمان مردوں اور اہل ایمان خواتین دونوں کو علم کی اہمیت واضح کرنے، حصول علم کی فضیلت کے بیان میں ہیں۔ جبکہ براہ راست صرف خواتین کو مخاطب کرکے بھی علم و حکمت کی تحصیل پر زور دیا گیا ہے۔ لہٰذا حصول علم کی سعادتیں اور برکتیں حاصل کرنا مسلمان خواتین کا بھی حق ہے۔

حصول علم، مسلمان بچیوں اور مسلمان والدین کا فرض :-

دین اسلام کی تعلیمات کے مطابق لڑکی اور لڑکا دونوں تمہاری اولاد ہیں لہٰذا ان سے یکساں سلوک کرنا چاہئے۔ لہٰذا ان کی تعلیم و تربیت میں بھی کسی قسم کا امتیاز جائز نہیں۔ کوئی شخص عام حالات میں لڑکی کو لڑکے سے کم درجہ دے کر، اس کی تعلیم و تربیت کو نظرانداز کردے یہ اسلامی تعلیمات کی روح کے منافی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک ہے جسے اصحاب سنن اور امام احمد و ابن

حبانؒ نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کے ذریعے روایت کیا ہے۔

"تم اپنی اولاد کے درمیان عدل و مساوات کرو، تم اپنی اولاد میں عدل سے کام لو، تم اپنی اولاد میں عدل و انصاف سے کام لو" لہٰذا اہل ایمان والدین کا یہ شعار ہونا چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کے سلسلے میں عدل و مساوات محبت و الفت شفقت و رحم اور برابری کا برتاؤ کریں تاکہ لڑکے اور لڑکیوں میں کوئی امتیاز اور تفریق نہ برتی جائے۔

رسول کریم محسن نسواں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض احادیث میں لڑکیوں کا خصوصی تذکرہ کیا ہے اور والدین کو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے، ان کی دیکھ بھال، ان کی تعلیم و تربیت کا خاص طور سے نہایت اہتمام کرنے کا حکم دیا اور اس امر کو جنت میں داخلے کا استحقاق قرار دیا تاکہ ایک جانب بچیوں کی صحیح تربیت ہو اور وہ ایسی لڑکیاں بن جائیں جیسی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور جس کا اسلام حکم دیتا ہے۔ اور دوسری جانب مستقبل کی ماؤں کو علم کی روشنی اور تربیت کا فیض حاصل ہو۔ ماں کی گود بچے کی اولین درسگاہ ہوتی ہے اگر ماں خود جہالت کے اندھیرے میں ہو تو وہ اپنی گود میں پلنے والی اولاد کو کیا دے سکے گی؟

حدیث مبارکہ ہے "باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے بہتر عطیہ اچھی تعلیم و تربیت ہے"۔ سنن ترمذی ایک قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنن سعید بن منصور میں ہے " اپنی اولاد اور اہل و عیال کو خیر کی تعلیم دو اور انہیں باادب بناؤ"۔

اسلام تو وہ عظیم الشان دین ہے جو لونڈیوں تک کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کو کار ثواب قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ بخاری کتاب العلم کی اس حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ "اگر کسی شخص کے پاس ایک لونڈی ہو، پھر وہ اسے تعلیم دے اور اچھی تعلیم اور اس کو آداب مجلس سکھائے اور اچھے آداب، پھر آزاد کر کے اس سے نکاح کرے تو اس شخص کے لئے دوہرا اجر ہے"۔

یعنی ایک اجر تو اس بات کا کہ اس نے اسے تعلیم دی اور آداب سکھائے اور دوسرا اجر اس امر کا کہ اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کرلیا اور اس طرح اس کا درجہ بلند کیا۔ پھر بھلا اسلام آزاد لڑکوں اور لڑکیوں کو علم و تعلیم و ادب سے کس طرح محروم رکھنا گوارا کر سکتا ہے۔

بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حصول علم کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ "علم حاصل کرنا ہر ایک مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ قرآن حکیم نے ہر جگہ اعمال صالحہ کے اجر میں عورت کو مرد کے برابر درجہ دیا ہے۔ اس لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ لڑکیوں کی تعلیم کو لڑکوں کی تعلیم سے کم اہمیت دیتا۔ بقائے جسمانی سے زیادہ اہم اور ضروری بقائے روحانی ہے۔ اگر قرآن نے لڑکیوں کے قتل کی اس قدر مذمت کی اور دور جاہلیت کے عربوں کو اس برے کام کے ارتکاب سے روکا تو بھلا وہ ان کے بقائے روحانی کو کیسے نظرانداز کرسکتا تھا۔ یعنی لڑکیوں کو حصول علم اور طلب علم سے محروم رکھنا ان کے روحانی قتل کے مترادف ہے۔ حصول علم سے تو بقائے روحانی حاصل ہوتی ہے لہٰذا اسلام خواتین کے بقائے روحانی کو کیسے نظرانداز کرسکتا تھا یا ان کے لئے طلب علم کے دروازے کیونکر بند کرسکتا تھا بلکہ وہ تو اس کا حکم دیتا ہے اسلام علم کے سیکھنے اور سکھانے کو لازمی اور فرض قرار دیتا ہے۔

امام مسلم حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے' صدقہ جاریہ' یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا ہے یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو"۔

طبرانی معجم کبیر میں علقمہ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر کی اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کی تعریف کی اور پھر فرمایا "ان قوموں کو کیا ہوگیا ہے جو اپنے پڑوسیوں کو سمجھ کی باتیں نہیں سکھاتیں' نہ تعلیم دیتی ہیں اور نہ ان کو نصیحت کرتی ہیں اور نہ روکتی ہیں اور کیا ہوگیا ہے ان قوموں کو جو اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل نہیں کرتیں۔ نہ ان سے سمجھ کی باتیں اخذ کرتی ہیں اور نہ نصیحت حاصل کرتی ہیں۔ خدا کی قسم لوگ اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں اور سمجھ کی باتیں بتلائیں اور ان کو نصیحت کریں اور حکم کریں اور روکیں اور لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کریں۔ سمجھ حاصل کریں۔ نصیحت پکڑیں ورنہ میں ان پر جلد ہی عذاب نازل کردوں گا اور سزا دوں گا"۔ ابن ماجہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"جو شخص کسی ایسے علم کو چھپائے گا جس سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو دین کے معاملے میں نفع پہنچاتے ہوں تو قیامت کے روز اس کو آگ کی لگام پہنائی جائے گی"۔

لہٰذا جب اسلام کی نظر میں طلب علم اور حصول علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور علم کے سیکھنے سکھانے سے اعراض کرنے والے کو شریعت نے سخت تنبیہہ و تہدید کی ہے اور عذاب سے ڈرایا ہے اور علم نافع کے چھپانے والے کو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ لہٰذا کیا یہ سب باتیں اس حقیقت پر دلالت نہیں کرتیں کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو علم کے سیکھنے اور سکھانے کو لازمی اور فرض قرار دیتا ہے۔ لہٰذا اس کا عملی نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں نے تعلیم و تعلیم کی جانب اس طرح توجہ کی جس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

فریضہ حصول علم، فرض عین اور فرض کفائی : حصول علم مسلمانوں کا فریضہ ہے اور اسلام اسے فرض عین اور فرض کفائی میں تقسیم کرتا ہے۔

فریضہ حصول علم - فرض عین یا لازمی تعلیم : اگر تحصیل علم کا تعلق فرد کی روحانی، عقلی اور جسمانی و اخلاقی شخصیت سازی سے ہو تو ایسا علم بقدر ضرورتِ حاجت فرض ہے۔ اور اتنا علم حاصل کرنا سب پر فرض ہے خواہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب غرض کہ امت مسلمہ کے ہر طبقے پر فرض ہے۔ اس اعتبار سے

1- تلاوت کلام پاک یعنی قرآن کریم کا سیکھنا۔

(2) قرآن حکیم کے معانی و مفہوم کا مطالعہ اور

(3) مطالعہ حدیث

(4) عبادات کے احکام

(5) بنیادی اخلاق کے اصول

(6) بنیادی باتیں

(7) حرام و حلال کے مسائل

(8) عمومی صحت سے متعلق قواعد

(9) حقوق العباد۔ فرائض و حقوق کا علم

(10) وہ تمام امور جن کی ضرورت ایک مسلمان کو دین و دنیا کے معاملات کے لئے پڑتی ہے۔ دنیاوی زندگی میں ان سب کا سیکھنا' ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔

حصول علم۔ فرض کفایہ یا اختیاری تعلیم :-

اگر علم کا تعلق زراعت' صنعت' تجارت' طب' انجینئرنگ' بجلی' ایٹم اور دفاع سے ہو یا ان سے متعلق دیگر علوم نافعہ سے ہو تو ایسے علم کا حصول فرض کفایہ ہے۔ اگر مسلمانوں میں بعض افراد اپنے اپنے ذہنی رجحان اور میلان کے مطابق ان میں سے بعض علوم حاصل کرلیں تو سب سے گناہ ساقط ہوجائے گا اور سب کی طرف سے فرض ادا ہوجائے گا۔ اور اگر اسلامی معاشرے میں سے کوئی شخص بھی اسے حاصل نہ کرے تو سب کے سب گنہگار اور اس سلسلے میں جوابدہ ہوں گے۔

حصول علم۔ فرض عین اور مسلمان خواتین :-

علماء اور فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جتنا علم حاصل کرنا فرض عین کے درجے میں ہے اس میں مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ ان علوم کے حاصل کرنے کا عورت کو بھی بالکل اسی طرح حکم ہے جس طرح مردوں کو۔ اور اس کے دو سبب ہیں۔

1- شرعی اور دینی احکامات میں عورت مرد کی طرح ہے۔

2- آخرت میں جزاء و سزا کے اعتبار سے عورت مرد کی طرح ہے۔

اس کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ شرعی احکام و فرائض میں عورت مرد کی طرح ہے تو

وہ اس لئے کہ اسلام نے عورت پر تمام وہ فرائض لازم کئے ہیں اور مرد کی طرح عورت کو بھی ان کا مکلف بنایا ہے۔ جیسے نماز' روزہ' حج' زکواۃ اور نیکی و اطاعت اور عدل و انصاف اور حسن سلوک و احسان اور خرید و فروخت اور رہن اور وکیل بننا بنانا اور اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا اور ان کے علاوہ اور دوسری ذمہ داریاں اور فرائض۔

حصول علم۔ فرض کفایہ اور مسلمان خواتین :-

دیگر علوم نافع میں سے وہ علوم و فنون جو عورت کی جسمانی اور نسوانی طبیعت سے جوڑ نہیں کھاتے یا مطابقت نہیں رکھتے مثلاً" معماری و لوہاری کے فنون یا کمانڈوز کی فوجی تربیت۔ مسلمان خواتین کو ان علوم و فنون کی تربیت دینا مناسب نہیں اور ان کا اختیار کرنا مناسب نہیں۔

حصول علم کے ضمن میں لازمی تعلیم یا فرض عین تو سب مسلمان خواتین کے لئے لازمی اور ضروری ہے اس کے علاوہ غیر معمولی عقل و ذہنی استعداد رکھنے والی خواتین لازمی تعلیم یا فرض عین کے علاوہ اگر دیگر علوم و فنون نافعہ کی تعلیم و تربیت اپنے اپنے میلان طبعی اور ذہنی رجحان کے مطابق حاصل کرنا چاہیں تو اسلام ان کی راہ میں مزاحم نہیں ہے بلکہ یہ ان کے لئے فرض کفایہ ہے۔ بشرطیکہ خواتین ان حدود سے تجاوز نہ کریں جو شریعت نے عورتوں کے لئے مقرر کئے ہیں۔

میں سمجھتی ہوں کہ اگر کسی اسلامی ملک یا کسی اسلامی معاشرے میں' فرض عین کے ضمن میں دی جانے والی تعلیم عام ہو اور معاشرے کا ہر فرد یعنی ہر عورت و مرد اس سے بہرہ مند ہو تو حدود تجاوز کا اندیشہ کم ہوجائے گا۔ اگر آج مسلمانوں کے معاشروں میں خواتین میں سے بعض ان حدود سے تجاوز کرتی ہوئی نظر آتی ہیں تو اس لئے کہ وہ حصول علم کے فرض عین سے محروم ہیں یا محروم رکھی گئی ہیں اور مروجہ طریقہ تعلیم کے مطابق براہ راست فرض کفایہ کے علوم کی تحصیل میں مصروف ہوگئی ہیں۔ کیونکہ ایک صدی پیشتر تو برصغیر کی خواتین عموماً" اور مسلمان خواتین کے لئے خصوصاً" حصول علم کو غیر ضروری خیال کیا جاتا تھا۔ جدیدیت کی یلغار کے باعث

حصول علم کے چرچے ہوئے تو اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں بلکہ مغربیت پرستی کی راہ سے اور اپنے دین کی بنیادی تعلیمات سے بے بہرہ رہتے ہوئے۔ اگر شعوری طور پر ہم اسلام کے نظام تعلیم کو رائج کریں تو آج جو نقائص موجودہ طرز تعلیم کے نتیجے میں پائے جاتے ہیں ان کا ازالہ ہو سکتا ہے۔

حصول علم، مسلمان خواتین اور سنت نبویؐ :-

صحیح بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے لئے کچھ دن مخصوص فرمایا کرتے تھے اور ان میں ان کو وہ باتیں سکھلایا کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتلائی ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ ایک خاتون نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسولؐ مرد تو آپ کی احادیث سن لیتے ہیں آپؐ ہمارے لئے بھی ایک دن مقرر فرما دیجئے جس میں ہم آپؐ کے پاس حاضر ہوا کریں اور آپؐ ہمیں وہ باتیں سکھلایا کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتلائی ہیں" تو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "فلاں فلاں دن اکٹھے ہو جایا کرو"۔

چنانچہ خواتین مقررہ دن حاضر ہوتیں اور آپؐ تعلیم فرمایا کرتے بلکہ عورتوں کی تعلیم کا آغاز آپؐ نے اپنے گھر سے ہی کیا تھا۔ آپ ہی کی تعلیم کی بدولت حضرت عائشہ صدیقہؓ حدیث، فقہ، تفسیر، شعر و ادب کی بڑی عالمہ ہو گئی تھیں اور اس طرح آپؐ کی وفات کے بعد بھی تعلیم کا یہ سرچشمہ جاری رہا۔ ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"آدھا علم عائشہ سے حاصل کرو"

اور بلا ذری کی کتاب "فتوح البلدان" میں لکھا ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ بنت عمر الخطابؓ زمانہ جاہلیت میں ایک عورت عدویہ سے لکھنا سیکھتی تھیں۔ حضرت حفصہ کے ام المومنین بن جانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شفاءؓ سے فرمایا کہ "انہیں تحریر و خط کی باریکی اور صفائی بھی اسی طرح سکھا دو جس طرح انہیں لکھنا سکھایا ہے"۔

حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ فاطمہ بنت خطاب کے لکھے پڑھے ہونے کا ثبوت حضرت عمر فاروقؓ کے

قبول اسلام کے واقعہ کی تفصیل سے ملتا ہے۔ مدینہ میں کاتبان وحی اور محرران مکاتیب کا ایک باقاعدہ عملہ نظر آتا ہے۔ مرد تو مرد خواتین بھی لکھنا پڑھنا سیکھ گئیں تھیں۔

(1) حفصہ بنت عمرؓ (2) ام کلثومؓ بنت عقبہ (3) عائشہؓ بنت سعد (4) کریمہؓ بنت مقدا داؤد حتی کہ قرون اولیٰ میں 1543 خواتین محدث تھیں۔

دور نبویؐ کی مسلمان خواتین اور علوم نافع :-

دور نبویؐ کی خواتین کے عمل و طریق کار سے مندرجہ ذیل علوم نافع کے حصول کا جواز ملتا ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ علم نافع کی تعریف کا تعین کرلیا جائے۔ علم نافع سے مراد ہر وہ علم (عقلی، نقلی، عملی، نظریاتی جس سے بنی نوع انسان کو فائدہ حاصل ہو)۔

(1) حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام ورقہؓ پورے قرآن کی حافظہ تھیںؓ لہٰذا خواتین کے حفظ قرآن کا جواز ملتا ہے۔

(2) علم دین کا حصول : تفسیر، فقہ، حدیث، روایت، افتاء، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر امہات المومنین اور صحابیات ان علوم کی ماہر تھیں۔

(3) تعلیم و تبلیغ (4) فنون کاشتکاری اور کھیتی باڑی

(5) زخمیوں کا علاج، مرہم پٹی دیکھ بھال یعنی میڈیسن، سرجری اور نرسنگ، پیرا میڈیکل اسٹاف کی تربیت و تعلیم۔

(6) فنون حرب و جنگ یا ملٹری سائنس

(7) ذاتی حفاظت اور دفاع کی ٹریننگ Self Defence Training

(8) کتابت و فن خوش نویسی و نقاشی

(9) کھانا پکانا اور غذائیات Cooking and Nutration

(10) کھالوں کی دباغت ام المومنین حضرت سودہ اور ام المومنین حضرت زینبؓ کا مشغلہ تھا۔ گویا Leather Processing کی تعلیم و تربیت جائز ہے۔

(11) آپ نے عورتوں کے لئے چرخہ کا تناسب سے اچھا مشغلہ قرار دیا (جمع الجوامع سیوطی) لہٰذا فنون پارچہ بافی اور ملبوسات سازی Textile and Clothing کا جواز ملتا ہے۔

(12) حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی وسیع تجارت سے Export Import and Trade and Commerce کا جواز ملتا ہے۔

(13) حضرت شفاؓ بنت عبداللہ کے سپرد بازار کا انتظام تھا لہٰذا Marketing Management Business Adminstration کا جواز ملتا ہے۔

(14) فن تقریر و خطابت حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماؓ بنت ابوبکر اور حضرت اسماؓ بنت سکن سے ثابت ہے۔

(15) فن شعر گوئی حضرت عائشہؓ حضرت خنساءؓ وغیرہ سے ثابت ہے لہٰذا شاعری کا جواز ملتا ہے۔

(16) حضرت ام سلمہؓ قرات و تجوید کی ماہر تھیں۔

(17) حضرت ام سلمہؓ حدیث و فقہ کے علاوہ اسرار الدین کا بھی علم رکھتی تھیں اور یہ وہ فن تھا جس کے حضرت ابو حذیفہؓ خصوصی عالم تھے۔

(18) فن تعبیر الرویا میں حضرت اسماء بنت عمیسؓ مہارت رکھتی تھیں۔

(19) خیاطت کپڑے سینے کا فن عام تھا فاطمہؓ بنت شیبا کے حالات سے اس کا پتہ چلتا ہے۔

(20) طبعی علوم یعنی Science علوم نافعہ ہیں یعنی طبیعیات' کیمیا' ریاضی' نباتیات' حیوانیات' جنیات' ارضیات' خورد حیاتیات' انجینئرنگ' ٹیکنالوجی' کمپیوٹرز' ہیئت و فلکیات' جوہری علوم' حفظان صحت و صفائی اور علم البدن وغیرہ۔

(21) سماجی علوم بھی علوم نافعہ ہیں۔ یعنی معاشیات' سیاسیات' نفسیات' عمرانیات' تاریخ' جغرافیہ' بین الاقوامی امور و تعلقات' سماجی بہبود' ابلاغ عامہ' اخلاقیات' قانون' منطق و فلسفہ

بلکہ سماجی علوم خصوصاً" معاشیات' سیاسیات' نفسیات' عمرانیات اور قانون وغیرہ کی تعلیم اور اسلام کے نقطہ نظر سے اس کا مطالعہ انتہائی ضروری اور تقاضائے وقت ہے تاکہ ہم مسلمان اپنے معاشی' سماجی اور سیاسی نظام کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں اور اس سلسلے میں علمی تحقیقات

کے کام میں خواتین بھی قابل قدر حصہ ادا کر سکتی ہیں۔

(22) لسانیات، ادبیات، مختلف زبانوں کے سیکھنے کا جواز بھی دور نبویؐ سے ملتا ہے۔

دور نبویؐ کی مذکورہ بالا تفصیلات و روایات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے لڑکیوں اور خواتین کو علوم نافع اور مفید فنون و دستکاریاں سکھانے کا حکم دیا ہے۔ اگر عورت وہ علوم پڑھے جو اسے دین و دنیا میں فائدہ پہنچائیں تو یہی اسلام کا منشا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ یہ سنت الٰہیہ ہمیشہ جاری رہی کہ جس دور میں جس قسم کے علوم و فنون اور علماء و فضلاء کی ضرورت ہوتی اس میں مردوں کے علاوہ عورتوں کی بھی ایک بڑی تعداد نے پورے نشاط و انبساط کے ساتھ نمایاں خدمات انجام دیں۔

علمی ترقیوں کے اس دور میں مسلمان خواتین کا تمام علوم نافع کا حصول بہت غیر معمولی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔

اگر ہم اپنی نصف آبادی کو ان علوم نافع کی تحصیل سے باز رکھیں تو مغربی دنیا کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی بالاتری جس کی بدولت وہ اسلامی اور مشرقی دنیا پر برتری رکھتے ہیں ہم علوم و تکنیک کے اس مقابلے میں ان کے حریف تو کیا ان سے علوم و تکنیک حاصل کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکیں گے۔ ہمیں اپنی شرح تعلیم کو بڑھانا ہوگا۔ حصول علم کی شرح میں کمی قوموں کے تنزل کا باعث ہوتی ہے۔ عروج کا نہیں۔

حصول علم کے مقاصد اور صنفی تقسیم :-

حصول علم کے مقاصد درج ذیل ہیں:

1- **خدا شناسی یا معرفت رب:** کائنات اور حیات انسانی کی حقیقت کا ادراک و آگاہی حصول علم کا بنیادی مقصد ہے اور یہ مقصد بلا تفریق مرد و عورت سب کے لئے ہے۔ یعنی مرد اور خواتین سب کی تعلیم کا عمومی مقصد ہے۔

2- **خودشناسی یا معرفت نفس: یا تزکیہ نفس:** مزید برآں وہ تمام علوم بھی مسلمان

مردوں اور مسلمان عورتوں دونوں کے لئے ضروری ہیں جو انسان کو انسان بنانے والے' اس کے اخلاق کو سنوارنے والے اور اس کی نظر کو وسیع کرنے والے ہوں اور عام سمجھ بوجھ Common Sence میں اضافہ کرنے والے ہوں اور ایسے علوم اور ایسی تربیت سے آراستہ ہونا ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے لازمی ہے۔ لہٰذا تعلیم کا یا حصول علم کا دوسرا مقصد تزکیہ نفس یعنی شخصیت کا نکھار ہے۔ اور یہ مرد و عورت دونوں کی تعلیم کا مشترکہ اور عموئی مقصد ہے۔

3- احساس و تربیت فرائض منصبی :-

حصول علم کا تیسرا مقصد حیات و کائنات میں اپنے مقام کا شعور' اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کا ادراک اور ان ذمہ داریوں اور فرائض سے بہتر طور پر عہدہ برا ہونے کی تربیت اور صلاحیتوں کا جلاء حصول علم کا تیسرا بنیادی مقصد و مدعا ہے۔ گویا حصول علم کے تیسرے بنیادی مقصد یعنی انسان کو اس کے فرائض منصبی کے لئے تیار کرنا یہی وہ مقصد تعلیم ہے جہاں صنفی تقسیم نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔

مسلمان خواتین کے کردار و حیثیت کا تعین خود قرآن حکیم اور احادیث نبویؐ سے ہوچکا ہے مسلمان خواتین کو جہاد زندگانی میں کیا کردار ادا کرنا ہے؟ ان کے فرائض منصبی کیا ہیں؟ اسلام کی تعلیمات نے پوری وضاحت سے اسے اجاگر کردیا ہے اور کیونکہ اسلام نے مرد و عورت کے دائرہ کار اور فرائض منصبی کو ایک دوسرے سے ممیز و جداگانہ رکھا ہے۔

لہٰذا حصول علم کے اولین دو مقاصد اگرچہ کہ عمومی و مشترکہ ہیں البتہ حصول علم کا تیسرا مقصد مرد و خواتین کی ان کے مخصوص فرائض منصبی کے مطابق ان کی صلاحیتوں کی جلا و نمود ہے۔

لہٰذا حصول علم کے تیسرے مقصد کے اعتبار سے اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم و تربیت وہ ہے جو اس کو ایک بہترین بیوی' بہترین ماں اور بہترین گھر والی بنائے۔ کیونکہ عورت کا

دائرہ عمل گھر ہے۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان علوم کی تعلیم دی جانی چاہئے جو اس دائرے میں اسے زیادہ مفید بناسکتے ہیں۔

عورت کی توجہ کا مرکز اس کا گھر اور بچے ہوتے ہیں لیکن عورت کا دائرہ عمل محض اور صرف گھر تک محدود بھی نہیں ہوتا۔ اور اس حد سے باہر قدم رکھنے کے لئے اسلامی حدود معاشرت سے بھی باہر قدم نکالنا ضروری نہیں ہے اور دور نبویؐ میں پاک نفس خواتین اسلام حدود اللہ کو قائم رکھتے ہوئے، اپنے اولین فرض منصبی کو پورا کرتے ہوئے اس کا عملی نمونہ پیش کرچکی ہیں جس کا اجمالا" ذکر ہوچکا ہے۔

حصول علم کے معاملے میں عورتوں کے ساتھ عملی سلوک :-

حصول علم سے متعلق قرآن مبین اور احادیث نبویؐ کی تعلیمات اور دور نبویؐ کے عمل کو یکسر نظرانداز کر کے نام نہاد مسلمان معاشروں میں خواتین کے لئے حصول علم کے دروازے بند رکھے گئے بلکہ حصول علم کو خواتین کے لئے شجر ممنوعہ خیال گیا۔ جب مغربی دنیا کے اثرات مشرقی دنیا میں در آئے تو مروجہ مغربی تعلیم عام ہونے کے آثار شروع ہوئے اور اس وقت دین کے علمبرداروں نے عورتوں کی تعلیم کو صرف دینیات اور امور خانہ داری تک محدود رکھنے کا اعلان کیا۔ اور علم و دانش کے ایوانوں میں مسلمان خواتین کو قدم رکھنے کی اجازت دینا انہیں گوارا نہ ہوا۔

حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ علماء دین حضرات سوچتے اور سمجھتے کہ مسلمانوں کے انحطاط میں ایک سبب وہ استحصال ہے جو مسلمان عورتوں کا ہوتا رہا۔ خواتین کے تعلیمی حقوق کی پامالی کے باعث مسلمان خواتین رفتہ رفتہ اس کردار عمل سے محروم ہوتی گئیں۔ بحیثیت ماؤں کے ان کا جو کردار ہونا چاہئے تھا اور کیونکہ مسلمان خواتین حصول علم سے محروم رہیں لہٰذا کائنات و حیات اور انسان کی حقیقت سے نابلد و نا آشنا رکھی گئیں۔

(2) انسان کو انسان بنانے والے علم سے محروم رہیں اور شخصی نکھار یعنی تزکیہ نفس سے محروم

رکھی گئیں۔

(3) اپنے فرائض منصبی سے زیادہ بہتر طور پر عہدہ برآ ہونے کی تربیت سے محروم رکھی گئیں۔

اور ان کی گودوں میں پلنے والی نسلیں انحطاط پذیر نسلیں ہوگئیں لہٰذا خواتین کی تعلیم و تربیت زیادہ بہتر طور پر زیادہ سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے۔ آج آپ عورت کو جاہل رکھیں کل ایک جاہل تر نسل آپ کے سامنے ہوگی۔ آج آپ عورت کو عرفان الٰہی عرفان ذات سے محروم رکھیں وہ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں بے حس و بے شعور ہوجائے گی اور نتیجتاً" ملت اسلامیہ سب سے اہم سرمایہ کاری یعنی نئی نسل کو بہتر تعلیم و تربیت میں پیچھے رہ جائے گی۔ اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ اللہ کرے ہم مسلمان، خواتین کے حصول علم کو وہ اہمیت دے سکیں جیسا کہ اسے اہمیت دینے کا حق ہے اور حصول علم کے لئے وہ رویہ اختیار کریں جس کی ترغیب ہمیں قرآن کی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اسلامی معاشرے میں ماں کی حیثیت اور کردار

عربی زبان میں ماں کو "امُ" کہتے ہیں۔ علم اللسانیات کی رو سے امت کا مصدر ام ہے۔ ماں اولاد کو بناتی ہے امت قوم کو کہتے ہیں جس کو پیغمبر بناتے ہیں۔

پیغمبر اسلام حضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف امت مسلمہ کو بنایا ہے، ترتیب دیا، تشکیل دیا۔ بلکہ امہات المومنین کی شکل میں اپنے فیض قربت اور فیض تربیت سے وہ پاک مائیں عطا کیں جن کی سیرتیں تاابد امت مسلمہ کے لئے چراغ راہ ہیں۔ نبی کریمؐ کا مزید احسان یہ ہے کہ ام یعنی ماؤں کی حیثیت کو نہ صرف واضح اور متعین کیا بلکہ ماؤں کے درجے کو نہایت بلند کردیا۔

نسل انسانی کی بقاء کا انحصار ماؤں پر، ماؤں کی مامتا کے جذبے پر ہے۔ اگر مائیں نہ ہوں یا ان میں مامتا کی آگ نہ ہو۔ ماں کے دل کا گداز نہ ہو تو زندگی کا بہتا ہوا دھارا تھم جائے۔

عورت ماں کی حیثیت سے جو دکھ جھیلتی ہے۔ ماں کی حیثیت سے جو کردار ادا کرتی ہے۔ زندگی کے ارتقاء کا منصوبہ اسی کے سہارے پروان چڑھتا ہے۔ کائنات عالم کی خیر و صلاح، فلاح و بقاء کا انحصار صالح ماؤں پر ہی ہے۔

اللہ کا اصل مصدر ولاۃ ہے اس کے معنی وہ جذبہ محبت ہے جو ماں کو اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ ماں کی محبت کو بطور تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جس درجہ محبت رکھتا ہے اس کے بیان کے لئے ماں کی محبت کو تمثیل بناکر ارشاد ہوا کہ اللہ اپنے بندوں پر اس سے ستر گنا زیادہ مہربان اور محبت کرنے والا ہے، جتنی انسان کی ماں اس سے محبت کرتی ہے باپ کی محبت کی مثال نہیں دی گئی۔

ماں کی حیثیت و مقام :-

احترام امومت، شرف امومت : مسجد نبویؐ مدینہ منورہ میں بلی نے بچے بیا دیئے۔ صحابہ

کرام نے مسجد میں گندگی کی احتیاط کے خیال سے بلی کو مار کر نکالنا چاہا۔
حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

"اسے مارو نہیں اب یہ ماں ہو گئی ہے۔"

اللہ اللہ امومت کا یہ احترام امومت کا یہ شرف بلی اگر ماں بن جائے تو میرے اور آپ کے محسن حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔

"اسے مارو نہیں اب یہ ماں ہو گئی ہے۔"

تو بھلا سوچئے' اشرف المخلوقات انسان کی ماں کو عموماً" اور مسلمان ماں کو خصوصاً" پاک پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعلیمات میں کیا درجہ' کیا مقام اور کیا حیثیت عطا ہوئی ہوگی۔

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے مزاج میں عورت کے جذبات کا خصوصاً" جذبات امومت کا کس قدر لحاظ تھا اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوگا کہ آپؐ نے نماز میں تھے کہ کسی خاتون کا بچہ رونے لگا۔ آپؐ نے نماز معمول سے مختصر کردی اور بعد میں فرمایا کہ "میں نے اس کی ماں کا دل نہیں دکھایا۔ (حضرت انسؓ سے مروی ہے)

سورہ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں تاکید کی (خصوصاً" ماں کے سلسلے میں) اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف سہکو اسے شکم میں رکھا اور پھر (اسے دودھ پلاتی رہتی ہے) دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لئے ہم نے اسے نصیحت کی کہ) میرا شکر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا۔"

ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ

"ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرے۔ اس کی ماں نے مشقت اٹھاکر اسے شکم میں رکھا اور مشقت اٹھاکر ہی اس کو جنا اور اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے (15:46)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کلام الٰہی کی سچائیوں کی تشریح و توضیح کرتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر روایت کرتے ہیں۔ ایک صاحب طواف کی حالت میں اپنی ماں کو اٹھائے ہوئے تھے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کیا میں نے ان کا حق ادا کردیا۔" آپؐ نے فرمایا نہیں اور نہ ایک آہ کے برابر بھی (یعنی عورت کو حمل و دردزہ کے وقت جو تکلیف پہنچتی ہے اس میں وہ شدت درد سے جو سانس کھینچتی ہے اس کا بھی حق ادا نہیں کرسکتے)۔

مجمع الزوائد میں حضرت بریدۃ سے مروی ہے ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ ایسی سخت گرمی کے موسم میں کہ اگر اس میں گوشت کا ٹکڑا ڈال دیا جائے تو وہ پک جائے۔ ایسی گرمی میں، میں نے اپنی والدہ کو اپنی گردن پر بٹھا کر سولہ میل سفر کرایا تو کیا اس طرح میں نے ان کا حق خدمت ادا کردیا' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ممکن ہے کہ ان کے دردزہ کے ایک درد کے برابر ہوجائے۔"

اب آیئے چند اور احادیث مبارکہ پر غور کریں۔ فرمایا "بچے کو ماں کا دودھ پلانے میں ہر گھونٹ کے چوسنے پر ایک جان کو موت سے بچانے کا ثواب ملتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جب عورت حاملہ ہوتی ہے تو اسے اللہ کے راستے میں روزہ رکھ کر جہاد کرنے' رات کو عبادت کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ جس طرح بچے کے پیدا ہونے کی تکلیف کو کوئی مخلوق نہیں جان سکتی جو زچہ کو ہوتی ہے اسی طرح اس کے اجر کا احاطہ کرنا بھی مخلوق کی عقل سے باہر ہے اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔"

"حمل سے لے کر دودھ چھڑانے تک بچے کی ماں کو مثل جہاد کرنے والوں کے ثواب ملتا ہے اور اگر اس دوران مرگئی تو اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔"

میرے پیارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"رات کو بچے کے جاگنے سے ماں کو جاگنے پر ستر غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔"

میرا دل چاہتا ہے کہ جب ایک مسلمان لڑکی نکاح کی منزل میں داخل ہو اور اس کے بعد

ماں بننے والی ہو یعنی بحیثیت عورت اپنے عروج و کمال کو پہنچنے والی ہو تو ہمیں چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ احادیث اس تک پہنچادیں۔ فرمایا۔

"جس عورت نے نکاح کیا اور فرض ادا کئے' گناہوں سے پرہیز کئے اس کو نفلی عبادت کا ثواب خدمت شوہر' پرورش اولاد' کاروبار خانہ داری سے ملے گا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں علقمہ نامی ایک نوجوان کا قصہ مشہور ہے کہ ان کی زبان پر کلمہ طیبہ جاری نہ ہوتا تھا۔ جب علقمہ کی ماں کی ناراضی کا علم ہوا تو رسول اکرمؐ نے فرمایا۔

"اس کی ماں کی ناراضی نے اس کی زبان کو کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینے سے روک دیا ہے۔"

نبی کریمؐ نے علقمہ کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا۔ "اے مہاجرین اور انصار کی جماعت جو شخص بھی اپنی بیوی کو اپنی ماں پر ترجیح دے تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور نہ اس کی نفلی عبادت قبول ہوگی اور نہ فرض۔ ان احادیث سے ماں کی حیثیت' درجہ و مرتبہ واضح ہوجاتا ہے۔

بیوہ ماں کا مقام و مرتبہ :-

یتیمی کو اللہ نے اپنی کتاب میں بے کسی' غربت' کمزوری اور کسمپرسی کا عظیم مقام دیا ہے۔ اس کا دنیا میں بیشتر سہارا عورت یعنی بیوہ ماں' ہی رہی۔

اگرچہ اسلام کے دین فطرت ہونے کے باعث پیغمبر اسلام نے بیوہ عورت کو نکاح ثانی کرنے کی تاکید فرمائی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ

"اپنی بیوہ عورتوں اور رنڈوے مردوں کے نکاح کرو۔"

جب عورت ماں بن جاتی ہے تو عموماً" ممتا کا جذبہ دیگر تمام جذبات پر حاوی ہوجاتا ہے۔ لہٰذا جو بیوہ عورت ماں کی حیثیت سے بچوں کی پرورش کی خاطر نکاح ثانی نہ کرنا چاہے اور اپنے

یتیم بچوں کی پرورش اور نگہداشت میں تکالیف اٹھائے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وجھلسے گالوں والی قیامت کے روز میرے ساتھ اس طرح ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں انگلیاں ملا کر دکھائیں۔ یعنی آپؐ نے ایسی عورت کو جنت کی بشارت دی۔ جس نے بیوہ ہونے کی صورت میں بچوں کی پرورش کو نکاح ثانی پر ترجیح دی"۔

بعض محدثین کے مطابق اس حدیث کا بیان اس طرح ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو عورت ذی مرتبہ اور خوبصورت ہونے کے باوجود اپنے یتیم بچوں کی تربیت و پرورش کی خاطر نکاح نہ کرے وہ عورت قیامت کے دن میرے قریب مثل ان دو انگلیوں کے ہوگی۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

"قیامت کے دن سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھولوں گا تو دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے۔ میں اس سے پوچھوں گا کہ تو کون ہے وہ کہے گی کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں جس کے چند بچے یتیم تھے۔" (ابو داوًد)

ماں کو ولی کی حیثیت حاصل ہے :-

ماں کو اولاد کی ولایت کا حق اسلام نے ہمیشہ سے دیا ہے۔ جبکہ نام نہاد ترقی یافتہ معاشرے میں ماں کو یہ حق ولایت چند دہائی پہلے تک بھی نہ دے سکے تھے۔

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس میں اور اس کے پیاروں میں جدائی ڈالے۔

دربار نبویؐ کے فیصلوں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضانت کے بارے میں آپؐ کے احکام کی رو سے ماں بچے کی زیادہ حقدار ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ ایک عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دے

دی اور چاہا کہ اس کا بچہ چھین لے تو وہ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا "یا رسول اللہ میرا پیٹ اس بچے کی قرار گاہ تھا۔ اس کے باپ نے مجھ کو طلاق دے دی اور چاہتا ہے کہ اس کو مجھ سے چھین لے۔ آپؐ نے فرمایا تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب تک تو نکاح نہ کرے۔

ایک صحابیہ کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی اور بچہ لے لینا چاہا۔ تو ان صحابیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "بچے کا ظرف میرا پیٹ، اور میری چھاتی اس کا مشکیزہ میری گود اس کا گہوارہ، اس کا باپ مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ حضورؐ نے فیصلہ فرمایا "جب تک تم دوسرا نکاح نہ کرو تم ہی اس بچے کی مستحق ہو۔"

ماں کو وارث کی حیثیت حاصل ہے :-

اسلام سے پہلے دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اولاد ہی وارث قرار دی گئی تھی۔ اسلام نے والدین کو وارث کی حیثیت دے کر انقلابی قدم اٹھایا۔ ماں بچوں کی وراثت میں حق رکھتی ہے اور ماں باپ کو وارث کی حیثیت بھی حاصل ہے۔

اسلامی معاشرے میں ماں کی حیثیت :-

پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ اور اس کے رسول کے بعد سب سے زیادہ عزت، قدردانی، خدمت اور حسن سلوک کی مستحق ماں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

1- ماں کی خدمت کو جہاد پر ترجیح دی۔

2- اولاد کے لئے ماں کی خدمت کا اجر حج و جہاد کے اجر سے افضل قرار دیا۔

3- ماں کی حیثیت میں اولاد کے حسن سلوک کا سب سے زیادہ استحقاق ماں کو حاصل ہے بلکہ باپ کے مقابلے میں تین گنا۔ (بخاری۔ کتاب الادب)

نبی کریم نے یہاں تک فرما دیا۔

"جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" اسی طرح حضرت فاطمہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ماں کے قدموں سے چمٹ جاؤ کیونکہ جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے۔"

جب ماں کے قدموں کے نیچے جنت (تمام تر حیات دنیاوی کی نیکو کاری کی جزا) جیسی نعمت ہے۔ بھلا سوچئے قدموں کا جب یہ درجہ ہے تو ماں، مقدس اور عظیم ماں کا کیا مرتبہ و حیثیت ہوگی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے مرتبے اور حیثیت کو کتنا بلند کردیا۔ کاش ہم مسلمان مائیں سمجھ سکیں۔

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

"اور حرام کی اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی"

اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کردی" (بخاری، کتاب الادب)

ماں کا بلند مرتبہ :-

اللہ اور اس کے رسولؐ نے ماں کو عزت، عصمت، شرافت و نجابت کے اس بلند درجے پر فائز کردیا کہ دنیاوی اور دینی اعتبار سے بلند تر مرتبے والے مرد و زن بھی ماں کے محتاج ہیں۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی والدہ کے انتقال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اے موسیٰ خبردار آج وہ ہستی اس دنیا میں نہیں رہی جو تیرے لئے دعا کرتی تھی۔"

اللہ کی خوشی ماں کی خوشی میں ہے۔

ماں کا کردار :-

ماں کو یہ اعلیٰ مرتبت حیثیت دراصل اس کے کردار کی بدولت عطا ہوئی ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ "عورت کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ تربیت و پرورش اور تعلیم کے اعتبار سے اعلیٰ درجے کی ماں ثابت ہو۔"

ماں کے کردار میں بنیادی اہمیت پرورش و تربیت کا اہم ترین کام اگرچہ ماں اور باپ دونوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ لیکن اس کا بارگراں یا اس کا زیادہ بوجھ ماں کے نازک شانوں پر ہوتا ہے کیونکہ۔

اول تو مرد اپنی گوں ناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے اولاد کی دیکھ بھال میں اتنا وقت صرف نہیں کرسکتا جتنا عورت کرسکتی ہے۔

دوم حصول معاش کی ذمہ داری مرد کی ہے اور پرورش اولاد کی ذمہ داری عورت کی ہے۔ حصول معاش کی ذمہ داری نبھانے اور گھر سے باہر کی دشوار دنیا سے مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوی الاعضاء بنایا اور مرد کو قوامیت کا درجہ دیا۔ جبکہ عورت کو پرورش و تربیت اولاد اور امور خانہ داری کی ذمہ داری سپرد کی۔ اور اس ذمہ داری سے عہدہ براء ہونے کے لئے عورت کے دل میں مرد کے دل سے زیادہ محبت' احساس' گداز اور ممتا پیدا کی۔ قربانی و ایثار کا جذبہ عطا ہوا۔ قوت برداشت دی۔ اور یوں فطرت نے' احسن الخالقین نے عورت کو ماں کے منصب عالی پر فائز ہونے کی مطلوبہ صفات سے موصوف کردیا۔

عورت کو وہ قوتیں عطا ہوئی ہیں۔ وہ صفات ودیعت ہوئی ہیں وہ نفسیات ملی ہے جو ماں بننے کے لئے درکار ہوتی ہیں۔ فطرت نے عورت کو ماں بننے کے لئے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا اسے صبر و تحمل بخشا اس کے مزاج میں نرمی پیدا کی۔ اسے وہ الوہی جذبہ دیا جسے ممتا کہتے ہیں۔ اگر ماں ان خوبیوں سے متصف نہ ہوتی تو ہم اور آپ پل کر بخیریت جوان نہ ہوسکتے۔

مسلمان ماں کو اللہ نے سوز دل عطا کیا۔ اسے صاحبہ مہر و وفا کیا خود اپنی جنبش مژگاں عطا کی۔ مسلمان ماں کے پہلو میں بصد تمکین و ناز الوہیت کے سینے سے گداز منتقل کیا۔ کبھی نہ مرنے والا مادرانہ ذوق عطا ہوا۔

اسی باعث دین فطرت اسلام مرد و زن کی تقسیم کو ختم کرنے کے در پے نہیں بلکہ اسے

قائم و برقرار رکھنے اور عورت و مرد کے جداگانہ دائرہ کار پر زور دیتا ہے۔

گھر اور خاندان دراصل انسان سازی کے کارخانے ہیں۔ انسان سازی کے یہ کارخانے تمام تر اشیائے صرف اور اشیائے سرمایہ کے پیداواری یونٹوں سے زیادہ اہم ہیں۔ انسان سازی کے ان کارخانوں کے عاملین پیداوار کا تجزیہ کریں تو ان میں عاملین پیداوار چار ہیں۔ (1) زمین (2) محنت (3) سرمایہ اور (4) تنظیم۔

زمین :-

ماں زمین ہے جس سے نونہال پیدا ہوتے ہیں اور وہ اپنے خون جگر سے ان کی آبیاری کرتی ہے۔

محنت :-

ماں کی محنت، محنت شاقہ ہے۔ ماں کی دن رات بلکہ لمحے لمحے کی محنت ہے جو وہ حمل، رضاعت کے زمانے سے لے کر اولاد کے جوان رعنا بننے تک سرشاری سے انجام دیتی ہے۔

سرمایہ :-

باپ کی وہ کمائی ہے جو اولاد کی ضروریات پوری کرنے ان کو آسائشیں فراہم کرنے اور ان کو دولت علم سے آراستہ کرنے پر لگائی جاتی ہے اور یہی سب سے نفع بخش سرمایہ کاری ہے۔

تنظیم :-

ماں کی امور خانہ داری اور شوہر سے سازگاری کے لئے نظم و ضبط ہے۔ گھروں کو منظّم رکھنے کے لئے اولاد و والدین کے حقوق و فرائض کی ادائیگی، حفظ مراتب کا لحاظ اس کی بنیادی

تنظیم ہے۔ اس تجزیئے سے واضح ہوتا ہے کہ :

انسان سازی کے ان کارخانوں میں 3/4 حصہ ماں کا ہوتا ہے اور 1/4 حصہ باپ کا۔

اور انسان سازی کے ان کارخانوں کے لئے جن صفات نفسیات اور قابلیت کی ضرورت ہے' اس کی اعلیٰ ترین اہلیت عورت میں پیدا کی گئی ہے۔

عورت کے حسن ظاہری سے زیادہ اس کی فطرت کی گہرائیوں میں سوز و تپش' عفت و ایثار کے جوہر مخفی ہیں اور جب شاعر مشرق' شاعر اسلام یہ فرماتے ہیں کہ

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

تو اس سے مراد عورت کی فطرت میں بحیثیت ماں جو سوز و تپش' عفت و ایثار کے جواہر مخفی ہیں انہی کی طرف اشارہ ہے۔

بقائے نسل انسانی کے لئے اپنا خون جگر صرف کرنے والی اور تربیت و پرورش اولاد میں مصروف ایثار و قربانی کے جذبے سے سرشار ماں' ماں کا گداز اور سوز و تپش رکھنے والی ہستی ہی دراصل تصویر کائنات میں رنگ بھرتی ہے۔

مثالی کردار :-

ملت ابراہیمی کی تاریخ دعوت کی بنیاد حضرت ہاجرہ ہیں۔ بحیثیت ماں..... ان کا کردار قابل غور ہے۔

مرکز توحید بیت اللہ لحرام کے بنانے اور بسانے والے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام میں کارفرما دل و نظر..... حضرت ہاجرہ کے توکل علی اللہ اور مساعی و جدوجہد۔ سے فیضیاب ہوا۔

حضرت ہاجرہ کا اللہ پر توکل مسلمان ماں کے کردار کے لئے مثال ہے۔ اور حضرت ہاجرہ کا اپنے صاحبزادے کے لئے تلاش آب میں سرگردانی اور وارفتگی سے سعی و کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں اس حد تک پسندیدہ ہوئی کہ سعی کا عمل عمرہ و حج کے مناسک میں ابدالاباد تک کے لئے شامل

ہوا۔

یہ ایک عورت کی' ایک ماں کی سنت ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مسلمان عورت اور خصوصاً مسلمان ماں کے طرز عمل اور کردار کا عنوان بن گئی ہے۔ (1) مسلمان ماں کو اللہ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے اپنی اولاد کی فلاح و صلاح کے لئے ہر ممکن جدوجہد کرنی ہے۔ یہی اس کا کردار عمل ہے۔ (2) ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نے بطریق احسن اپنی بیٹیوں کی تربیت کی۔

3- ماؤں کے لئے مکمل ترین نمونہ عمل و کردار حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو براہ راست نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے تربیت حاصل ہوئی۔ اور بقول علامہ اقبال :

"دنیا میں صرف ایک ہی ذات گرامی ایسی ہوئی ہے جس نے عورت کی فطرت کو کامل طور پر پہچانا ہے وہ ذات فداہ ابی و امی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے"

لہٰذا کردار و اسوہ بتولؓ بلاشبہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

مادراں را اسوہ کامل بتول

سینہ اطفال میں مسلمان ماں کی تربیت روح پاک پیدا کرتی ہے۔

اپنی عظمت کو ذرا اپنی نگاہوں سے بھی دیکھ
تیرے جلوؤں سے ہے معمور ضمیر انسان
برف تو برف ہے پتھر بھی پگھل سکتے ہیں
تو جو بیدار کرے آتش قلب سوزاں

4- تاریخ اسلام میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماؓ بھی مثالی ماں ہیں۔

تربیت اولاد میں ماں کا کردار :-

سورہ تحریم میں ارشاد خداوندی ہے۔ ترجمہ

"اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"۔ جب نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول ہم اپنے آپ کو تو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے کیونکر بچائیں؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انہیں ان کاموں (اوامر) کے کرنے کا حکم دو جن سے اللہ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں (نواہی) سے باز رکھو جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس آیت کے مخاطب اہل ایمان مردوں کے ساتھ ساتھ اہل ایمان خواتین بھی ہیں۔

اولاد کی تربیت میں ماں کا کردار نہ صرف شامل ہے بلکہ اولاد کی تربیت کا فریضہ بڑی حد تک ماں کی ذمہ داری ہے جیسا کہ حدیث نبویؐ سے ثابت ہے۔

"مرد اپنے گھر کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں بازپرس ہوگی اور عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس ہوگی۔" (بخاری و مسلم)

تربیت اولاد ایک امانت ہے اور ماں اس امانت کی بڑی ذمہ دار اور بڑی حصہ دار ہے۔ اسی لئے کسی عرب شاعر نے کہا ہے۔

ترجمہ : "ماں درحقیقت ایک مدرسہ ہے اگر تم نے اسے تیار کرلیا تو تم نے ایک پاک صاف قوم کو تیار کرلیا۔"

اسی لئے ذمہ داری اور مسئولیت کے سلسلے میں باپ کی طرح ماں بھی مسئول ہے اور ذمہ دار ہے۔ بلکہ ماں کی ذمہ داری زیادہ اہم اور نازک ہے۔ اس لئے کہ ماں تو زمانہ حمل، پیدائش، رضاعت، بچپن، لڑکپن حتی کہ جوان ہونے تک بچے کے ساتھ ساتھ رہتی ہے اور وہ اس وقت تک پرورش کرتی رہتی ہے۔ اور اپنے کردار و عمل سے اثر انداز ہوتی رہتی ہے جب تک کہ بچہ جوان ہو کر ذمہ داریاں اٹھانے والا فرد نہ بن جائے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئول اور ذمہ دار کی حیثیت سے ماں کا مستقل تذکرہ کیا ہے۔

چند احادیث اور پیش کر رہی ہوں۔

1- "اپنے بچوں کو ادب سکھاؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو" (ابن ماجہ)

2- "اپنے بچوں کو اور گھر والوں کو خیر کی تعلیم دو اور ان کو ادب سکھاؤ" (عبدالرزاق و سعید بن منصور)

3- "اپنی اولاد کو شریعت کے احکامات پر عمل کرنے اور ممنوع چیزوں سے بچنے کا حکم دو۔ اس لئے کہ یہ ان کے لئے جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔" (ابن جریر)

4- اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ' اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت' ان کے اہل بیت سے محبت اور قرآن کریم کی تلاوت' اس لئے قرآن کریم کے حاملین اس دن اللہ کے عرش کے سایہ میں ہوں گے جس دن اس کے عرش کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔" الطبرانی

5- "انسان اپنے بیٹے کو ادب سکھائے یہ ایک صاع صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔"

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو فطرتاً توحید اور ایمان باللہ پر پیدا ہوتا ہے ارشاد ربانی ہے۔ ترجمہ آیت 30' سورہ الروم

"اللہ کی اس فطرت کا اتباع کرو جس پر اس نے انسان کو پیدا کیا۔ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں۔"

امام بخاری "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

"ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین یا اسے یہودی بناتے ہیں یا نصرانی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔"

پس اگر ماں باپ صالح مسلمان ہوں گے تو وہ اپنے بچوں کا صالح مسلمان بنائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ صالح ماؤں سے صالح اولاد تربیت پا کر نکلتی ہے۔ اور اولاد کی اصلاح کا مدار ماں کی ذاتی اصلاح پر ہے۔

کسی عربی شاعر کا شعر ہے۔

وهل یرجی لاطفال کمال اذا ارتضعوا ثدی الناقصات

ترجمہ : اور کیا ان بچوں سے کسی کمال کی توقع رکھی جاسکتی ہے، جنہوں نے ناقص عورتوں کا دودھ پیا ہو۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

"بچہ اپنے والدین کے پاس ایک امانت ہوتا ہے اور اس کا پاکیزہ دل ایک نفیس جوہر موتی کی طرح ہے۔ چنانچہ اگر اسے خیر کا عادی بنایا جائے اور بھلے کام سکھائے جائیں تو انہیں سیکھتا ہوا بڑھتا پلتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں خوش نصیب رہتا ہے اگر اسے برے کاموں کا عادی بنایا جائے اور جانوروں کی طرح مہمل چھوڑ دیا جائے تو بدبخت بن جاتا ہے اور ہلاک ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت کا طریقہ یہ ہے کہ اسے علم و ادب سکھایا جائے۔ مہذب بنایا جائے اور اچھے اخلاق سکھائے جائیں۔

معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے۔ خاندان ہے، گھروں کا ماحول پاکیزہ اور اعلیٰ اقدار کا حامل ہو تو گویا معاشرے کی ہر اکائی بذات خود بہتر، ستھری اور پاکیزہ ہوگی اور اسی طرح ایک مثالی معاشرہ وجود میں آئے گا۔

افراد معاشرہ کے بنانے یا بگاڑنے میں کیونکہ ماں کا کردار بہت اہم ہے۔ اسی لئے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ :

"عورتیں ریاست کا ستون ہوتی ہیں اگر وہ اچھی ہیں تو ریاست بھی اچھی ہوگی اگر وہ خراب ہیں تو ریاست بھی خراب ہوگی۔"

بقول شاعر

درحقیقت قوم کی کشتی کی باں ہے تو
تیری آغوش محبت درس گاہ قوم ہے

عصر جدید اور مسلم خواتین کے حقوق و فرائض

زمانہ ایک' حیات ایک' کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری قصہ جدید و قدیم

زمانہ ایک ہے' حیات ایک ہے' کائنات ایک ہے' اس میں جدت و قدامت کا فرق فقط کم نظری کا باعث ہو سکتا ہے' بادی النظر میں نہیں۔

زمانہ ایک ہے' حیات ایک ہے' اور یہی سبب ہے کہ دستور حیات اور آئین حیات ایک ہے۔ یعنی دین اسلام' اسلام وہ دین ہے' وہ نظریہ حیات ہے جو ہمیشہ کے لئے ہے۔ چودہ سو سال پہلے جو دین نظریہ حیات اور طرز زندگی ہدایت پانے والوں کے لئے' ایمان لانے والوں کے لئے' حقیقی کامیابی حاصل کرنے والوں کے لئے' اللہ علیم و بصیر نے جناب ختم المرتبت و نبوت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بنی نوع انسان کے لئے مکمل فرما دیا اور جس کو ہمارے لئے پسند فرما دیا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تھا' ہے' اور رہے گا۔ وہ عصر قدیم کے لئے بھی تھا اور عصر جدید کے لئے بھی ہے' اور آنے والے مستقبل کے تمام ز ں کے لئے ہے۔

تغیرات تمدن اور خواتین کے حقوق و فرائض :-

البتہ ہر دور کے' ہر زمانے کے مسلمان علماء کا فرض ہے کہ وہ مادی تغیرات اور تمدنی تغیرات کے ساتھ ساتھ' اطاعت و فرمانبرداری کی روح کو زندہ رکھتے ہوئے تعلیمات و ہدایات کے عملی انضباط و اطلاق کے واسطے اجتہاد کو کام میں لائیں۔ تحقیق و تدقیق کرتے رہیں' اور اسلام کی' اطاعت کی بنیادی روح کو قائم و برقرار رکھتے ہوئے' بدلتے ہوئے حالات اور زمانوں کے تقاضوں کے مطابق تشریح و توضیح کرتے رہیں۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے' لہٰذا اس میں یہ لچک اجتہاد کی شکل میں موجود ہے' اور اس کو کام میں لانا علمائے وقت کا فرض اور ذمہ داری ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع کی روشنی میں

مقررہ شرائط کے مطابق استنباط و استخراج کے طریقے پر شرعی احکام و قوانین کی تجدید کے لئے علمی کاوش کو اجتہاد کہتے ہیں۔

عام شہری کی حیثیت سے مسلمان خواتین کے حقوق :-

اسلامی ریاست میں مرد شہریوں کو جو حقوق حاصل ہیں' وہی حقوق خواتین کو بھی حاصل ہیں۔ بحیثیت شہری' مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے حقوق میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

اسلام کی عطا :-

البتہ اسلام کا نظریہ حیات "مساوات مرد و زن" کے مغربی تصور جدید سے جداگانہ تصور رکھتا ہے۔ کیونکہ دین فطرت کے مطابق مرد و عورت کا دائرہ کار جداگانہ ہے۔ طبعی رجحانات و میلانات جدا جدا ہیں۔ مرد و عورت کی داخلی شخصیات اور خارجی شخصیات جدا جدا اور ایک دوسرے سے مختلف پیدا کی گئی ہیں۔

مساوات مرد و زن کا نعرہ نام نہاد ترقی پسندی کی عطا ہے۔ عصر حاضر کی پیداوار ہے۔ جبکہ اسلام نے چودہ صدیوں پیشتر مسلمان خواتین کو دیگر تمام مذاہب و نظریات حیات سے زیادہ بلکہ بھرپور حقوق اور خواتین کی ذات کو اور مفادات کو تحفظ عطا کیا تھا۔ اسلام کی یہ عطا ماضی کے دیگر مذاہب و نظریات حیات سے بھی بالاتر تھی اور نام نہاد آزادی نسواں اور مساوات مرد و زن کے تصور جدید سے بھی کہیں زیادہ بالاتر اور بھرپور ترین حقوق عورت کو عطا کرتی ہے۔ البتہ المیہ یہ ہے کہ قرون اولیٰ کی مسلمان خواتین یعنی امہات المومنین' صحابیات و تابعیات اور دیگر بنات اسلام کے بعد مسلمان خواتین کی اکثریت اور خصوصاً برصغیر کی خواتین کی اکثریت کیونکہ رفتہ رفتہ علم و فضل سے' صلاح و فلاح سے دور ہوتی گئی۔ لہٰذا اسلام نے مسلمان خواتین کو جو حقوق عطا فرمائے ہیں ان کا حساس و شعور بھی مٹتا گیا۔

ہندو سماج سے قریب تر رہنے کے اثرات بھی دور غلامی اور کم علمی کے اس ماحول میں

مسلمانان برصغیر کے ذہنوں پر اثرانداز ہوئے۔ خصوصاً" ہندو سماج میں عورت کی بے وقعتی' خواتین اسلام کے تشخص کو فراموش کروانے کا باعث بنی۔

قحط الرجال اور قحط النساء کے اس دور میں یہ اسلام کا طفیل ہی ہے' اسلام کی برکات اور اسلام کی تعلیمات ہی ہیں کہ مسلمان ماؤں کے بطن سے اور ان کے فیض تربیت سے اولیائے کرام' علمائے دین اور زعماء پیدا ہوئے' اور ایسے ایسے بطل جلیل پیدا ہوئے جن کی کاوشوں نے دلوں کی دنیا میں ایمان کا شعلہ سرد نہ ہونے دیا۔ پھر تقریباً" نصف صدی سے برصغیر کی مسلمان خواتین میں جدید مغربی تعلیم کے حصول کا رجحان پیدا ہوا۔ اور جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ مغربی نظریات بھی در آئے۔ دینی تعلیم کو خیرباد کہہ کر گذشتہ پچاس ساٹھ سال سے مسلمان لڑکیوں کو قرآن حکیم ناظرہ پڑھا دینا کافی سمجھا جانے لگا۔ اور حتی المقدور مغربی تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا جانے لگا۔ نتیجہ ظاہر ہے' نام نہاد اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی' خواتین کی نمائندہ جماعت بن کر ابھریں۔

افسوس کہ پاکستانی خواتین کی اکثریت بے علم' ان پڑھ اور دیہاتی ہے۔ یا واجبی سی دنیاوی تعلیم ان کے پاس ہے' یا پھر وہ خواتین جو اعلیٰ تعلیم سے بہرہ مند ہیں یعنی یونیورسٹیوں کی ڈگری یافتہ ہیں لیکن ان سب خواتین میں دینی تعلیم کا فقدان عام ہے۔ وہ تعلیم جو مسلمان خواتین کو "نازن" نہ بنائے بلکہ مسلمان خواتین کے جوہر اور کردار ان میں پیدا کرے۔ آج اس سے مسلمان خواتین نابلد ہیں' محروم ہیں۔ ہماری مائیں اور ہماری ماؤں کی مائیں اگرچہ دنیاوی تعلیم میں ڈگری ہولڈر نہیں تھیں اور دینی احکامات پر زیادہ بہتر کاربند تھیں۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہم مسلمان خواتین کو دین کا علم نہیں ہے۔ جب دین کا علم نہیں ہے تو دین نے جو حقوق ہمیں عطا کئے ہیں' ان حقوق کا شعور ہمیں کیونکر ہوسکتا ہے۔ جب حقوق کا علم اور حقوق کا شعور ہی نہ ہو تو حقوق کا مطالبہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ اس کے برعکس ہم خواتین میں ملکی آبادی کا تقریباً" ڈیڑھ فیصد حصہ جو نام نہاد تعلیم یافتہ طبقہ ہے' ذرائع ابلاغ کی وساطت سے آزادی نسواں اور مساوات مرد و زن کا مغربی تصور ان تک پہنچ چکا ہے (بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے مسلمان

خواتین کو تعلیم و تعلم کے ذریعے باقاعدہ منصوبے کے تحت دین سے دور کرنے کے لئے کام کیا ہے۔ لہٰذا ہم مسلمان خواتین نے بھی اہل مغرب کی دیکھا دیکھی شاہراہوں پر آزادی نسواں کا مطالبہ شروع کردیا۔ مرد و زون کی مساوات کے مغربی تصور کا پرچار شروع کردیا۔

آج اگر اقوام متحدہ کسی سال کو خواتین کا عالمی سال قرار دیتی ہے تو ہم اس امر کو تحسین کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہم اس حقیقت سے بیگانہ بنے بیٹھے ہیں کہ اسلام نے خواتین کے حقوق کی ادائیگی کو اتنا مقدم قرار دیا کہ بیٹی کی حیثیت سے حسن سلوک کا بدلہ جنت میں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت' بہن کی حیثیت سے مشفقانہ سلوک کا بدلہ جنت میں برکات لامحدود کا باعث' بیوی کی حیثیت سے حسن سلوک کا بدلہ' دنیا میں بھی بھلائی کی سند اور آخرت میں بھی بھلائی کا ذریعہ' ماں کی حیثیت سے خدمت' احترام اور حسن سلوک کے بدلے رضائے الٰہی اور جنت کا حصول' کیونکہ ماں تو وہ ہستی ہے جنت جس کے پیروں تلے ہے۔

غرض یہ کہ عورت کے یہ چار اہم روپ ہیں' اور ان میں سے ہر روپ میں عورت کے حقوق کی ادائیگی دنیا و آخرت کی بھلائی کا باعث بنتی ہے۔ یعنی اسلام فقط ایک سال کو خواتین کا عالمی سال قرار نہیں دیتا' بلکہ دونوں جہاں کی زندگی کی بھلائی خواتین کے حقوق کی پاسداری اور ادائیگی میں پوشیدہ کردی گئی ہے کیونکہ دراصل یہی اللہ کا حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور قول ہے کہ "اے لوگو! عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔"

لیکن وائے افسوس کہ ہم اپنے ماضی سے' اپنے اصل سے' اپنے اسلاف سے بیگانہ ہیں۔ ہم امہات المومنین' بنات طاہرات' صحابیات' تابعیات اور تبع تابعیات کے کردار اور سیرت سے لاعلم ہیں۔ ایمان جو کردار عطا کرتا ہے' غیر اللہ سے جو بے نیازی سکھاتا ہے' خدمت' ایثار' قربانی' اعلیٰ ہمتی اور بلند نظری کی جو صفات پیدا کرتا ہے' راضی برضائے الٰہی کی جو روح پیدا کرتا ہے' اس کے عملی نمونوں سے' روشنی کے ان میناروں سے منہ پھیرے ہم مانگے کے ٹمٹماتے چراغوں اور موہوم اجالوں کو تک رہے ہیں۔ ان موہوم اجالوں کو حاصل کرنے کے لئے' ان سے روشنی کی بھیک مانگنے کے لئے ان کے عبرت انگیز تجربوں کو دہرانے کے لئے ہم سرگرداں ہیں۔

ہم مسلمان خواتین اپنی چشم بصیرت اگر وا کر لیں تو ہمیں اپنی امت کی ماؤں سے' اپنی پاک نفس خواتین سے' وہ کردار مل جائے جس میں دین و دنیا کی فلاح ہے۔ اگر گہرائی و گیرائی سے تجزیہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آج کی تعلیم یافتہ مسلمان خواتین میں مغرب کی مساوات مرد و زن کے نظریئے اور آزادی نسواں کی تحاریک کی حمایت کا جذبہ اس لئے پروان چڑھتا ہے کہ جو حقوق ان کو اسلام نے عطا کئے ہیں' جس مرتبے اور جس درجے کی وہ حقدار بنائی گئی ہیں' جس رویئے اور حسن سلوک کی وہ مستحق ہیں' اس سے وہ نہ صرف یہ کہ لاعلم رکھی جاتی ہیں بلکہ ان حقوق سے وہ ناآشنا بھی ہیں' اور محروم بھی۔ اس موقع پر مجھے علامہ اقبال کے ایک شعر میں تصرف کرنے دیجئے۔

وہ فریب خوردہ عورت جو پلی جہالتوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہیں وہ مراتب نسائی

لہٰذا مسلمان خواتین اسلام کے عطا کردہ "صحیح مقام" اور "صحیح حقوق" سے کیونکر محروم کی جاتی ہیں' یہاں تک کہ حصول علم کے حق سے بھی ان کے باپ' دادا نے ان کو محروم رکھا۔ لہٰذا دین اسلام کے عطا کردہ حقوق کے متعلق علم و معلومات ہی انہیں حاصل نہیں۔ نیز اسلام کے خود ساختہ ٹھیکے داروں نے "عورت کو جاہل رکھو اور اس پر حکومت کرو" کی پالیسی کیونکر ماضی میں اختیار کی تھی۔ یہ تو رفتہ رفتہ حالات نے کروٹ لی اور مسلمانوں کی بیٹیوں نے مغربی علوم حاصل کرنے شروع کئے تو مغرب سے بلند ہونے والی آزادی نسواں کے نعرے انہیں بہت پرکشش معلوم ہوئے۔

آج جب چالیس پچاس سال سے عورت تعلیم کے میدان میں ہے تو اس میں اتنی بالغ نظری پیدا ہو چکی ہے اور اس کے ذہن و خیال کو اتنی پختگی مل چکی ہے کہ مغرب کے آزادی نسواں اور مساوات مرد و زن کے نظریہ کی فریب کاری اس پر آشکارا ہو چکی ہے۔ آج کی مسلمان عورت دینی تعلیم سے اگرچہ صحیح معنوں میں بہرہ ور نہیں لیکن دنیاوی تعلیم سے اس کے ذہن کے دریچے اتنے وا ضرور ہو چکے ہیں کہ وہ اپنے دین' اپنے ایمان اور اسلام نے عورت کو جو

مقام عطا کیا ہے' جو حقوق دیئے ہیں۔ ان کا نہ صرف یہ کہ گہرائی سے مطالعہ کرنا چاہتی ہے بلکہ ان حقوق کا علم بلند کرتی ہے' ان حقوق کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اگر ایسا ہوجائے اور کاش کہ ایسا ہوجائے تو کوئی اسلامی معاشرہ فقط "مرد کا ساختہ" معاشرہ نہ بن سکے گا' بلکہ وہ معاشرہ بن جائے گا جو مرد و زن کا یکساں احترام کرتا ہو۔ مرد و زن کی یکساں فضیلت کا قائل ہو اور اس معاشرے کے تمام افراد اللہ کی رضا اور خوشنودی کے مطابق زندگی گزارتے ہوں اور اس معاشرے کے تمام افراد "و سئلوا اللہ من فضلہ" یعنی اللہ سے اس کی بخشش اور فضل میں سے حصہ مانگیں گے۔ مرد و زن کی وہ مساوات جو اسلام تسلیم کرتا ہو کچھ یوں ہے۔ سورہ آل عمران (ترجمہ) "میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ وہ عمل کرنے والا مرد ہو خواہ عورت' تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔"

اس آیت مبارکہ کے ترجمے سے واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے دو بنیادی کردار مرد و عورت ہیں اور یہ ایک دوسرے ہی میں سے ہیں۔ گو کہ مرد و عورت کی جسمانی ساخت میں اختلاف ہے۔ ان کی نفسیاتی کیفیات مختلف ہیں۔ یہ اختلافات علیم و بصیر اور حکمت والے خالق نے بے پناہ حکمتوں کے باعث رکھے ہیں۔ اس کے باوجود خالق جو ہر چیز پر قادر ہے' فرماتا ہے کہ انسان ہونے کے ناطے سے مرد و زن ایک دوسرے کی جنس ہیں۔ وہ اللہ جو عظیم اور سب سے اکبر ہے۔ مرد و زن دونوں کو ایک ہی طرح نوازتا ہے اور مرد و زن دونوں کو دینی اور اخلاقی اعتبارات سے جداگانہ اور مستقل تشخص عطا کرتا ہے۔ اور وہ اپنی اپنی شخصیت اور اپنے اپنے عمل کے ذمہ دار ہیں۔ سورہ احزاب میں اسی حقیقت کی مزید وضاحت ہے۔ ترجمہ : "بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں' ایمان والے اور ایمان والیاں ہیں' مطیع فرمان ہیں' راست گو اور راست باز ہیں' صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں' اللہ کے آگے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں اور صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں' اللہ نے ان (مردوں اور عورتوں) کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔" دینی اور اخلاقی مساوات کو یہاں کس قدر دلکش اور جامع اسلوب سے اجاگر کیا گیا ہے۔ جتنے اور جو اعلیٰ اوصاف مسلمان مرد میں ہوسکتے ہیں'

اور وہی اعلیٰ اوصاف سے متصف مسلمان خواتین بھی ہوسکتی ہیں۔ اس لحاظ سے ان میں کوئی تفاوت و امتیاز نہیں ہے۔ دینی' اخلاقی اور روحانی بلند تر درجات اور مقامات عالیہ مرد و زن کے لئے یکساں ہیں' اور یہ آیت دینی' اخلاقی اور روحانی لحاظ سے مرد و زن کے یکساں تشخص اور مکمل مساوات کی دلیل ہے۔ اسی طرح سورہ النساء کی آیت 32 میں فرمایا گیا ہے۔ ترجمہ: "اور اللہ نے مرد و عورت میں سے ایک دوسرے کو جو فضیلت دی ہے اس کے لئے ارمان نہ کرو' مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے' اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں سے حصہ مانگو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔"
اس آیت کے مفہوم سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قدرت کی طرف سے مرد و عورت دونوں کو جن جداگانہ خصوصیات سے نوازا گیا ہے' اوصاف نسوانی یا اوصاف مردانہ میں فضیلت اور برتری کا پہلو کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دونوں متصف ہیں' دونوں کو خصوصیات عطا ہوئی ہیں۔ کچھ اوصاف مرد کو عطا ہوئے ہیں' اور کچھ خواتین کو۔ لیکن فضیلت فضیلت میں فرق ہے۔ لہٰذا یہ تمنا نہ کرو کہ جو فضیلتیں فطرت کے اصول کے مطابق دی گئی ہیں ان میں مساوات اور یکسانیت ہو۔ ایک دوسرے پر رشک نہ کرو' بلکہ ہر ایک اپنی اپنی نعمتوں کے حصے پر قانع اور شکر گذار رہے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ مزید یہ واضح کیا گیا ہے کہ نیکی اور بدی کی کمائی کرنے میں مرد و عورت بالکلیہ آزاد ہیں۔ گویا دینی' اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مرد کی طرح عورت کا بھی مکمل جداگانہ تشخص ہے۔

غرض کہ خصوصیات اور صلاحیتوں کے فرق و امتیاز کے باعث ان میں سے کسی کو بھی نہ فخر و غرور کی اجازت ہے' نہ اپنے آپ کو یا دوسرے فریق کو حقیر سمجھنا زیب دیتا ہے اور نہ ایک دوسرے پر رشک کرنا جائز ہے۔ بلکہ مرد و عورت دونوں کو اپنی اپنی خصوصیات کی قدر کرنی چاہئے۔ ان صلاحیتوں اور خصوصیات کو کام میں لاکر اپنی بھرپور استعداد سے معاشرے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ اس حقیقت کی ایک بہت بڑی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک واقعے سے ملتی ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے عورتوں نے بھیجا ہے' ان کی جانب سے عرض کرنے آئی ہوں' عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپؐ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی' گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ' جماعت' جنازہ' جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھربار کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں۔ تو کیا اجر میں بھی ان کے ساتھ ہم کو حصہ ملے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ "تم نے ان سے بھی زیادہ کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے؟" تمام صحابہؓ نے اقرار کیا کہ نہیں یا رسول اللہؐ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا " اے اسماءؓ میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا' اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں۔"

حضرت اسماءؓ یہ سن کر خوشی خوشی واپس چلی گئیں۔

نیز سورہ النساء کی اس آیت پر غور کیجئے۔ ترجمہ: "اللہ نے تم سب کو ایک نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ مرد جیسے عمل کریں اس کا پھل وہ پائیں گے اور عورتیں جیسے عمل کریں' ان کا پھل وہ پائیں گی۔" اس آیت سے واضح ہوجاتا ہے کہ اسلام نے عورت کو کمتر' ناقص العقل' حقیر اور نجس وجود گردانئے والے تمام جاہلانہ اور قدیم تصورات کو رد کردیا۔ اسلام نے واضح کیا کہ جس نفس واحدہ سے مرد وجود میں آیا اسی سے عورت بھی وجود میں آئی ہے۔ لہٰذا انسانی معاشرے کا جس طرح ایک اہم رکن مرد ہے اسی طرح اسلامی معاشرے کی دوسری اہم رکن عورت ہے۔

انسانی معاشرے کے وجود' بقا' تسلسل میں مرد و عورت کا کردار و حصہ برابر برابر ہے' البتہ

خصوصیات اور صلاحیتیں جدا جدا عطا ہوئی ہیں، اور نوع انسانی کی بقاء کا انحصار اس بات پر ہے کہ دونوں کے درمیان مستقل اور پائیدار تعاون ہو۔ اس لئے بتایا گیا کہ باہمی حقوق کے لحاظ سے دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔

مندرجہ بالا آیات قرآنی اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ بطور انسان، مرد و زون کی کامل مساوات کو اسلام تسلیم کرتا ہے۔ اور کسی پہلو سے بھی مرد کے لئے کسی قسم کی ترجیح یا بالاتری تسلیم کرنے کا روادار نہیں۔ دینی اور اخلاقی سطح پر مرد و عورت بالکل برابر ہیں، لیکن قانونی طور پر یہ مساوات قائم نہیں رہتی۔ اگرچہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ

1- اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا۔ یعنی Legal Status دیا ہے۔ (وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے اس کو حق ملکیت بھی حاصل ہے، اور اس پر تصرف کا اختیار بھی) لیکن قانونی طور پر مرد و زن کی یہ مساوات قائم نہیں رہتی۔ اس ضمن میں قرآن مجید سے دو باتیں نمایاں طور پر ثابت ہیں۔ (1) اسلام نے عورتوں کا وراثت میں حق رکھا ہے، اور ان کو حصہ دیا ہے، لیکن برابر نہیں۔ بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کا حصہ آدھا ہے۔ سورہ النساء میں ارشاد ہے، ترجمہ: "اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں ہدایت کرتا ہے کہ مردوں کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔" اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کا حصہ آدھا ہے۔ عورت کو جو حق وراثت دیا گیا ہے وہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہے اور اس کا سبب با آسانی سمجھ میں آجاتا ہے وہ یہ کہ اسلام معاشی کفالت کا تمام بوجھ مرد کے کندھوں پر ڈالتا ہے۔ لہٰذا وراثت میں اس کا عورت کے مقابلے میں دوہرا حصہ رکھا گیا ہے۔

2- شہادت کا نصاب دو مرد یا اک مرد اور دو عورتیں :-

قرآن کا شہادت یا گواہی کے متعلق قانون یہ ہے کہ شہادت کا نصاب دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے مساوی شمار کی جائے گی۔ سورہ بقرہ آیت 282 ترجمہ: "اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو" اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک

مرد اور دو عورتیں۔ جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو' تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلاسکے۔ "مرد بھی بھول سکتا ہے لیکن بھول کا زیادہ امکان عورت کے بارے میں ہے۔ مرد و عورت کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اس کی فطرت کی ساخت بھی اسی کی بنائی ہوئی ہے۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ ملک میں ارشاد فرمایا۔ ترجمہ : "کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ درآں حالیکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے۔" ہمیں تسلیم ہے کہ مندرجہ بالا آیات صریحہ وہ حقائق ہیں جو مرد و عورت کے قانونی تشخص میں تفاوت اور فرق امتیاز کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اگر وراثت اور قانون شہادت میں عورت کا تشخص آدھا رکھا گیا ہے تو کیا حق زیست میں بھی عورت کا تشخص مرد کے مقابلے میں آدھا ثابت ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہمیں یہ سچائی لکھنے کا حوصلہ اور یہ سچائی سننے و ماننے کی تاب ہونی چاہئے کہ ہمارے معاشرے کے مرد حضرات خواہ جدید تعلیم یافتہ ہوں یا علوم دینیہ سے فیضیاب یا دونوں قسم کی تعلیم سے محروم' ہمارے مرد حضرات عورت کو ناقص العقل کہتے اور سمجھتے ہیں اور عورت کو اپنے سے کمتر اور کم اہل خیال کرتے ہیں۔ اور ہم عورتیں اگر یہ اصرار کریں کہ ہمیں وراثت میں برابر کا حق چاہئے' یا ہماری گواہی (شہادت) ایک مرد کی گواہی یا شہادت کے برابر تسلیم کیجئے تو یقیناً" یہ کھلا گناہ ہوا ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تقسیم میراث اور قانون شہادت تو ہمیں دل و جان سے تسلیم ہے اور ان کا اطلاق تو زندگی میں کبھی کبھار ہی ہوتا ہے۔ آپ روز مرہ کی زندگی میں عملی طور پر عورتوں کو ناقص العقل حقیر اور کم اہل کیوں خیال کرتے ہیں۔ اور اس طرح ان تمام آیات قرآنی کی عملی تکذیب کے مرتکب ہوتے ہیں جن کو میں نے اس عنوان کے تحت پیش کیا ہے مرد و زن کی وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے۔ اب آیئے عورتوں کے حقوق کو مزید زیر بحث لائیں تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ عورتوں کی چار حیثیتیں اور روپ ہوتے ہیں۔

عورت بحیثیت ماں کے حقوق :-

والدین کے ساتھ حسن سلوک' ادب' احترام اور اوامر میں ان کی فرمانبرداری کی تاکید کے

لئے قرآن و سنت میں بے مثال احکامات دیئے گئے ہیں۔ سورہ بقرہ، سورۃ نساء، سورۃ انعام، سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ العنکبوت، سورۃ احقاف میں یہ احکامات مختلف اسالیب میں ملتے ہیں۔ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا ذکر ہے، ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے۔ سورۃ لقمان کی اس آیت کے اسلوب سے واضح ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے۔ ترجمہ: "اور حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے انسان کو اپنے والدین کے حق کو پہنچاننے کی تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاتے ہوئے اور کمزوری پر کمزوری جھیل کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔ دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے) اس کو نصیحت کی کہ میرا شکر کرو اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔

حدیث سے اس فوقیت کو واضح کردیا کہ حسن سلوک کا یہ حق باپ کے مقابلے میں ماں کا کم سے کم تین گنا ہے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ احترام و تکریم کی مستحق ماں ہے، پھر یہ حدیث بھی بہت مشہور ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ " جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔" **صحیحین** (بخاری و مسلم) کی مزید ایک روایت ہے "حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کر دی۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دوران حمل وضع حمل اور رضاعت کے دوران اور بچے کی تربیت میں عورت بحیثیت ماں جو خاص تکلیف اور خاص مشقت اٹھاتی ہے اور جس درد و کرب سے اس کو سابقہ پیش آتا ہے، وہ خواتین ہی کا حصہ ہے اس کا تصور بھی مردوں کے لئے ممکن نہیں۔ اس معاملے میں عورت مرد پر فضیلت رکھتی ہے اللہ تعالیٰ نے عورت کی جسمانی و نفسیاتی ساخت میں درد و تکلیف کو جھیلنے اور برداشت کرنے کی صلاحیت و قوت مرد کے مقابلے میں زیادہ رکھی ہے۔ جذبات امومت کا احترام، رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت ملتا ہے پھر یہ کہ عورت ماں کے علاوہ بیوی، بیٹی، بہن ہر روپ میں ہر حیثیت سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہے لہٰذا ان تمام اعتبارات سے احترام و تکریم فرمانبرداری اور حسن سلوک کے معاملے میں ماں کے حقوق باپ کے مقابلے میں تین

درجے مقدم رکھے گئے ہیں۔

اسلامی قانون کے اعتبار سے اولاد باپ کی ہے ماں کی نہیں' طلاق کی صورت میں اولاد پر ماں کا کوئی قانونی استحقاق (CLAIM) نہیں ہے' وہ والد کی ہے' یعنی قانون کے معاملے میں مرد کو بحیثیت باپ اولیت اور افضلیت حاصل ہے' اخلاقی معاملہ یہ ہے کہ توازن پیدا کرنے کے لئے' حسن سلوک' ادب و احترام اور خدمت میں ماں کو تین درجے مقدم اور افضل رکھ دیا گیا اور جنت ماں کے قدموں کے نیچے رکھ دی گئی۔ قانونی اعتبار سے اگر مرد کو قانونی تشخص نہ دیا جائے تو خاندانی نظام ہمواری سے نہیں چل سکتا اس میں خلل واقع ہوگا۔ خاندانی نظام کو مضبوط اور مستحکم بنانا ہے' لیکن اگر قانونی اعتبار سے مرد کو بحیثیت باپ اختیار دے دیا گیا تو اس کی تلافی کرنے اور متوازن رکھنے کا اخلاقی سطح پر پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔

عورت بحیثیت بیٹی :-

امام مسلمؒ نے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئیں گے جیسے میرے ہاتھ کی دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔"

حضرت انسؓ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے موقع پر اپنی انگشت شہادت کو ساتھ والی انگشت سے ملا کر دکھایا' صحیح مسلم میں بھی یہ روایت ہے "جس کے یہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے یہی لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔"

یعنی بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ حسن سلوک' خوش دلی اور شفقت و محبت کے ساتھ اُن کی پرورش جہنم سے نجات اور جنت کی نوید ہے۔ بیٹیوں کے ساتھ محبت و شفقت اور عزت و احترام کا معاملہ جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کرکے دکھایا۔

عورت بحیثیت شریک حیات :-

جس طرح قانون کے معاملے میں والد کو اور حسن سلوک کے معاملے میں والدہ کو فوقیت حاصل ہے۔ یہی صورت حال اسلام کے عائلی نظام میں شوہر اور بیوی کے معاملے میں نظر آتی ہے۔ عورت بھی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حقوق رکھتی ہے اور اس کے حقوق بھی اسی طرح قطعی اور واجب الادا ہیں جس طرح مرد کے حقوق قطعی اور واجب الادا ہیں۔ البتہ مردوں کے لئے ان کے اوپر ایک درجہ ترجیح کا ہے۔ سورہ بقرہ میں آیت نمبر 228 میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'

ترجمہ: "عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ (ترجیح کا) حاصل ہے اور (سب پر) اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔"

حقوق و فرائض کا ایک توازن بھی اس آیت میں بیان ہوگیا اور مرد کی فضیلت اور ترجیح اور درجہ بندی بھی ظاہر ہوگئی۔ ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کردی گئی ہے کہ حقوق و فرائض کے ضوابط کی صحیح ادائیگی کی نگرانی کے لئے زبردست قدرت والا اور کامل حکمت کے ساتھ درجہ بندی کرنے والا اللہ ہے۔ گویا یہاں پیشگی ایک رہنماء اصول بیان کردیا گیا اس کے بعد عائلی زندگی کے لئے بنیادی اصول دیا گیا۔ سورۃ النساء آیت نمبر 34-

ترجمہ: "اور مردوں کو عورتوں پر قوام بنایا گیا۔ اس سبب سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر (بعض اعتبارات سے) فضیلت دی اور یہ (قوامیت و فضیلت) اس سبب اور بنا پر (بھی ہے) کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

قوام کے لفظ کے ماہرین لغت عربی نے جو معنی بتائے ہیں وہ رائی محافظ' حاکم اور کفیل کے ہیں لہٰذا لفظ قوام کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ شخص جو عائلی نظام کے معاملات کو صحیح اور درست طور پر چلائے اور اس کی حفاظت اور نگہداشت کرے اور اس کی حاجات و ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔ قوام کے لفظ نے مرد کی حیثیت نگران و نگہبان اور حاکم کی قرار دے دی۔

قوامیت کی پہلی اساس :-

تخلیقی صلاحیت و فضیلت جو اللہ نے مردوں کو عورتوں پر دی ہے' جسمانی قوت' توانائی' بھاگ دوڑ کی صلاحیت' اختراع و ایجاد کا جوہر' حکمرانی و جہانبانی کا حوصلہ' جنگ و جدال کا داعیہ' عزیمت کا وصف وغیرہ وغیرہ۔

دوسری اساس :-

قوامیت کی دوسری اساس یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت قوامیت کا دوسرا حصہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ خاندان یعنی بیوی بچوں کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔

1- نان و نفقہ عورت کا حق ہے' اور مرد کا فرض' عورت پر یہ بوجھ نہیں ڈالا گیا۔

2- مہر مرد ادا کرتا ہے۔ عورت کا حق ہے' عورت یا اس کے خاندان پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

3- شادی کی خوشی میں دعوت ولیمہ کرنا مرد کے ذمہ ہے یا لڑکے کے گھر والوں کے ذمہ ہے۔ لڑکی والوں پر اس قسم کا کوئی بوجھ اسلام نہیں ڈالتا۔

4- تمام سامان امور خانہ داری کی فراہمی بھی لڑکے یا اس کے خاندان والوں کی ذمہ داری ہے۔ لڑکی والے اس سے بری ہیں۔ جہیز اور شادی کی دعوت کی رسوم ہمارے معاشرے میں رائج ہیں یہ سراسر غیر اسلامی ہیں۔ غیر اسلامی مطالبات کرنے والے مرد حضرات قوامیت کے دعوے کرنے میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟ یا خواتین سے ملازمت کروانے والے شوہر "قوامیت" کے کتنے اہل ہیں؟ کیا کبھی ان مردوں نے یہ سوچا ہے؟ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اور ہمارے معاشرے کے غیر اسلامی معمولات ہیں' جو ہمارا موضوع نہیں۔

آیئے بات کریں اس موضوع پر کہ مرد کی قوامیت بہرحال تسلیم شدہ ہے۔ لیکن حکمت ملاحظہ کیجئے کہ جہاں قانونی طور پر مرد کو قوام بنا دیا گیا' وہاں اخلاقی سطح پر بیوی سے حسن سلوک

کی اتنی تاکید فرمائی گئی کہ اس مختصر سے مقالے میں ان تمام احادیث کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ بہر کیف میں چند احادیث پیش کر رہی ہوں تاکہ وہ توازن واضح ہو جائے جو اخلاقی حیثیت سے نبی اکرمؐ نے قائم فرمایا تھا تاکہ "قوام" ہونے کے باوجود مرد اپنی بیویوں پر ظلم تعدی اور زیادتی سے اجتناب کریں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں سے حسن سلوک کی جتنی تاکید فرمائی تھی اس کا اندازہ خود حضورؐ کی اس حدیث سے ہو سکتا ہے، جس میں آپؐ فرماتے ہیں "جبرئیل نے مجھے عورتوں کے بارے میں اتنی شدت سے احکام دیئے کہ میں نے خیال کیا کہ کہیں طلاق کی حرمت ہی کا حکم نہ لے آئیں۔"

قرآنی تعلیم یہ ہے کہ اگر شوہر کو اپنی بیوی سے نفرت اور کراہیت ہو تو بھی وہ ان منفی جذبات کو غالب نہ آنے دے اور حسب سابق اس سے نیک سلوک کرتا رہے۔ جیسا کہ ارشادٌ باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: "اپنی بیویوں سے نیک سلوک کرو اگر کسی وجہ سے تمہاری طبیعت ان سے برگشتہ ہونے لگے تو نفرت کے اس جذبے کو ختم کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز سے نفرت کرتے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں تمہارے لئے بھلائی مقدر کی ہو۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی صاحب ایمان مرد اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے اگر اس کی کوئی عادت اسے ناپسند ہو تو ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسری خصلت اسے پسند آجائے۔" قوام کے معنی محافظ کے ہیں اور کیونکہ ایک اور جگہ بھی قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: "عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔" لباس اور پردہ پوشی کے لئے ہوتا ہے۔ مرد عورت کا محافظ ہے۔ عورت مرد کے نفس کی گناہ سے محافظت کرتی ہے۔ مرد عورت کے نفس کی گناہ سے محافظت کرتا ہے اور بیرونی دنیا سے بھی محافظت کرتا ہے۔ یعنی مرد کی محافظت کا رول دگنا ہے۔

دراصل محسن نسواں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عورتوں کو ایسا رحیم و شفیق اور حامی مل گیا تھا کہ اگر ان پر ذرا سی بھی زیادتی ہوتی تو وہ شکایت لے کر بے تکلف حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس دوڑی جاتی تھیں اور مرد اس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی بیویوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے جانے کا موقع نہ مل جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ "جب تک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے ہم اپنی عورتوں سے بات کرنے میں احتیاط کرتے تھے کہ مبادا ہمارے حق میں کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔ جب حضورؐ نے وفات پائی تو ہم نے کھل کر بات کرنی شروع کی۔"

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہے اور تم میں سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہترین ہوں۔"

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لوگو جان لو کہ) "تم میں سے بہتر وہ ہے کہ جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو (اور جان لو کہ) تم میں سے سب سے بہتر گھر والوں سے حسن سلوک کرنے والا میں خود ہوں۔"

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں پر دست درازی کرنے کی عام ممانعت فرمادی تھی۔ ایک روایت میں جو سنن ابو داؤد میں ہے اسی بات کو ایک منفی اسلوب سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا "آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے پاس ستر عورتوں نے چکر لگایا ہے۔ ہر عورت اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی (میں تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں) جن لوگوں کی شکایت آئی ہے وہ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔"

عصر حاضر میں ہمارے معاشرے میں بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کا پلڑا ہلکا ہوگیا ہے۔ شوہر اپنی "قوامیت" کے مظاہرے کے لئے تو ہر وقت آمادہ نظر آتے ہیں' لیکن حسن سلوک کے معاملے میں تہی دست ہیں اگر مردوں کے طرز عمل کی وجہ سے خواتین کے اخلاقی حقوق کی جو اللہ نے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے ہیں رعایت اور پاسداری نہیں کی تو خواتین کے ردعمل اور اس کے نتیجے میں جو برائی جنم لے گی' اللہ کی عدالت میں مرد اس کے ذمہ دار ہوں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پہلے فرمایا "میں تمہیں نازک آبگینوں کے بارے میں وصیت کرتا ہوں یعنی خواتین کے بارے میں، تم میں سے بہتر وہ ہے جو ان کے ساتھ عزت و تکریم کے ساتھ رہنے والا ہو اور تم میں سے بدبخت وہ ہے جو ان کے ساتھ اہانت سے پیش آتا ہو۔"

عورت کے معاشی حقوق :-

(الف) حق میراث، (ب) حق مہر، (ج) حق نفقہ

اسلام عورت کو وراثت کے نہایت وسیع حقوق دیتا ہے۔ باپ سے، شوہر سے، اولاد سے اور دوسرے قریبی رشتہ داروں سے اس کو وراثت ملتی ہے۔ وراثت میں اگرچہ عورت کا حصہ مرد کے حصے کے نصف رکھا گیا ہے، پھر بھی بحیثیت مجموعی عورت خسارے میں نہیں رہتی۔ نیز اسے نفقہ اور مہر کے حقوق حاصل ہیں جن سے مرد محروم ہے۔ مہر اس رقم یا مال کو کہتے ہیں جو مرد اپنی منکوحہ کو بطور ہدیہ دیتا ہے۔ اور مہر اس لئے ہوتا ہے کہ عورت کو اپنی اہمیت اور برتری کا احساس ہو۔ مہر کی رقم معین نہیں ہے بلکہ مہر مرد کی استطاعت کے مطابق رکھا جاتا ہے، عورت مہر کی رقم کی بلا شرکت غیرے مالک ہوتی ہے۔

(ج) نفقہ : عورت کا نفقہ صرف اس کے شوہر ہی پر واجب نہیں ہے بلکہ شوہر نہ ہونے کی صورت میں باپ، بھائی یا بیٹے یا عورت کے دیگر ولیوں پر اس کی کفالت واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ خود عورت پر کسی کی کفالت کا بوجھ اور ذمہ داریاں نہیں ہیں جو مرد پر ہیں تو وراثت میں اس کا حصہ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو مرد کا ہے۔ نیز عورت کو وراثت، مہر اور نفقہ کی شکل میں جو کچھ مال پہنچتا ہے اس میں ملکیت کے تصرف کے پورے حقوق اسے دیئے گئے ہیں۔ جن میں مداخلت کرنے کا اختیار نہ اس کے باپ کو حاصل ہے، نہ شوہر کو، نہ بھائی کو، نہ بیٹے کو اور نہ کسی اور کو، مزید یہ کہ اگر عورت کسی تجارت میں روپیہ لگا کر یا خود محنت کر کے کچھ کمائے تو اس کی مالک بھی "کلیتا" وہی ہے۔ اور ان سب کے باوجود اس کا نفقہ ہر حال میں اس کے شوہر

پر واجب ہے۔ بیوی خواہ کتنی ہی مالدار ہو اس کا شوہر اس کے نفقہ سے بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اس طرح اسلام میں عورت کی معاشی حیثیت اتنی مستحکم ہو گئی کہ اکثر اوقات وہ مرد سے زیادہ بہتر حالت میں ہوتی ہے۔

عورت کے تمدنی حقوق :-

(1) انوثت :-

نسوانیت و انوثت عورت کا خاصہ ہے اور عورت کا حق بھی۔ جذبات کی فراوانی اور حسیات کی نزاکت اور انتہا پسندی کی جانب میلان عورت کی فطرت ہے۔ اسی فطرت پر اللہ نے اس کو پیدا کیا ہے اور یہی انوثت کا حسن ہے نسوانیت کی شان ہے اور اسلام عورت کو اس کا یہ حق اس طرح دیتا ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترجمہ : "عورت پسلی کی مانند ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے، اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔"

(2) پردہ :-

پردہ عورت کا حق ہے۔ پردے کے ذریعے عورت کو تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ گھر میں قرار کے ساتھ وقار کے ساتھ بیٹھنا عورت کا حق ہے۔

(3) نکاح میں انتخاب کی آزادی کا حق :-

جس طرح نکاح میں انتخاب کی آزادی مردوں کو حاصل ہے، اسی طرح عورتوں کو بھی یہ حق حاصل ہے۔ عورت رفیق حیات کے انتخاب میں آزاد ہے۔ اور اہل خاندان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ لڑکی کی مرضی کے بغیر اس کو رشتہ نکاح میں باندھ دیں۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بیوہ عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اس کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے اور اسی طرح کنواری عورت کا نکاح نہ کیاجائے جب تک کہ اس سے دریافت نہ کرلیا جائے۔" صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کنواری سے اجازت کیسے لی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کی اجازت یہ ہے کہ خاموش رہے۔" (یعنی طلب اذن کے بعد خاموش رہے) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک کنواری لڑکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کردیا ہے اور وہ اس نکاح سے ناخوش ہے آپؐ نے لڑکی کو اختیار دے دیا یا نکاح رکھے یا توڑ دے۔

(4) حق خلع :-

دیوانی اور فوجداری کے قوانین میں عورت اور مرد کے درمیان کسی قسم کا امتیاز نہیں ہوتا۔ تمدنی لحاظ سے اسلام نے عورت کا مرتبہ بہت بلند کردیا ہے۔ یہاں تک کہ ناپسند شوہر سے رہائی حاصل کرنے کے لئے خلع کا حق دیا۔ اگر عورت کچھ دے دلا کر اپنے شوہر سے آزادی حاصل کرلے تو شریعت کی اصطلاح میں اسے خلع کہتے ہیں۔ اسلام نے جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ فی الواقع شوہر سے مایوس ہوچکی ہو اور نباہ کا اب کوئی امکان نہ ہو تو وہ کچھ معاوضہ دے کر طلاق لے سکتی ہے اور یہی خلع کا حق ہے۔

(5) انصاف و مساوات کا حق :-

ایک سے زائد بیویوں کے درمیان انصاف و مساوات کرنا مرد کا فرض ہے اور شوہر کی طرف سے مساوی حقوق حاصل کرنا عورت کا حق ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ ترجمہ: "پس اگر یہ اندیشہ ہو کہ (ایک سے زائد بیویوں کے درمیان) انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو۔"

(6) بیوی کا حق معاشرت :-

ازدواجی زندگی میں مرد و عورت کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور ذمہ داریاں بھی ہیں۔ مردوں کو حکم دیا گیا ہے' ترجمہ : "عورتوں کے ساتھ معاشرت میں نیکی اور انصاف ملحوظ رکھو۔ آپس کے تعلقات میں فیاضی کو نہ بھول جاؤ۔"

خطبہ حجتہ الوداع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورتوں سے نیک سلوک کرو کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور امانت لیا ہے۔"

(7) حقوق زوجیت (ایلاء) :-

مرد پر ایک اور ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ حتی الوسع حقوق زوجیت ادا کرنے سے دریغ نہ کرے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ خاوند بیوی کو سزا دینے کے لئے یہ قسم کھا لیتے تھے کہ بیوی سے مقاربت نہیں کریں گے۔ اسے اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں۔ قرآن حکیم نے ایلاء کے لئے زیادہ سے زیادہ چار ماہ کی مدت مقرر کردی ہے۔ اس مدت میں یا تو دوبارہ رجوع کرلیں یا پھر علیحدگی کرلیں۔

(8) عبادت میں اس قدر شغف کہ بیوی نظرانداز ہو پسندیدہ نہیں :-

عبادت میں زیادہ شغف بھی بیوی سے بے توجہی کا باعث ہوسکتا ہے' لہٰذا عبادت میں اعتدال رکھنے کا حکم ہے۔ ہمارے رب کا بھی ہم پر حق ہے اور نفس کا بھی' اور اہل و عیال کا بھی۔ لہٰذا ہر ایک کا حق اعتدال سے ادا ہو۔ کئی احادیث اس کی تائید میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

(9) ایک لمبی مدت بیوی سے جدا رہنا مناسب نہیں :-

حضرت عمر فاروقؓ نے ایک عورت کی زبان سے شعر سن کر جو اپنے شوہر کی فرقت میں پڑھ

رہی تھی، یہ حکم جاری کروا دیا کہ کوئی شخص چھ ماہ سے زیادہ بیوی سے دور نہ رہے۔

(10) شوہر کے رازوں میں شرکت عورت کا حق ہے :-

عورت پر اعتبار اور اعتماد کیا جانا چاہئے۔ یہ عورت کا حق ہے۔ شوہر پر لازم ہے کہ گھر کے معاملات میں بیوی سے مشورہ کرتا رہے۔ تمام خانگی امور میں بیوی، شوہر کی رازداں ہے۔ لیکن اگر عورت غلطی یا نادانی سے کوئی خلاف مصلحت کام کر بیٹھے تو مرد پر لازم ہے کہ اعلانیہ ملامت نہ کرے، کیونکہ عورت کی عزت و وقار کی حفاظت مرد کا فرض اولین ہے، کیونکہ یہ خود اس کی عزت و وقار ہے، سورہ تحریم میں عورت کو رازدار بنانے کا اشارہ ملتا ہے۔

(11) بیوہ سے حسن سلوک :-

بیوہ عورتیں انسانی معاشرے میں سب سے زیادہ رحم و سلوک کی مستحق ہیں۔ جبکہ انسانی معاشروں نے ان کے ساتھ ہمیشہ ظالمانہ سلوک کیا۔ لیکن قرآن حکیم نے بیوہ عورتوں کے حقوق کی حفاظت کی۔ ترجمہ : "اے ایمان والو تمہارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کو میراث بنا لو۔" (النساء) یعنی اگر کسی عورت کا شوہر مر گیا تو وہ پوری طرح آزاد ہے۔ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے اپنا نکاح کرے۔

کسی کو یہ حق نہیں کہ اس پر اپنا اختیار چلائے یا اس کے زیر تجویز نکاح میں رکاوٹ ڈالے۔ بیوہ کا مالی تحفظ بھی اسلام کرتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ : "اور تم میں جو عورتیں بیوہ ہیں ان کے نکاح کر دو۔" (النور)

(12) مطلقہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک :-

مطلقہ عورتوں سے اگرچہ شوہر کا تعلق ختم ہو جاتا ہے، تاہم اسلام نے ان سے بھی کچھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔ ترجمہ : "(تم اپنی مطلقہ عورتوں کو عدت گزارنے کے لئے) اپنی وسعت

کے مطابق مکان دو جہاں تم رہتے ہو۔" (الطلاق-6) (اور عدت کے دوران) ان کو تنگ کرنے کے لئے ایذا نہ پہنچاؤ" (الطلاق) نیز سورہ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ :

"اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو' ان کو معروف دستور کے مطابق کچھ دیا جائے' یہ متقیوں پر لازم ہے۔" نیز مطلقہ عورتوں کو عدت پوری ہونے پر نکاح کی اجازت دی گئی' اور کسی کو یہ آزادی سلب کرنے کا حق نہیں ہے۔

خواتین کے تعلیمی حقوق :-

طلب علم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلم مردوں اور مسلم عورتوں کے لئے فرض قرار دیا ہے۔ طلب علم مردوں کی طرح عورتوں کا بھی حق ہے۔ عورتوں کو دینی اور دنیوی علم سیکھنے کی نہ صرف اجازت دی گئی ہے' بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو اسی قدر ضروری قرار دیا گیا ہے' جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔

محسن نسواں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین و اخلاق کی تعلیم جس طرح مرد حاصل کرتے تھے اسی طرح عورتیں بھی کرتی تھیں۔ آپؐ نے ان کے لئے اوقات معین فرما دیئے تھے۔ جن میں وہ آپؐ سے علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں۔

اشراف تو درکنار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈیوں تک کو علم اور ادب سکھانے کا حکم دیا تھا۔ جہاں تک طلب علم کا تعلق ہے اس حق میں مرد اور عورت دونوں یکساں حقدار ہیں' لیکن جہاں تک نوعیت تعلیم کا تعلق ہے' علامہ اقبال کی طبع موزوں کے مطابق'

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب ہنر موت

اسلامی نقطہ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم و تربیت وہ ہے جو اس کی نسوانی خصوصیات اور صلاحیتوں کو اجاگر کرے۔ ایسی تعلیم جو عورت کو بہترین بیوی' بہترین ماں' مکمل اور بہترین گھر والی بنائے۔

عورت کا دائرہ عمل گھر ہے۔ اس کی تعلیم کا مقصد بنیادی طور پر یہ ہونا چاہئے کہ اپنے دائرہ عمل میں بہتر کارکردگی کا اظہار کرسکے۔ نیز تربیت نسل انسانی میں عورت کی استعداد کار بڑھانے والے علوم ہونے چاہئیں۔

غیر معمولی ذہنی استعداد رکھنے والی لڑکیوں کے لئے دیگر علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے در بھی وا ہونے چاہئیں تاکہ جن خواتین کو قدرت نے غیر معمولی اذہان دے کر پیدا کیا ہے' ان کی ذہانت و فطانت گھر کے علاوہ معاشرتی سطح پر بھی اور قومی سطح پر بھی کام آسکے۔

مسلمان عورت کے فرائض :-

ابھی تک مسلمان خواتین کے حقوق زیر غور تھے تو بات طول پکڑتی رہی۔ اب فرائض کی باری ہے۔ اگر میں اختصار سے کام لوں کہ مقالہ طویل تر نہ ہوجائے تو اس کی توجیہہ یوں نہ کیجئے گا کہ فرائض کا تذکرہ بھی گوارا نہیں ہے۔ ویسے بات یہ ہے کہ حقوق کا زور شور سے مطالبہ اور فرائض سے کوتاہی عام انسانی فطرت ہے۔

عورت کا اللہ سے عہد اور ان کے فرائض :-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن امور پر ایمان لانے والی خواتین سے بیعت لیا کرتے تھے' قرآن حکیم کی سورہ ممتحنہ آیت ۱۲ کے ترجمہ سے عیاں ہیں' ترجمہ : "اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گی' چوری نہیں کریں گی' زنا نہیں کریں گی' اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی' اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گڑھ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معروف میں آپؐ کی نافرمانی نہ کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو یقیناً" اللہ درگذر فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

اس آیت میں پانچ منفی احکام دینے کے بعد مثبت حکم صرف ایک ہی دیا گیا ہے اور وہ یہ کہ

تمام (نیک کاموں میں) اور امر معروف میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت کی جائے گی اور یہ بڑا جامع حکم ہے، یعنی تمام اوامر معروف (نیک کام) اس میں شامل ہیں۔

جہاں تک برائیوں کا تعلق ہے وہ بڑی بڑی برائیاں گناوی گئیں جن میں زمانہ جاہلیت کی عورتیں مبتلا تھیں۔ ان سے باز رہنے کا عہد لے لیا گیا اور بھلائیوں کے متعلق فرمایا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس نیک کام کا بھی حکم دیں اس کی پیروی کرنی ہوگی۔

عورت کا فرض اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچانا :-

سورہ تحریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ : "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے۔" اہل ایمان مردوں اور اہل ایمان عورتوں کا فرض ہے کہ وہ صرف اپنی ذات ہی کو اپنے آپ ہی کو خدا کے عذاب سے بچانے کی کوشش تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ اپنے اہل خانہ کو بھی حد استطاعت ایسی تربیت دیں اور برائیوں سے بچنے کی ترغیب اور نیک کام کرنے کا حکم دیتی رہیں کہ وہ عمل صالح کی طرف مائل ہوں اور اللہ کے پسندیدہ انسان بن سکیں، یعنی خواتین کا فرض ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ کو بھی جہنم کی آگ سے بچائیں۔

بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔ اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور بچوں کی راعی ہے، وہ ان کے بارے میں جوابدہ ہے۔"

روز مرہ کی زندگی میں خواتین کے چار اہم روپ ہیں، بیٹی، بہن، شریک حیات اور ماں، ان چاروں حیثیتوں میں عورت کے فرائض کا تجزیہ ہمیں جدا جدا کرنا ہوگا۔

بیٹی کے فرائض :-

1- ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری :- ماں باپ کی اطاعت و فرمانبرداری بیٹی کا فرض اولین

ہے' والدین کی نافرمانی اور "عقوق" منع ہے۔

2- خدمت :- والدین کی خدمت ایک سعادت ہے' اور بیٹے جس طرح والدین کی خدمت دامے' درمے سخنے کرتے ہیں' ویسے ہی خدمت بیٹیوں کا فرض بھی ہے۔

3- حصول علم :- علم کا حصول ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔ اس کا فرض ہے کہ پورے انہماک اور توجہ سے یہ فرض ادا کرے۔

4- حیاء اور عفت :- عورت اور لڑکی کی اصل خوبی یہ ہے کہ وہ بے شرم اور بے باک نہ ہو' بلکہ نظر میں حیاء رکھتی ہو۔ اس لئے جنت کی نعمتوں کے درمیان عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے' سب سے پہلے ان کے حسن و جمال کی نہیں ان کی حیا داری اور عفت مابی کی تعریف فرمائی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے' "ہر دین کی ایک عادت' مزاج اور طرہ امتیاز ہوا کرتا ہے اور اسلام کا طرہ امتیاز حیا ہے۔" نیز فرمایا

"اور حیاء ایمان کا شعبہ ہے"

5- اپنے بھائیوں اور باپ کو دین پر کاربند رکھنے کی کوشش :- مسلمان بیٹی اور بہن کا فریضہ ہے کہ اپنے بھائی اور اپنے باپ کو فلاح کی طرف' دین کی طرف بلائے۔ بہن کا یہ کردار حضرت فاطمہ بنت خطاب کے کردار سے عیاں ہوتا ہے۔

شریک حیات کے فرائض :-

سورہ نساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: "نیک بیویاں شوہر کی اطاعت کرنے والی ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق اور امانتوں کی حفاظت کرتی ہیں۔"

ان ہی معنوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ "بہترین بیوی وہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے تو تیرا دل خوش ہو جائے۔ جب تو اسے کچھ کرنے کو کہے تو وہ تیری اطاعت کرے اور اگر تو اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ تیرے مال میں اور اپنے نفس میں تیرے حقوق کی

حفاظت کرے۔

اطاعت شعاری :-

بیوی پر سب سے پہلا فرض یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ شوہر کی اطاعت شعار ہو۔ گھر چھوٹے پیمانے پر ایک سلطنت کا حکم رکھتی ہے۔ جس کا حاکم اعلیٰ شوہر ہے اور اس کی نائب بیوی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر حاکم اعلیٰ کی اطاعت نہیں ہوگی تو سلطنت کا کاروبار درہم برہم ہوجائے گا' اس لئے بیوی کا فرض یہ ہے کہ جن معاملات پر خاندان کے اتحاد اور ترقی کا دارومدار ہے یا جن پر اس کی اپنی زندگی کی خوشی مسرت اور سکون منحصر ہے' یا ان کے بچوں کے مستقبل اور اخلاقی تربیت پر اثر پڑنے کا امکان ہے ان میں وہ شوہر کے احکام پر عمل کرے اور اسے شکایت کا موقع نہ دے اور پوری پوری سازگاری قائم کرے۔

البتہ اگر شوہر اسے خلاف شرع کسی کام کے کرنے کا حکم دے تو وہ شوہر کا حکم نہ مانے' کیونکہ خالق کے حکم کے مقابلے میں مخلوق کا حکم کوئی معنی نہیں رکھتا۔

شوہر کا عظیم حق :-

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو بیوی کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے (اور آپؐ نے فرمایا) اگر شوہر بیوی کو حکم دے کہ زرد پہاڑی کے پتھر کالی پہاڑی پر پہنچائے' اور کالی پہاڑی کے پتھر سفید پہاڑی پر پہنچائے تو بیوی کو ایسا ہی کرنا چاہئے۔"

یعنی اگر سجدے کا حکم کسی کے لئے دیا جاسکتا تو شوہر اپنے عظیم حق کی بنا پر اس بات کا مستحق ہوتا کہ اس کی بیوی اس کو سجدہ کرے' لیکن اس عظیم حق کے باوجود شوہر کی اطاعت کی اہمیت واضح کردی کہ اگرچہ ایک پہاڑی کے پتھر دوسری پہاڑی پر لے جانا ایک بے نتیجہ کام ہے۔ تاہم یہ تمثیل یہ عیاں کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہے کہ شوہر کے عظیم مرتبے کا تقاضا یہ

ہے کہ بیوی اس کے حکم کی تعمیل کرے' ایک صالح بیوی کی صفت ہی یہ ہے کہ وہ جی جان سے شوہر کا حکم ماننے کے لئے تیار رہے۔

نافرمان بیوی کی عبادت قبول نہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے' "دو قسم کے آدمی وہ ہیں جن کی نمازیں ان کے سروں سے اونچی نہیں اٹھتیں۔ اس غلام کی نماز جو اپنے آقا سے فرار ہوجائے جب تک وہ لوٹ کر نہ آئے۔ اس عورت کی نماز جو اپنے شوہر کی نافرمانی کرے' جب تک وہ نافرمانی سے باز نہ آجائے۔"

ایک موقعہ پر فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' کوئی عورت اس وقت تک اپنے رب کا حق ادا نہیں کرسکتی جب تک وہ شوہر کا حق ادا نہ کرے' اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ کوئی عورت ایمان کا مزا نہیں پاسکتی' جب تک وہ شوہر کا حق ادا نہ کرے۔

حقوق کی حفاظت :-

عورت کا دوسرا اہم فرض یہ ہے کہ وہ شوہر کی موجودگی ہی میں اس کے حقوق کی اور اس کے مفادات کی حفاظت نہ کرے' بلکہ اس کی غیر حاضری میں بھی اس کا خیال رکھے۔ حدیث میں ہے کہ نیک بیوی وہ ہے کہ جب شوہر اس کے پاس نہ ہو تو وہ شوہر کے مال اور اپنے نفس میں شوہر کے حقوق کی حفاظت کرے۔ (بیہقی)

آیت قرآنی میں "حافظات" کہہ کر نہایت بلیغ پیرا یہ بیان اختیار کیا جاتا ہے۔ **مثلاً** بیوی کا فرض ہے کہ (1) نہ فضول خرچی اور اسراف سے خود خاوند کے مال کو نقصان پہنچائے اور نہ خیانت اور نہ تغلب کا موقع دے۔ (2) خاوند کے رازوں کو فاش نہ کرے بلکہ اس کے رازوں کی حفاظت کرے۔ (3) اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرے۔ جو اس کا اپنا سب سے بڑا جوہر اور خاوند کی اس کے پاس سب سے بڑی امانت ہے۔

اپنی آبرو کی حفاظت اور اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کے لئے ہر ممکن احتیاط برتے اور ان تمام باتوں اور کاموں سے پوری طرح بچے جن سے اس کے دامن عصمت پر دھبہ لگنے کا کوئی بھی اندیشہ ہو۔ بیوی کے فرائض کے موضوع کی ابتداء میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں بما حفظ اللہ کہہ کر یہ واضح کیا گیا کہ تمہارے جو حقوق شوہر کے ذمے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کردی، اس لئے تمہیں چاہئے کہ جب شوہر تمہارے حقوق کو پورا کرنے میں دریغ نہیں کرتے تو تم بھی ان کے حقوق کا خیال رکھو۔

نیکی میں تعاون :-

عورت کا ایک فرض یہ ہے کہ وہ خاوند کو نیکی اور خیر سے نہ روکے، نیک بیویوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ شوہر کے دنیوی مفادات کی پوری پوری حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ وہ شوہر کے دینی مفاد اور روحانی ترقی میں بھی مدد و معاون ثابت ہوں۔ قرآن حکیم کی سورہ تغابن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، ترجمہ : "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یاد رکھو کہ بعض معاملات دینیہ میں حائل ہونے کی وجہ سے تمہاری بیویاں اور تمہاری اولاد میں سے بھی بعض تمہارے دشمن بن جاتے ہیں، پس ان سے بچتے رہو (اور دین کو دنیا پر قربان مت کرو) ہاں اگر تم (اپنی بیویوں اور اولاد کو ان کی غلطیوں پر) معاف کرو اور درگذر کرو اور بخش دو تو اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں نے مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان پہنچانے والی اور کوئی چیز اپنے پیچھے نہیں چھوڑی۔" (بخاری، کتاب النکاح)

اس حدیث شریف میں بھی روحانی اور اخلاقی نقصان مراد ہے۔ کیونکہ عورت خصوصاً بیوی اگر خاندان اور سربراہ خاندان کے ساتھ تعاون علیٰ الخیر نہ کرکے اس کے نیک ارادوں میں روک بن کر یا اسے برا مشورہ دے کر مرد کی روحانی ترقی میں حائل ہوسکتی ہے جو یقیناً بہت بڑا نقصان ہے۔

لہٰذا اس ضمن میں عورت پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ

مرد کی دینی اور روحانی ترقی کے راستے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ کرے' بلکہ جہاں تک ہوسکے نیکی اور فلاح کے کاموں میں اس کی معاونت کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین چیزیں بہترین ذخیرہ ہیں' اگر یہ تین چیزیں کسی کو حاصل ہیں تو اسے بہترین دولت حاصل ہے اور وہ ایسا دولت مند ہے جو دونوں جہاں میں کامیاب ہے' (1) اللہ کی یاد میں مشغول رہنے والی زبان' (2) اللہ کے شکر سے لبریز دل (3) اور وہ صاحب ایمان بیوی جو دین کی راہ میں شوہر کی معین و مددگار ہو۔"

اس حدیث مبارکہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اچھی بیوی وہی ہے جو دین کی راہ میں مرد کا سہارا بنتی ہے اور اللہ کی راہ میں آنے والی مشکلات میں صبر و استقلال کے ساتھ مرد کا ساتھ دیتی ہے' اور ہر آنے والی مصیبت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتی ہے۔

عورتوں کے دینی معاملات کے بارے میں استفسار کے لئے حضرت اسماء بنت یزیدؓ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس حدیث کا تذکرہ مقالے کے حقوق کے باب میں آچکا ہے' اس حدیث کی رو سے خواتین کے درج ذیل فرائض بنتے ہیں۔

(1) اچھی طرح خانہ داری کرنا'

(2) شوہر کی رضا جوئی کرنا'

(3) شوہر کے ساتھ سازگاری اور موافقت کرنا"۔

اچھی طرح خانہ داری کرنا :-

اچھی طرح خانہ داری کرنا خواتین کی اہم ذمہ داری ہے' خانہ داری میں امور اخراجات میں کفایت اور سلیقہ نیز اپنے امکانات کے اندر اندر اپنے وسائل میں خوش اسلوبی سے گھرداری کرنا خواتین کا فرض ہے۔

ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کی یہی زندگی تھی کہ وہ شوہر کی خدمت اور گھر کا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرلیا کرتیں۔ بخاری میں ایک باب کا عنوان یہی ہے۔ "عورت کا اپنے شوہر کے

گھر میں کام کاج کرنا۔" اور اس ضمن میں حضرت فاطمہؓ کی طرف اشارہ ہے کہ چکی پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔

شوہر کی رضا جوئی بیوی کا فرض ہے :-

بیوی کا ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ شوہر کو خوش رکھنے کی کوشش کرے اور اپنے قول و عمل سے ہر وقت شوہر کی رضا حاصل کرنے کی فکر کرے۔ معاشرتی زندگی کی اصلاح اور کامیابی کے لئے یہ بھی انتہائی ضروری ہے' اور آخرت میں بھی اس کا عظیم اجر ہے۔

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے' فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس عورت نے بھی اس حال میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی اور خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہو گئی۔"

شوہر کی رضا جوئی کرنے والی عورت کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیات اپنے شوہروں کی خوشنودی کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ اور اپنے شوہروں سے انتہائی محبت کرتیں۔ ان کے لئے بناؤ سنگھار کرتیں' اور انہیں ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کرتیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس عورت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھے گا جو شوہر کی ناشکر گذار ہوگی' حالانکہ وہ کسی وقت بھی اپنے شوہر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔"

احسان شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا یہی ہے کہ ہر طرح شوہر کی خدمت کرے' عورت کا یہ عمل جہاد کے برابر ہے۔

شوہروں کے ساتھ سازگاری اور موافقت رکھنا :-

عورت کا اہم ترین فرض ہے کہ شوہر کے ساتھ مکمل افہام و تفہیم پیدا کرے' نظام خانہ داری چلائے۔ شوہر کی رضا جوئی حاصل کرنے کے لئے اپنے قول و عمل سے کوشاں رہے اور گھر

کے بکھیڑے کو اس خوبی اور سلیقے سے چلائے کہ مقررہ آمدنی میں صبر و شکر کے ساتھ بسر کرے کہ شوہر کے ساتھ مکمل تعاون ہو' موافقت ہو اور سازگاری کی فضا ہو تاکہ دین شوہروں سے جو تقاضا کرتا ہے' یعنی جمعہ' جنازہ پڑھ سکیں' جہاد میں حصہ لے سکیں' جہاد بالزبان' جہاد بالقلم' جہاد بالسیف میں حصہ لیں۔ قیام حق کی جدوجہد کریں' نفاذ اسلام و شریعت کے لئے عملی جدوجہد میں حصہ لے سکیں۔ غرض کہ دین کی راہ میں شوہر کے ساتھ ہر ممکن مدد و معاونت کریں اور اس کے لئے سازگاری کرنا عورت کا فرض ہے۔

ماں کے فرائض :-

ماں کا روپ عورت کی معراج ہے اور ماں کی حیثیت سے عورت کے فرائض اہم ترین فرائض ہیں۔ قرآن نے عورت کا دائرہ عمل گھر کی چہار دیواری تک سمیٹ دیا ہے' تاکہ وہ بیرونی مکروہات سے دست کش ہو کر نسل نو کو اپنے نور تربیت سے اس قابل بنا دے کہ وہ پرچم اسلام چار دانگ عالم میں لہرا اٹھے۔ مسلمان مجاہد پیدا ہوں' جو دین حق کے قیام کے لئے کوشاں رہیں۔ اولاد آدم کی پرورش' تربیت اور سچے مسلمانوں کی سیرت سازی کے لئے ماں کا کردار بہت اہم ہے۔ ماں کا فرض اتنا اہم ہے کہ دین اسلام دعوت ایمان پیش کرتا ہے' عورت اس ایمان کو سراپے میں اتارتی ہے۔ "ماں" اللہ کا خوف اور نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دین کی حمیت کو روح میں بساتی ہے' رگ و پے میں اتارتی ہے' بچے کے ہر تار نفس میں پیوست کردیتی ہے۔

قرآن کریم الفاظ پیش کرتا ہے' ماں ان الفاظ کو صحیفہ قرطاس سے صحیفہ قلب تک منتقل کرتی ہے۔ مسجد و منبر سے جو فکر' جو طرز خیال پیش کیا جاتا ہے عورت اس کو ایک چلتے پھرتے وجود میں منتقل کرتی ہے۔

یہ عمل تربیت کب شروع ہوتا ہے ماں کے بطن میں وجود انسانی کی بناء پڑتے ہی ابھی معصوم وجود شکم مادر میں تخلیق کے مختلف مراحل طے کررہا ہوتا ہے کہ قلب و ذہن مادر اس پر

اثر انداز ہونا شروع ہوجاتا ہے' اور تعمیر سیرت کا کام شروع ہوجاتا ہے' بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے نور ایمان سے منور سینے سے "شیر مادر" کی شکل میں غذا ملتی ہے۔

مسلمان خواتین کے فرائض کی نشاندہی کے بعد جب ہم عصر حاضر کے تناظر میں ان فرائض پر عمل پیرائی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم خواتین اسلام کے سر فخر سے بلند ہونے کے بجائے شرم سے جھک جاتے ہیں۔

مسلمان مائیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کتنی کوتاہیاں برت رہی ہیں اس کا اندازہ بتدریج دین سے دور ہوتی ہوئی نسلیں ہیں۔ ہر نئی نسل میں دین پر عمل پیرائی نسبتاً" کم ہوتی جارہی ہے۔

ہم مسلمان ماؤں کی زندگیوں میں اسلام کا' شعائر اسلامی کا رچاؤ کیونکہ کم سے کم ہوتا چلا جاتا ہے' ہم قرآن کی تلاوت بھی کرلیں' قرآن خوانی میں عقیدت کے ساتھ شریک بھی ہوجائیں' ہمیں کچھ خبر نہیں ہوتی کہ یہ کتاب ہدایت اپنے دامن میں ہمارے لئے کیا رشد و ہدایت اور کون سا پیغام رکھتی ہے۔

دور جدید کی شہروں میں رہنے والی مسلمان مائیں جو دنیاوی تعلیم سے بہرہ ور ہیں۔ حسب ضرورت دینی معلومات سے بے بہرہ ہیں۔ دنیاوی علوم کی تحصیل کی خاطر ضخیم کتابوں کا مطالعہ کرکے دنیاوی محرکات سے ہم اثر پذیر ہیں لیکن کتاب الہی کا مفہوم اور مطالبات جاننے کے لئے قرآن کی تفہیم کے لئے دین کی فہم اور بصیرت کے لئے ہم دنیا اور عقبی دونوں کے مفادات کے باوجود قرآن و سنت کا بامعنی مطالعہ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

اس دنیا میں اس درجہ ملوث ہیں کہ عقبی کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹ جائے۔ حالانکہ اس دنیا کی بہتری کے لئے دین کو پکڑنا کتنا ضروری ہے' اے کاش ہمیں اس کی توفیق ہوجائے کہ ہم دین کو سمجھیں اور اپنی ذاتی اور اہلی زندگیوں میں نافذ کریں۔ اپنی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں جبھی ہم قرآن کا مطلوبہ اخلاق اور قرآن کا مطلوبہ کردار یعنی نبی کریمؐ کی سیرت اپنی نسل نو میں پیدا کرسکیں گے۔

اپنی روز مرہ زندگیوں کا جائزہ لیں محاسبہ کریں کہ جاہلیت کا کوئی اثر تو نہیں پایا جاتا اور نئے زمانے کی جاہلیت کے جو اثرات انگریز کی غلامی اور اہل مغرب سے مرعوبیت کی بناء پر ہمارے گھروں میں ہمارے روز مرہ میں داخل ہوگئے ہیں انہیں نکال باہر کریں۔

گھروں کی معاشرت میں' روز مرہ کے رہن سہن میں اسلام نمودار ہو۔ ہم فقط بے روح اور بے اثر عبادت نہ کریں' بلکہ عبادت کا مدعا سمجھیں' عبادت کی روح کو پالیں۔

بے شمار بیٹیاں جو جدید تعلیم حاصل کررہی ہیں' اسلام نے انہیں جو حقوق دیئے ہیں' اسلام نے جو فرائض ان پر عائد کئے ہیں اسلام ان سے جو تقاضا کرتا ہے' اس تقاضے کو پورا کریں حیا اور پردہ اختیار کریں۔ بے حیائی اور فحاشی سے بچیں۔ فحش فلمیں' فحش لٹریچر اور فحش گانوں کو دیکھنے' سننے اور پڑھنے سے اپنے آپ کو بچائیں۔

آج کی مسلمان بیٹیوں کو اگر دین کی بہتر تعلیم دی جائے تو شاید آنے والے مستقبل کی بہترین مائیں مل سکیں۔ عصر حاضر کی مسلمان بیویوں کو اگر یہ احساس ہوجائے کہ ان کی زیب و زینت اور آرائش فقط ان کے شوہروں کے لئے ہے' شوہر کی اطاعت اور رضا جوئی ان کا مطمع نظر ہوجائے' تو ہمارے معاشرے میں ناکام ازدواجی زندگیوں کے اعداد و شمار میں کمی آجائے گی' اور معاشرے کی بنیادی اکائی گھر مضبوط تر ہوجائیں گے۔

لڑکیوں کے لئے مناسب رشتے نہ ملنے کا مسئلہ جو سنگین صورت عصر حاضر میں اختیار کرتا جارہا ہے' اس کا حل یوں بھی ہوسکتا ہے' رشتے تلاش کرتے وقت دین کو معیار بنایا جائے۔

مسلمان بیوی اگر سادہ زندگی اور سادہ لباس' سادہ غذا' سادہ طرز بود و باش اختیار کرنے پر اصرار کرے اور ناجائز کمائی' رشوت' چوری اور ڈاکوؤں کی رقم سے لوٹ مار کی کمائی سے عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کو گوارا نہ کرے۔

اگر آج کی مسلمان ماں اپنے شوہر کی کمائی میں ناجائز عنصر کے شبے کے باعث علامہ اقبال مرحوم کی والدہ محترمہ کی طرح اپنے بیٹے کو دودھ پلانے اور حرام کی کمائی کھلانے سے انکار کردے تو یقین جانیئے عصر حاضر کا مرد کسب حلال پر مجبور ہوجائے گا۔

لہذا میں سمجھتی ہوں کہ ہم مسلمان خواتین اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے بھی آواز بلند کریں اور جو حقوق اسلام نے ہمیں دیئے ہیں' وہ حاصل کر کے دین و دنیا کی بھلائی حاصل کرنے کے قابل ہو جائیں اور جو فرائض مسلمان عورتوں پر عائد ہوتے ہیں ان فرائض کی ادائیگی میں سچائی کے ساتھ خلوص نیت کے ساتھ انہماک کے ساتھ لگ جائیں۔

اللہ ہماری مدد کرے' آمین

اسلامی ریاست کی تعمیر و ترقی میں خواتین کا کردار اور ذمہ داریاں تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

اسلامی ریاست سے کیا مراد ہے:۔ اسلامی ریاست سے مراد وہ ریاست ہے' جہاں اللہ کا اقتدار اعلیٰ ہو۔ قرآن و سنت کی حکمرانی ہو۔

ریاست ایک تنظیمی ہیئت کا نام ہے جس کے قیام کے لئے ملک اور علاقے کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ یہ تنظیم قائم ہو سکے۔

قرآن حکیم اسلامی ریاست کے بعض اصولوں اور دستوری ضابطے سورہ النساء کی آیت میں بیان فرماتا ہے' جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسولؐ کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں' پھر اگر نزع ہو جائے تمہارے درمیان کسی چیز میں تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو' اگر مانتے ہو اللہ کو اور قیامت کے دن کو' یہی روش اچھی ہے اور بہت بہتر ہو گا اس کا انجام۔"

اسلامی ریاست کے رہنماء اصول :۔

مندرجہ بالا آیت میں اہل ایمان کو خطاب کیا گیا ہے۔ لہٰذا ثابت یہ ہوتا ہے کہ جہاں بھی اہل ایمان موجود ہوں وہاں اسلامی ریاست قائم ہونی چاہئے۔ درج ذیل نکات مزید واضح ہوتے ہیں۔

الف : حکم و اقتدار اللہ کا ہے یعنی اللہ مقتدر اعلیٰ ہے۔

ب : اسلامی ریاست میں دستور اساسی قرآن و سنت ہوتا ہے۔

ج : اولی الامر میں انتظامیہ' مقننہ اور عدلیہ تینوں شعبے داخل ہیں۔

مقننہ :۔

ریاست کی مقننہ یا مجلس شوریٰ قرآن و سنت اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کی روشنی میں

قانون سازی کرے گی۔

انتظامیہ :-

انتظامیہ مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے مطابق قانون نافذ کرے گی۔ اور ریاست کا عملاً" نظم و نسق چلانے کی ذمہ دار ہوگی۔ اور مجلس شوریٰ کے سامنے جوابدہ ہوگی۔

عدلیہ :-

عدلیہ یعنی محکمہ قضاء کے قاضی نزاعی امور میں قانون اساس یعنی قرآن و سنت کے مطابق اور غیر منصوص معاملات میں مجلس شوریٰ کے منظور کردہ قانون کے مطابق فیصلے کریں گے۔

د : انتظامیہ' مقننہ اور عدلیہ تینوں ارکان سے نزاع اور اختلاف رائے کیا جاسکتا ہے۔ ہر ایک پر علمی اور تعمیری تنقید کی جاسکتی ہے۔ عوام کا آپس میں اور عوام کا اپنے اولی الامر کے ساتھ بھی کسی معاملے میں تنازعہ ہوسکتا ہے۔

س : لہٰذا ایک غیر جانبدار اور انتظامیہ کی مداخلت سے آزاد عدلیہ کا ہونا لازمی ہے تاکہ نزاعی امور کا تصفیہ ہوسکے۔

قرآن و سنت کے دیانت دار ماہرین (فقہا عابدین) پر مشتمل یہ ادارہ جو فیصلہ کرے اس کی پیروی سب پر لازم ہوگی' بشرطیکہ دستور اساسی یعنی قرآن و سنت کے صریح حکم اور امت کے اجماعی فیصلے کے خلاف نہ ہو۔

و : اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے مذکورہ بالا اصولوں کی پابندی لازمی ہے۔

ہ : ریاست کے ان اصولوں کی پابندی کرنے کے نتائج دنیا اور آخرت دونوں میں اچھے نکلیں گے۔

اس آیت کے مفہوم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے بغیر نہ تو اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہوسکتی ہے۔ اور نہ مسلمانوں کی حالت درست ہوسکتی ہے۔ دنیا و دین کی

فلاح حاصل ہوگی، تو اسلامی ریاست کے قیام و تعمیر کے ذریعے سے حاصل ہوگی۔

اسلامی ریاست کی تعمیر و تشکیل اور صورت گری میں رہنما دوسری آیت شریفہ بھی سورہ النساء میں بیان ہوئی ہے۔

ترجمہ :-

"بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے، بے شک اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو، بے شک اللہ ہے سننے والا، دیکھنے والا۔"

اس آیت کی شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں "امانات" سے مراد ذمہ داری کے مناصب ہیں۔ لہٰذا سیاست شرعیہ کے دو بنیادی اصول ہیں۔

1- ذمہ داریاں اور مناصب "اہل تر" کے سپرد کرنا۔

2- انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا۔

خواتین کا بحیثیت شہری اسلامی ریاست میں مقام، ذمہ داریاں اور کردار :-

اسلامی ریاست میں جس طرح مردوں کو حقوق حاصل ہیں۔ اسی طرح عورتوں کو بھی حاصل ہیں۔ اور جس طرح مردوں پر فرائض عائد ہوتے ہیں اسی طرح عورتوں پر بھی کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، بحیثیت شہری ایک مسلم و مسلمہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ جہاں تک عورت و مرد کی خصوصیات اور صلاحیتوں کا تعلق ہے۔ قرآن حکیم نے بتایا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ صلاحیتیں لے کر آئے ہیں، لیکن اس فرق کی بناء پر ان میں سے کسی کے لئے بھی نہ اپنی خصوصیات پر مغرور ہونا یا ان کے سبب سے اپنے کو حقیر سمجھنا زیب دیتا ہے اور نہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ النساء میں ارشاد فرمایا۔

ترجمہ آیت :- "اور اللہ نے عورت و مرد میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے' اس کے لئے ارمان نہ کرو' مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے۔ اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں حصہ مانگو' بے شک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔"

اس آیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قدرت کی طرف سے جو خصوصیات عورت و مرد کو عطا ہوئی ہیں' ان میں فضیلت کا پہلو ایک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں' بلکہ دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ دوسرے یہ حقیقت عیاں ہوگئی کہ عورت و مرد دونوں کی سعادت و کامیابی اس بات میں ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنے کی بجائے ہر ایک اپنے حصے کی نعمتوں کے لئے شکر گزار رہے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔

اس حقیقت کی ایک بہت بڑی شہادت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارکہ کے ایک واقعے سے ملتی ہے۔

حضرت اسماءؓ بنت یزید انصاریہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ مجھے عورتوں نے بھیجا ہے اور ان کی جانب سے عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسولؐ بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپؐ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی' گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ' جماعت' جنازہ' جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے۔ وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھربار کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں۔ تو کیا اجر میں بھی ان کے ساتھ ہم کو حصہ ملے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ "تم نے ان سے بھی زیادہ کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے؟" تمام صحابہؓ نے اقرار کیا کہ نہیں یا رسول اللہؐ اس کے بعد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "اے اسماءؓ میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں۔"

اسلامی ریاست کے شہریوں کی تعمیر سیرت میں خواتین کا کردار

عورت اسلامی ریاست کا نصف ہے اور بقیہ نصف کی زندگی بنانے اور بگاڑنے پر اثرانداز ہوتی ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ کائنات عالم اور خصوصاً" اسلامی ریاست کی خیر و صلاح اور فلاح و بقاء کا انحصار صالح ماؤں پر ہے صالح مسلمان مائیں ہمارے دین اور ہماری ملت کی محافظ ہیں۔

اسلامی ریاست سے مراد وہ ریاست ہے، جہاں اقتدار اعلیٰ اللہ کو حاصل ہو اور جس ریاست میں قرآن و سنت کی بالادستی ہو۔

اس ریاست کے افراد اپنی ظاہری زندگی اور باطنی زندگی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور باطنی زندگی کے مطابق بنائیں گے۔

خواتین کا کام سیرت سازی کا ہے۔ خواتین کے ساختہ، پرواختہ اور پروردہ انسان امور مملکت و ریاست کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں۔ دراصل بنیادی کام اور اہم ترین کام نئی نسل کی سیرت سازی کا ہے۔

ریاست میں فساد رذائل باطنی سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا ظاہری اور خصوصاً" باطنی سیرت کی اصلاح ہونا ضروری ہے۔ اور ظاہری سیرت سازی میں تو دیگر عوامل بھی ایک خاص کردار ادا کرتے ہیں۔ لیکن باطنی سیرت پر سب سے زیادہ ماں اثر انداز ہوتی ہے۔ ماں اپنی اولاد کے ذہن و روح میں اللہ کا خوف پیدا کرتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو اس کے دل و دماغ میں پیوست کر دیتی ہے۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ:

"مسلمانوں کی نئی پود ماں کی آغوش میں لا الہ الا اللہ کا سبق سیکھتی ہے۔ ماں کی تربیت ہی ان کے فکر و کردار کو دین کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔ دراصل مسلمان میں اسلام کی محبت' دین پر فدا ہونے کا جذبہ مسلمان ماں کے جذبہ دینداری اور عفت سے پیدا ہوتا ہے۔"

ایک مسلمان ماں غیرت مند اور حق پرست مسلمانوں کا اضافہ کرتی ہے۔ جیسے حضرت خدیجتہ الکبریٰؓ نے پیکر صدق و صبر و رضا بیٹی حضرت فاطمتہ الزہراؓ سیدۃ النساءؑ حضرت فاطمتہ الزہراؓ نے حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ، حضرت زینبؓ بنت علی اور حضرت ام کلثومؓ بنت علی جیسی مثالی اور تاریخ اسلام کی نامور شخصیتیں پروان چڑھائیں' حضرت صفیہؓ نے اپنے فرزند حضرت زبیرؓ بن عوام کی تربیت نہایت عمدہ طریق سے کی' بحیثیت ماں یہ حضرت اسماءؓ بنت ابوبکر کی تربیت کا اثر تھا کہ عبداللہ بن زبیر شجاعت و حق گوئی کا پیکر بنے۔ حضرت خنساءؓ بنت عمرو کے بیٹے ان کے حسن تربیت سے تسلیم و رضا کا عدیم المثال مظاہرہ کر گئے۔ دور نبویؐ کی ہر ماں مثالی ماں تھی۔ عورت کی انتہائی عظمت تک پہنچنے کے لئے حضرت فاطمتہ الزہراؓ کا نمونہ بہترین نمونہ ہے۔

عورت بہن' بیٹی اور بیوی کی حیثیت میں بھی بھائی' باپ اور شوہر کی سیرت پر اثر انداز ہوتی ہے۔

حدیث مبارکہ ہے۔

"عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور ان کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی"۔

پہلی اسلامی ریاست کی تعمیر اور قیام میں خواتین کا عمل و کردار

1- ہجرت حبشہ کے سیاسی اثرات :-

ہجرت حبشہ اول و دوم صرف پناہ گزینی نہیں تھی۔ بلکہ ایک طرح کی سیاسی حکمت عملی

تھی۔ اور مردوں کے دوش بدوش یہ ہجرت عورتوں نے بھی کی تھی۔

2- بیعت عقبہ اسلامی ریاست کی تمہید تھی :-

تیسری بیعت عقبہ ذوالحجہ 13 نبوی میں مردوں کے ساتھ ساتھ دو عورتیں بھی شریک تھیں۔

3- ہجرت مدینہ اسلامی ریاست کی جانب پہلا قدم تھا :-

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ہجرت میں اگر مسلمان خواتین کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو تاریخ سے مندرجہ ذیل شواہد و حقائق ہمارے سامنے آتے ہیں۔

1- حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر اور حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر نے سامان سفر درست کرنے میں حصہ لیا۔

2- ہجرت کے پرخطر راز کو اپنے نہاں خانہ دل میں محفوظ کرنے والی خاتون حضرت اسماء بنت ابی بکر تھیں اور ابو جہل کے قہر و غضب کے باوجود انہوں نے اس اہم راز کی حفاظت کی اور ہمیشہ کے لئے یہ ثابت کردیا کہ اہل ایمان خواتین رازوں کی امین ہوتی ہیں۔ ان کو افشاء نہیں کرتیں۔ اور ریاست کے رازوں کی حفاظت ریاست کی تعمیر میں بہت مفید ثابت ہوتی ہے۔

3- غار ثور میں قیام کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور "یار غار" کو تازہ کھانا حضرت اسماء ذات النطاقین پہنچاتی تھیں۔

4- جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینے کی بچیوں نے گیت گا کر آپ حضرات کو خوش آمدید کہا۔

5- قبا میں میزبانی کا شرف حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور ان کی اہلیہ "حضرت" ام ایوبؓ کو حاصل ہوا۔ سات ماہ تک ام ایوب انصاریؓ نے میزبانی کا شرف حاصل کیا۔ اس دوران حضرت ام ایوبؓ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا تیار کرتی تھیں۔

4- مواخاۃ بین المہاجرین و الانصار :-

ہجرت کے چند ماہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم فرمایا۔ تو حضرت ام سلیمؓ کے مکان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہاں سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مہاجرین و انصار اس مقصد عظیم کے لئے جمع ہوئے، مہاجر خواتین مردوں کے دوش بدوش سفر و ہجرت کی بے تحاشہ صعوبتیں جھیل کر مدینہ پہنچی تھیں۔ اور انصاری خواتین نے انصاری مردوں کے شانہ بشانہ اپنے دامن دل وسیع کر لئے تھے اور یہ سب اخوت کے رشتے میں بندھ گئے۔

5- جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا مقصد اسلامی ریاست کا قیام و استحکام و تحفظ ہے

جہاد و قتال کے لئے غزوات و سرایا میں مسلمان خواتین کا کردار قابل ستائش رہا۔ اوڈورڈ گبس نے اپنی تاریخ میں مسلمان عورتوں کے جنگی کارناموں کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ: "شمشیر زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی کی خوب ماہر تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ نازک ترین مواقع پر بھی اپنے دامن عفت کے محفوظ رکھنے میں کامیاب رہیں۔"

غزوہ احد : ایک انصاری صحابیہ حضرت ام عمارہ نے غزوہ احد میں مردوں کی سی ثابت قدمی اور شجاعت کا مظاہرہ کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدافعت میں انہوں نے جس ہمت اور پامردی کا ثبوت دیا اس کی شہادت خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دی ہے "دائیں بائیں جس طرف بھی میں نے رخ کیا "ام عمارہؓ کو اپنی مدافعت میں لڑتے دیکھا۔"

حضرت ام عمارہؓ کے بیٹے عبداللہؓ کے بازو میں سخت زخم آیا جس سے خون نہیں رکتا تھا، لیکن ماں نے بیٹے سے کہا "کافروں سے مقابلہ کر" حضور اس منظر کو دیکھ رہے تھے فرمایا "ام عمارہ اتنی ہمت کون رکھتا ہے جتنی تو رکھتی ہے۔" اس دن ان کے جماؤ اور ثابت قدمی کو دیکھ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"آج نسیبہ بنت کعب (ام عمارہ) کی ثابت قدمی اور استقلال فلاں اور فلاں سے بہتر ہے۔"

احد کے علاوہ انہوں نے خیبر' حنین اور یمامہ کی جنگ میں شرکت کی۔ یمامہ کے دن لڑتے لڑتے ان کا ہاتھ شہید ہوگیا۔

غزوہ بدر : حضرت عفرئی انصاریہؓ کے سات بیٹے تھے۔ یہ سب غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ مرتبہ کس ماں کو نصیب ہوتا ہے۔

غزوہ حنین : حنین کی لڑائی میں جو مسلمان جمے رہے تھے' ان میں ام سلیم' ام عمارہ' ام سلیط اور ام حارث رضی اللہ عنہا یہ چاروں مجاہد خواتین بھی جمی رہیں۔

جنگ یرموک : صحابہ کرامؓ کی جنگوں میں سب سے سخت ترین جنگ یرموک تھی جو رومیوں سے لڑی گئی۔ مسلمانوں میں شکست کے آثار پیدا ہوگئے تھے مگر عورتوں کی بہادری اور بے جگری سے میدان جنگ میں کود پڑنے سے پانسہ پلٹ گیا۔

حضرت اسماء بنت یزید نے تنہا نو رومیوں کو قتل کیا۔ ام حکیم بنت حارث کا ایک دن پہلے نکاح ہوا تھا۔ آثار عروسی نمایاں تھے کہ میدان جنگ میں کودیں۔ اور خوب بہادری سے لڑیں۔

ہندہؓ' ام کثیرؓ' اسماءؓ' ام ابانؓ' ام عمارہؓ' خولہؓ' لبنیٰؓ' عفیرہؓ مجاہد خواتین نے مردوں سے زیادہ بہادری سے مورچہ کیا۔

یرموک میں حضرت ناجبہؓ تلوار سے لڑیں۔ اس کی فتح میں ان کی بہادری اور قابلیت کو بہت دخل ہے۔

حضرت ام ابانؓ کو تیر اندازی میں کمال درجے کی مہارت تھی۔ انہوں نے دشمن کے سردار کی آنکھ میں تیر مار کر اس کو بھاگنے پر مجبور کردیا۔

حضرت اسماءؓ بنت ابو بکر اپنے شوہر حضرت زبیرؓ بن عوام کے دوش بدوش گھوڑے پر سوار ہو کر لڑیں۔

غزوہ خندق : غزوہ خندق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین اور بچوں کو ایک قلعے میں چھوڑا تھا تاکہ وہ محفوظ رہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہود تاک لگائے قلعے کے گرد چکر لگا رہے تھے۔ ایک یہودی جاسوس آخر قلعے پر چڑھ ہی گیا۔ حضرت صفیہؓ نے جرات رندانہ سے کام لیتے ہوئے اس بدباطن کا سر قلم کرکے نیچے جہاں دوسرے فتنہ باز موجود تھے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا غافل نہیں ہے کہ عورتوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دے' قلعے میں یقیناً" ایسے جری اور شجاع ہیں جو ہمارے ہر ارادے کو ناکام بنا سکتے ہیں۔

یہ پہلی بہادری تھی جو مسلمان عورت سے ظاہر ہوئی چنانچہ سرور دین صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مال غنیمت میں سے حصہ بھی عطا فرمایا۔

تاریخ طبریٰ کے مطابق حضرت ازدہؓ بنت حارث نے حضرت مغیرہؓ کے زیر کمان لڑی جانے والی گھمسان کی جنگ میں اپنے دوپٹے کا علم بنایا۔ اور اپنی ساتھیوں سمیت (جن سب نے اپنی اپنی اوڑھنیوں کے علم بنا لئے تھے) موقع جنگ کے قریب پہنچ گئیں اور مقابل فوجیں یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کے پاس نئی کمک آگئی ہے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ حضرت ازدہؓ اپنی تقریروں سے میدان جنگ میں حوصلے ابھارتی تھیں۔

میدان جہاد میں صحابیات کے دیگر کام (ڈیوٹیاں) :-

دشمنان دین کو ناکام بنانے میں خواتین نے جتنا براہ راست حصہ لیا اس سے کہیں زیادہ وہ بالواسطہ باطل قوتوں کا مقابلہ کرتی رہی ہیں اور باطل قوتوں سے مقابلہ کرنے کے لئے مردوں کے ہاتھ مضبوط کرتی رہی ہیں۔ ان کے ذمے دیگر کام یہ تھے' شہیدوں اور زخمیوں کو میدان جہاد سے اٹھا کر لانا' زخمیوں کو پانی پلانا' مرہم پٹی کرنا' تیر اٹھا کر لانا' شہداء کی قبریں کھودنا' کھانا پکانا' چرخہ

کاتنا، ستو گھول کر پلانا، مشکیزوں میں پانی بھر کر لانا، سامان کی حفاظت کرنا، جانوروں خصوصاً اونٹ گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنا، پہرہ دینا، قیدیوں کی نگرانی کرنا، فوج کو ہمت دلانا، رجز پڑھ کر حوصلے بلند کرنا اور ضرورت کے وقت تلوار اٹھانا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خواتین کو غزوات میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ ان کاموں میں درج ذیل صحابیات شریک ہوتی تھیں۔

ربیعؓ بنت معوذ، عطیہؓ، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، ام سلیمؓ، ام سلیطؓ، حمنہ بنت حجشؓ، ام عمارہؓ، ابو رافعؓ کی بیوی سلمیٰؓ، ام عامرؓ، ام خلاؓ، کعبیہؓ بنت اسعد، معاذہؓ غفاریہ، نعم بنت قناصؓ، عفیرہ بنت غفار وغیرہ۔

نیز ام حرامؓ کی تمنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سمندر میں جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہونے کی بشارت دی۔

6- اسلامی ریاست کی بہتری کے لئے بنیادی شرائط :-

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کردہ حدیث مبارک ہے۔ ترجمہ : "جب تمہارے حکمران تم میں سے بہترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند لوگ سخی ہوں اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے کئے جاتے ہوں تو زمین کی پیٹھ تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہوگی، لیکن جب تمہارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں اور تمہارے دولت مند بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں (یعنی اصل فیصلہ ان کے ہاتھ میں ہو) تو پھر زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہوگا۔"

اس حدیث شریف کے مطابق اسلامی ریاست کی بہتری کے لئے تین شرائط بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

(i) صالح قیادت (ii) دولتمندوں کی سخاوت یعنی ناداروں کی کفالت (iii) شورائیت۔

دولت مندوں کی سخاوت میں ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا کردار زریں حروف سے

لکھے جانے کے قابل ہے۔ ان کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اپنا تمام مال و زر اسلام پر نثار کردیا۔ ان کی ساری دولت اسلامی ریاست کے بیت المال کی مانند یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری' بیکسوں کی دستگیری اور حاجت مندوں کی حاجت روائی کے لئے وقف ہوچکی تھی۔ لہٰذا اسلامی ریاست کی تعمیر کے بنیادی شرائط میں ام المومنین کا کردار مثالی ہے۔

اسلامی ریاست میں تین چیزوں کو ناپسند کیا گیا ہے۔

(i) غیر صالح قیادت (ii) دولت مندو کا بخل یعنی غریبوں کی کفالت سے ہاتھ کھینچنا (iii) معاملات ریاست کے اصل فیصلے فقط خواتین (صرف خواتین) کے سپرد کردینا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی مروی اس حدیث میں امور کم الی لنساء کم کا مطلب ہے مفوضہ الی النساء کم یعنی جب تمہارے معاملات عورتوں کے (فقط عورتوں کے) سپرد کردیئے گئے ہوں۔ انہی کے مشورے اور فیصلے پر عمل کیا جاتا ہو' مردوں کے مقابلے میں فقط عورتوں کے فیصلے کو کافی سمجھا جاتا ہو تو اس وقت زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہوگا۔

اس حدیث میں عورتوں سے مشورے لینا یا ان کی کسی صحیح اور صائب رائے پر عمل کرنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو تمام فیصلوں میں خود مختار اور ذمہ دار بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

7- مشاورت یا نظام شوریٰ :-

لہٰذا امور مملکت و ریاست میں باہمی مشورے سے کام ہوگا اور یہ مشاورت مسلمانوں کے قابل اعتماد و نمائندوں سے لی جائے گی' جن کو عرفاء (عریف کی جمع) اور عریف صراح اللغات کے مطابق قومی معاملات سے باخبر اور قومی کام کرنے والے کو کہتے ہیں۔ عرفاء کو نقباء اور ملا القوم بھی کہتے ہیں۔ اور ان میں خواتین بھی شامل ہوسکتی ہیں۔

مجلس شوریٰ کے ارکان کی صفات : کیونکہ آیت الہٰی کے مطابق

"اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانات (مناصب و ذمہ داریاں) ن لوگوں کے سپرد کرو جو اہل

ہوں۔"

اور مجلس شوریٰ کی نمائندگی کا معیار و اہلیت کی بنیادی شرائط درج ذیل ہیں۔

1- ایمان : اور مومن عورتوں کے ایمان کی تصدیق مومنات کہہ کر خود قرآن پاک نے کی ہے۔

2- فقاہت : امام ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جن صحابہ کرام سے فقہی مسائل و فتاوے منقول و محفوظ کئے گئے ہیں۔ ان کی تعداد 130 سے زیادہ ہے۔ ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں۔ ان کے تین طبقات ہیں۔ ہر طبقے کی فقیہات و مفتیات کے نام درج کئے جاتے ہیں۔

الف : طبقہ مکثرین و علیا میں فقیہہ امت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور

ب : طبقہ وسطیٰ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ شامل ہیں۔

ج : طبقہ سفلیٰ میں (طوالت کے خوف سے نام نہیں لکھے) 20 کی تعداد میں امہات المومنین + صحابیات شامل ہیں۔ مثلاً حضرت ام حبیبہ، حضرت حفصہ، حضرت ام حبیبہ وغیرہ۔

فقہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کے فتاوے اس قدر ہیں کہ متعدد ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ کے فتاوے سے ایک چھوٹا رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔

عہد صحابہ اکرامؓ میں خواتین بھی قانونی مسائل پر بحث، گفتگو اور اظہار رائے سب کچھ کرتی تھیں اور بسا اوقات خود خلفائے راشدین ان سے رائے اور مشورے لیتے تھے اور اس رائے اور مشورے کا لحاظ کرتے تھے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں کو کوئی مشکل ایسی پیش نہ آئی جس کا علم حضرت عائشہ کے پاس نہ ہو، یعنی ہر مسئلہ کے متعلق انہیں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ معلوم تھا۔

حضرت عروہ بن زبیرؓ کا قول ہے کہ میں نے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ اور علم الانساب میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔

اہل سیئو کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کے نشرو اشاعت کے اعتبار سے صدیقتہ الکبریٰ کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔

اور غور فرمائیے یہ کام ریاست کی تعمیرو تشکیل اور فروغ و ترقی کے لحاظ سے کتنا زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔کہ دور جدید میں سربراہ ریاست اور ریاست کے اساسی نظریات کی نشرو اشاعت کے لئے تمام ذرائع ابلاغ کام کرتے ہیں۔

3- **عبادت و دیانت** : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عابدین یعنی عبادت گزار اور دیندار لوگوں سے مشورہ لینے کا حکم دیا ہے اور قرآن حکیم نے خود اہل ایمان خواتین کو عابدات اور صادقات کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ گویا یہ صفت بھی مسلمان خواتین میں موجود تھی اور موجود ہو سکتی ہے۔

4- **عاقل و بالغ ہونا** : خواتین میں بھی پختہ ذہن' ذی رائے اور معاملہ فہم ہوتی رہی ہیں۔

5- **عرف عام سے باخبر ہونا** : اس صفت سے بھی خواتین موصوف تھیں اور ہیں۔

6- **امت مسلمہ کا معتمد** : اہم تر صفت یہ ہے کہ ان صفات کے حامل افراد کو مسلمانوں کی اکثریت یا ان کے علاقے کے مسلمانوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو یعنی جو اہلیت کے ساتھ معتمد ہوں۔

اور مجلس شوریٰ کے ارکان کی اہلیت کے معیار پر خلفائے راشدین اور آئمہ امت نے بہت سی صحابیات اور اہل ایمان خواتین کو پایا اور ان سے مشاورت کی۔ لہٰذا ثابت یہ ہوتا ہے کہ ہر اچھی تجویز اور صائب رائے پر عمل کیا جاسکتا ہے خواہ وہ خواتین کی پیش کردہ ہی کیوں نہ

ہو۔ لیکن یاد رہے کہ اصل با اختیار اور پالیسی ساز ادارے کے تمام کے تمام ارکان فقط خواتین پر مشتمل نہیں ہوسکتے جیسا کہ ابو ہریرہؓ سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔

اسلامی ریاست کی تعمیر و تشکیل میں خواتین کی مشاورت کی عملی مثالیں پیش خدمت ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خواتین سے مشورے لیتے تھے۔

(1) صلح حدیبیہ تاریخ اسلام کا ایک انتہائی اہم معاہدہ ہے۔ صلح حدیبیہ کی تکمیل کے بعد جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اٹھو قربانی کے جانور ذبح کرو اور سر کے بال مونڈھ کر احرام کھول دو، تو صحابہ کرام میں سے ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہ اٹھا، تین مرتبہ اپنی بات دھرانے کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس خیمے میں تشریف لے گئے، ام المومنینؓ نے مشورہ دیا اور تجویز پیش کی کہ آپ باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے بات کئے بغیر قربانی کے اونٹ ذبح کیجئے اور سر منڈھوا دیجئے۔ اس مشورے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمل کیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے اٹھ کر قربانی کے جانور ذبح کئے اور ایک دوسرے کے سر مونڈھنے میں مصروف ہوگئے۔"

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ فاضل، ذی رائے و معاملہ فہم خواتین کو مشاورت میں شریک کرنا چاہئے۔

(2) ایک دوسرا واقعہ دور خلفائے راشدین کا ہے، جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جاری لڑائی کو ختم کروانے اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کے لئے **حکمین** مقرر ہوئے تو **حکمین** کا فیصلہ سننے کے موقع پر غیر جانبدار صحابہ کو بھی بلایا گیا تاکہ سارے مسلمان کسی بات پر متفق ہوجائیں، حضرت عبداللہؓ بن عمر کو بھی دعوت دی گئی، جو غیر جانبدار تھے۔ آپؓ نے ام المومنین حضرت **حفصہؓ** سے مشورہ طلب کیا جو آپ کی بہن تھیں کہ مجھے جانا چاہئے یا نہیں؟ ابن عمرؓ خود جانے کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن حضرت **حفصہؓ** نے مشورہ دیا کہ فورا" چلے جاؤ، ہوسکتا ہے کہ تمہاری غیر حاضری کی وجہ سے مسلمانوں میں پھر افتراق پیدا ہوجائے۔

یہ دونوں واقعے صحیح بخاری میں نقل ہوئے ہیں۔ حضرت ام سلمہؓ اور حضرت حفصہؓ کے یہ مشورے مسلمانوں کے اجتماعی امور سے' ملی سیاست سے متعلق تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے مشورے پر اور ابن عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کے مشورے پر عمل کیا۔

(3) 24 ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ نے شہادت پائی تو مجلس شوریٰ کے اجتماع حضرت فاطمہ بنت قیس کے مکان ہی میں ہوتے تھے' چونکہ وہ نہایت زیرک' معاملہ فہم اور صائب الرائے خاتون تھیں۔ اس لئے مجلس شوریٰ کے اراکین ان سے مشورہ لینا بھی مناسب سمجھتے تھے۔

یہ تو مقننہ یا مجلس شوریٰ میں خواتین کی شرکت کے بارے میں وضاحت ہوئی۔ اب آیئے عدلیہ یعنی قضاء کے متعلق جائزہ لیں۔

عدلیہ یا قضاء : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسلمان عورت حدود و قصاص یعنی فوجداری مقدمات کے علاوہ دوسرے مقدمات میں قاضیہ بن سکتی ہے۔

امام ابن جریرؒ کے نزدیک بشمول حدود و قصاص کے تمام مقدمات میں عورت قاضیہ بن سکتی ہے۔

چاروں آئمہ کے مطابق مسلمان عورت فتویٰ دے سکتی ہے۔ امام ابن حزم نے بیس ایسی خواتین کے نام نقل کئے ہیں جو دور صحابہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں۔ امام مالکؒ' اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ اور بعض دوسرے اماموں کے نزدیک عورت کو امارت و قضاء کا عہدہ مل سکتا ہے۔

انتظامیہ میں شرکت یا عملی کام : بعض عملی کام صحابیات امور مملکت اور انتظامی نوعیت کے بھی کرتی تھیں مثلاً"

1- شفاءؓ بنت عبداللہ کی رائے کا حضرت عمرؓ بہت احترام کرتے تھے اور ان کی رائے کو مقدم

سمجھتے تھے بعض اوقات حضرت عمرؓ ان صحابیہ کو بازار کی نگرانی کا کام سونپا کرتے تھے۔

2- سمراءؓ بنت نہیک اسدیہ ایک معمر صحابیہ تھیں۔ یہ بازاروں کا دورہ کرتی رہتی تھیں، لوگوں کو نیکی کا حکم دیتی تھیں اور جرم کرنے والوں کو کوڑے لگاتی تھیں (کوڑا ان کے پاس موجود رہتا تھا)۔

3- ام شریکؓ آغاز اسلام سے عورتوں میں تبلیغ کا کام کرتی تھیں۔ نیز ام شریکؓ کا مکان مہمان خانہ عام تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان اکثر ام شریک کی میزبانی میں ہوتے۔

نعمؓ بنت قناص کو اللہ نے انتظامی صلاحیتوں سے بہت نوازا تھا۔ چنانچہ بعض موقعوں پر اسلامی لشکر کی رسد کا اہتمام ان کے سپرد تھا۔

احتساب اور اعلائے کلمۃ الحق : ابو داؤدؓ سے روایت ہے کہ "جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا سب سے افضل جہاد ہے" اور مسلمان خواتین نے یہ افضل جہاد بطریق احسن ادا کیا۔

احتساب : اور صرف ارباب حکومت ہی عوام کو بھلائیوں کا حکم نہ دیں اور برائیوں سے نہ روکیں بلکہ یہ فرض عوام کا بھی ہے کہ وہ ارباب حکومت کو بھلائیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں۔ انہیں غلطی پر پائیں تو ٹوکیں اور مسلمان خواتین نے یہ کام، اپنا یہ فرض ہمیشہ ذاتی مفاد سے بالاتر ہو کر اسلامی ریاست کے مفاد میں جرات مندی سے ادا کیا ہے۔

چند مثالیں : (1) حضرت اسماءؓ بنت ابو بکر کا اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ بن زبیر کی شہادت کے بعد حجاج سے جو مکالمہ ہوا وہ جابر سلطان کے سامنے اعلائے کلمۃ الحق کا ایک ایسا نمونہ ہے جو اہل ایمان عورتوں کا ہی حصہ ہے اور حجاج جیسا جابر بھی حضرت اسماءؓ کی گفتگو سن کر سکتے میں

آگیا۔

(2) علامہ ابن اثیرؒ نے "اسد الغابہ" میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ وقت کے روبرو حضرت شفاءؓ نے نہایت جرات و بیباکی سے دل کی بات کہہ دی۔ یعنی آپؓ سچی بات برملا کہنے میں کسی کی رورعایت نہ کرتی تھیں۔

(3) حضرت عمرؓ فاروق سے ایک روز حضرت خولہؓ بنت حکیم ثعلبہ نے کہا۔

"اے عمرؓ! ایک زمانہ وہ تھا کہ عکاظ کے میلے میں تمہیں **عمیر عمیر** کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے بعد تم جوان ہوگئے لوگ تم کو عمر کہنے لگے۔ اب تم امیرالمومنین کہلائے جانے لگے ہو' خدا نے تمہیں کہاں سے کہاں پہنچایا اور رعایا کے ساتھ اپنی فطری سختی روا نہ رکھو بلکہ رعایا کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو۔"

(4) حضرت سودہؓ بنت عمارہ کا حضرت امیر معاویہؓ سے طویل مکالمہ

(5) اسی طرح حضرت عکرشہؓ بنت الحرش بھی حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں ان کے گورنروں کی شکایت لے کر پہنچیں۔

(6) حق بات کہنے میں کسی سے نہ ڈرنے کا اعلیٰ ترین اور فقید المثال مظاہرہ حضرت زینبؓ بنت علی نے کیا۔ خصوصاً" انہوں نے واقعہ کربلا کے بعد یزید کے دربار میں جو تقریر کی اسے سن کر یزید اور اس کے درباری مبہوت رہ گئے۔

انتظامیہ : اولو الامر کا عہد : مولانا سید سلیمان ندویؒ نے سیرت عائشہؓ میں واقعہ شہادت عثمان غنیؓ کے بعد بغرض اصلاح امت حضرت عائشہؓ کے خروج پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

"یہ صحیح ہے کہ عورت کے طبعی حالات فرائض امامت کے منافی ہیں' جو شرائط امام کے لئے اسلام نے قرار دیئے ہیں' ان سے عورت کسی طرح عہدہ براء نہیں ہوسکتی۔ اس لئے وہ امامت جمہور اور خلافت الٰہی کے فرض سے سبکدوش ہے۔ لیکن اس سے یہ غلط استناد نہیں کرنا

چاہیئے کہ مسلمان عورت کو کسی حالت میں بھی پبلک کی سیاسی و فوجی رہبری جائز نہیں۔ خصوصاً" ایسی حالت میں جب ساری ملت میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہو۔ اور اس کے خیال میں کوئی دوسرا اس فتنے کو بجھانے والا نہ ہو۔ امام مالک' امام طبریؒ اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہ" اور بعض دوسرے اماموں کے نزدیک عورت کو امارت و قضاء کا عہدہ مل سکتا ہے۔

اسلامی ریاست میں' اسلامی ریاست کی تعمیرو تشکیل میں خواتین کا کردار واضح کرنے کے بعد آیئے اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست کی ترقی سے کیا مراد ہے؟

اسلامی ریاست کی ترقی : اسلامی ریاست کی ترقی و فروغ کے متعلق گفتگو اسی وقت ممکن ہے جب ان بنیادی مقاصد کی وضاحت و صراحت ہوجائے جو کہ اسلامی ریاست کے پیش نظر ہونے چاہئیں۔ ان مقاصد کو سامنے رکھ کر ہی ہم یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ اسلامی ریاست کی ترقی کے عمل میں خواتین کا حصہ کتنا رہا ہے۔ اور یہ کہ خواتین کا کردار کیا ہے۔

سورہ الحدید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: "ہم نے اپنے رسول روشن دلائل کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

دوسری جگہ سورہ حج میں ارشاد ہوتا ہے۔

ترجمہ: "یہ مسلمان جن کو جنگ کی اجازت دی جارہی ہے' وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے' زکواۃ دیں گے' نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔"

یعنی : (1) نماز قائم کریں گے اور اس طرح دوسری عبادات کا بھی احترام و اہتمام کریں گے۔

(2) زکواۃ دیں گے اور اس طرح اسلام کا پورا معاشی نظام نافذ کریں گے۔

(3) نیکیوں کے فروغ کے لئے اقدامات کریں گے۔

(4) برائیوں کو مٹانے کے لئے اقدامات کریں گے۔

حدیث شریف ہے۔

"اللہ حکومت کے ذریعے ان چیزوں کا سدباب کرتا ہے' جن کا سدباب قرآن کے ذریعے سے نہیں کرتا۔"

یعنی جو برائیاں قرآن حکیم کی نصیحت اور فہمائش سے دور نہ ہوں۔ ان کو مٹانے کے لئے اور دبانے کے لئے حکومت کو طاقت درکار ہے۔

لہٰذا اسلامی ریاست کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی کوشش کرے جن سے اسلام انسانیت کو آراستہ کرنا چاہتا ہے اور ان برائیوں کو مٹانے اور دبانے میں اپنی ساری طاقت اور سارے وسائل لگادے جن سے اسلام انسانیت کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

اسلامی ریاست کی ترقی محض معاشی ترقی نہیں۔ محض امن کا قیام' قومی سرحدوں کا دفاع اور اپنے عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنا ہی نہیں' اس کی عملی ترقی کا دائرہ کار نہایت وسیع ہے۔

یعنی اسلامی ریاست کا مقصد اعلیٰ صرف فلاحی اور رفاعی ریاست کا قیام ہی نہیں' اپنے عوام کی مادی فلاح و خوشحالی ہی نہیں بلکہ اپنے عوام کی دنیوی اور دینی فلاح ہے' فلاح دارین ہے اور ان برائیوں کا سدباب ہے جن سے اللہ انسانیت کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

لہٰذا اسلامی ریاست کی ترقی کے درجے اور معیار کا تعین اسی سے ہوسکے گا کہ

1- نماز اور دیگر عبادات کس حد تک قائم کی گئیں؟

2- زکواۃ کی ادائیگی اور اسلام کا معاشی نظام کس حد تک نافذ کیا گیا؟

3- نیکی کا حکم دیا گیا؟

4- برائی سے روکا گیا؟

5- خواص و عوام انصاف پر قائم ہوئے؟ اور

(6) ان برائیوں کا سدباب کہاں تک ہوسکا؟ جن کا سدباب صرف قرآن کی نصائح سے ممکن

نہیں۔

اسلامی ریاست کی ترقی کے حصول میں خواتین کا کردار بہت اہم ہے۔ اور ان کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں۔ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں، اسلامی ریاست کی ترقی کے لئے خواتین نے جو کردار ادا کیا ہے۔ مقالے کے حصہ اولیٰ میں اس پر سیر حاصل بحث ہوچکی ہے.....

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

کتابیات :

۱۔ الاستیعاب فی معرفتہ الاصحاب از ابن عبد البر

۲۔ الاصابہ فی تمیز الاصحابہ، از ابن حجر

۳۔ اسد الغابہ فی معرفتہ الاصحابہ از ابن الاثیر جزری

۴۔ فتح الباری

۵۔ طبقات ابن سعد

۶۔ المغنی الابن قدامہ

۷۔ ہدایت المجتہد

۸۔ صحیح بخاری کتاب الشروط

۹۔ صحیح بخاری المغازی

۱۰۔ صحیح بخاری الجہاد

۱۱۔ اسلامی ریاست از سید ابوالاعلیٰ مودودی

۱۲۔ اسلامی ریاست از مولانا گوہر رحمان

۱۳۔ تذکار صحابیات از طالب ہاشمی

۱۴۔ عورت اسلامی معاشرے میں از سید جلال الدین انصر عمری

۱۵۔ اسلامی نظام از سید عطاء اللہ حسینی

۱۶۔ صحابیات از نیاز فتح پوری

۱۷۔ عورت از افتخار فریدی

۱۸۔ عورت اور اسلامی تعلیم از مالک رام

۱۹۔ سیرت عائشہ از سید سلمان ندوی

۲۰۔ سیر الصحابیات از مولانا سعید انصاری

اصلاح معاشرہ میں خواتین کا کردار
تعلیمات نبوی کی روشنی میں

معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ فرد ہمیشہ اصلاح طلب ہوتا ہے اور شخصی تربیت اور تربیت نفس کا ضرورت مند۔

افراد سے تشکیل پذیر معاشرہ بھی بالکل افراد ہی کی طرح ہمیشہ اصلاح چاہتا ہے اور خصوصاً" ہمارا موجودہ معاشرہ۔ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہمارے آج کے معاشرے میں اعلیٰ اقدار زوال پذیر ہیں۔ اچھائیوں کا تناسب روز بروز کم ہوتا جارہا ہے اور برائیوں کا تناسب بڑھ رہا ہے۔

لہٰذا اصلاح معاشرہ کی ضرورت آج کچھ زیادہ ہی پائی جاتی ہے۔ معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے۔ خاندان ہے۔ گھروں کا ماحول پاکیزہ اور اعلیٰ اقدار کا حامل ہو تو گویا معاشرے کی ہر اکائی بذات خود بہتر' ستھری اور پاکیزہ ہوگی اور اس طرح ایک مثالی معاشرہ وجود میں آئے گا۔

اصلاح معاشرہ میں خواتین کے کردار پر غور کرتے ہوئے یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ خواتین' مجموعی معاشرے میں تعداد کے لحاظ سے مردوں کے مساوی یا تقریباً" مساوی ہی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اول تو اگر ہر ہر خاتون اپنی ذات کی اصلاح پر توجہ دے تو اس طرح عورتیں معاشرے کی اصلاح پر اثر انداز ہوسکتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی گھر کیونکہ مسلمان خواتین کے دائرہ کار کا محور و مرکز ہوا کرتا ہے اس لئے معاشرے کے بگاڑ کی اصلاح کے لئے گھر یعنی معاشرے کی بنیادی اکائی کو مستحکم کرنا بہت بنیادی بات ہے۔ اور خانگی زندگی کا دارومدار صنف نازک پر ہوتا ہے۔

پیغمبر اعظم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"عورتیں ریاست و معاشرت کا ستون ہیں"

درود و سلام ہو ہمارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ آپ نے عورتوں کو خانگی

اور معاشرتی ہر دو سطح پر ان کا صحیح مقام و درجہ عطا فرمایا۔ خانگی اور معاشرتی ہر دو سطح پر عورت کو انسانی عظمت و احترام سے سرفراز کیا۔

دراصل کسی معاشرے میں "عورت" کو جو مقام عطا کیا جائے وہ اس لئے بہت بنیادی اہمیت رکھتا ہے کہ ایک تو اس مقام کی بدولت خود عورت کی ذات' شخصیت اور معاشرے میں اس کے کردار کا تعین ہوتا ہے۔ دوسرے لازمی طور پر خود پورا معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ اگر بالفرض عورت کو اس کا صحیح مقام و مرتبہ نہ دیا جائے تو نہ صرف معاشرہ اس کی قابلیت و صلاحیت سے استفادہ کرنے سے محروم رہتا ہے بلکہ عورتیں اپنے مخصوص دائرہ کار یعنی گھر میں بھی خاطر خواہ اور بھرپور کردار ادا نہیں کر سکتیں۔

اصلاح معاشرہ کے عمل میں خواتین کا کردار مردوں کے کردار کے مقابلے میں بہت زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ عورت "ماں" ہے اور ماں کی گود میں ہر معاشرے کی نئی نسل پیدا ہوتی ہے اور ماں کے ہاتھوں پروان چڑھتی ہے۔ ماں اپنی تربیت سے نسل نو کو کردار و عمل کا ایسا نمونہ بنا سکتی ہے جو انسانیت کے لئے باعث فخر ہو۔

اپنی نئی نسل تک زندگی کی اعلیٰ اقدار پہنچانے میں عورتوں کا حصہ زیادہ ہوتا ہے۔ اور نئی نسل کی ذات و شخصیت میں اعلیٰ اقدار اور اوصاف حمیدہ کا رچاؤ ماں ہی کرتی ہے۔

غیر محسوس طور پر اپنے نظریات' اپنے طرز فکر اور اپنی شخصی خوبیوں کو اپنی گود میں پلنے والی نئی نسل کو منتقل کرتی رہتی ہے۔

ماں کی گود انسان کی اولین درسگاہ ہوتی ہے۔ یہ درسگاہ جتنے بلند معیار کی ہوگی۔ یعنی ماؤں کی تربیت جتنے بلند معیار کی ہوگی' اگر جذبہ ایمانی کی سچائی کے ساتھ ہوگی اور اسلام کی تعلیمات کی روح کے مطابق ہوگی تو معاشرہ بھی اسی معیار کا ہوگا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے حضرت فاطمہ الزہرا کے روپ میں مکمل نمونہ عمل مسلمان ماؤں کے سامنے پیش کر دیا۔

بقول اقبال۔ ع

"مادراں را اسوہ کامل بتول"

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو شاہکار تربیت رسول کہلانے کی مستحق ہیں۔ آپ کا اسوہ وہ تحفہ عظیم ہے جو مسلمان ماؤں کے لئے بہترین اور کامل نمونہ عمل ہے۔ حضرت فاطمہ بنت محمدؐ سے ہر ماں یہ سبق اور نمونہ عمل سیکھ سکتی ہے کہ بیٹیوں اور بیٹوں کی تربیت کیسے کی جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام کے سامنے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔

ترجمہ : "اے اہل ایمان اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"۔

تو صحابہ کرام نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم اپنے آپ کو تو جہنم کی آگ سے بچا سکتے ہیں، اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے کیونکر بچاسکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم انہیں ایسے کام کرنے کا حکم دیتے رہو جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے روکتے رہو جن سے اللہ ناراض ہوتا ہے"۔

میں سمجھتی ہوں کہ اصلاح معاشرہ کے لئے یہی بنیادی عمل ہے، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکو کا فریضہ اور تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں اصلاح معاشرہ میں اہل ایمان خواتین کے کردار کی اساس ہے۔

جیسا کہ ایک حدیث مبارک ہے۔

"تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور اس سے (اس کی رعیت کے متعلق) سوال کیا جائے گا۔ اور ماں باپ سے ان کی اولاد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔"

لہٰذا ثابت یہ ہوا مسلمان خواتین تربیت اولاد اور اصلاح اولاد کے متعلق ذمہ دار ہیں اور ان سے اولاد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

ہم مسلمان خواتین پر ان احادیث کی روشنی میں فرض عائد ہوتا ہے کہ جو اولاد اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے لطف و کرم سے عنایت کی ہے اس کی تربیت و پرورش پوری پوری ہوشمندی سے کریں۔ کیونکہ یہ ایک ایسا اہم کام ہے جس سے پورا معاشرہ بنتا ہے۔ لہٰذا حکیم و بصیر اللہ

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت اولاد' شخصیت سازی اور اصلاح معاشرہ کا جو بے حد اہم اور بنیادی فریضہ ہم مسلمان خواتین کو تفویض کیا ہے اس کے لئے ہم سے یوم حشر میں سوال کیا جائے گا۔

شاید یہی سبب ہے کہ کہا جاتا ہے کہ "سیرت فرزند را از امہات" یعنی بیٹوں کی سیرت و کردار ان کی ماؤں سے ہے۔ آج جب ہم اپنے معاشرے میں اخلاقی گراوٹ' اعلیٰ اقدار کی کمی اور عملیت کا فقدان دیکھتے ہیں۔ آج جب ہم مسلمانوں کو مسلمانوں کے کردار سے عاری دیکھتے ہیں۔ تو یہ صورت احوال دراصل اس حقیقت کو اجاگر کرتی ہے کہ آج کی مسلمان مائیں یا تو اخلاص عمل سے' جذبہ ایمانی کے لحاظ سے اس معیار اور اس درجے کی مسلمان خواتین نہیں رہیں یا پھر اپنے فرائض سے کوتاہی کی مرتکب ہو رہی ہیں۔ جس معیار پر تعلیمات نبویؐ کے مطابق مسلمان ماؤں کو ہونا چاہئے۔

ماؤں کی سیرت و کردار' علم و فضل اور معمول تو بچے کی شخصیت و ذات پر اس کی ولادت سے پہلے یعنی دوران حمل سے اثرانداز ہوتا ہے اور رحم مادر میں بچے کے ذہن کی ساخت و تعمیر پر گہرے نقوش چھوڑتا ہے۔

اپنے اس بیان کی تصدیق کے لئے مغربی علوم کی تحقیقات کی رپورٹوں کا حوالہ دینے کے ساتھ ساتھ میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ پیش کروں گی۔ جب بچپن میں سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی نے قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی تو سورہ بقرہ میں آسانی سے رواں ہوگئے۔ وہ اس لئے کہ ان کی والدہ زمانہ حمل میں سورہ بقرہ کا ورد رکھتی تھیں۔

دراصل ماہرین جنینیات اس بات پر متفق ہیں کہ دوران حمل' رحم مادر میں بچے کے ذہن و دماغ کی ساخت پر داخت و تشکیل ماؤں کے علم و دانش' معمولات اور ذہن و فکر سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔

اس کی صداقت کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ تمام اولیاء کرام اور نیک ہستیوں کی مائیں ہمیشہ بہت نیک' متقی اور باعمل خواتین ہوتی رہیں۔ راسخ العقیدہ اور باعمل مسلمان خواتین کے بطن

سے ہی قابل فخر فرزندان توحید اور بطل جلیل پیدا ہوا کرتے ہیں۔

یہی حکمت تھی کہ میرے اور آپ کے محسن اعظم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین' اہل ایمان خواتین کی تربیت و تعلیم پر زور دیا۔ مسلمان مردوں کے ساتھ ساتھ مسلمان عورتوں کے لئے بھی "طلب علم" کو فرض قرار دیا۔

ماہرین عمرانیات کی نظر میں معاشرتی اصلاح کا جامع اور ہمہ گیر پروگرام یہی ہے کہ افراد معاشرہ کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کے اجالوں میں لایا جائے۔ یعنی معاشرتی اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ معاشرے کے افراد کو تعلیم یافتہ بنا دیا جائے۔ اور یہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے کہ مسلمان خواتین کو حصول علم سے محروم نہ رکھا جائے۔ آج اگر بیٹوں کی تعلیم پر والدین یہ سوچ کر توجہ دیتے ہیں کہ وہ باشعور شہری بنیں۔ اپنی معاش بہتر طور پر کما سکیں تو بیٹیوں کو یہ سوچ کر تعلیم سے بہرہ مند ہونے کا موقع دیں کہ وہ باشعور شہری بنیں۔ نیز بہتر ماں' بہتر بیوی' بہتر بہن اور بہتر بیٹی بن سکیں۔

مسلمان خواتین حدیث نبویؐ کی روشنی میں اگر طلب علم کے فریضے کی ادائیگی کو اپنی زندگیوں میں اولین اہمیت دیں۔ نیز اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کے حصول علم کی راہ ہموار کریں تو یہ معاشرہ تعلیم یافتہ افراد کا معاشرہ ہو گا اور جہالت کے باعث' جو جو معاشرتی برائیاں ہمارے معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں ان کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

قرآن حکیم نے مومن عورتوں کے اوصاف کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو حیاء کی تلقین کی' عورتوں کو اپنی زینت کی نمائش سے روکا۔ غور فرمایئے کہ ان تعلیمات نبویؐ سے عورتوں کے معاشرتی طرز عمل سے اصل مقصود معاشرے کو فحاشی' عریانیت اور بے حیائی سے پاک کرنا ہے۔ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے والی خواتین کو تو معاشرے میں عزت و وقار اور احترام ملتا ہی ہے۔

تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں معاشرتی اصلاح کے موضوع پر غور کرتے ہوئے اور خواتین کے کردار سے بحث کرتے ہوئے بہتر یہ ہو گا کہ آج پاکستانی معاشرے کے قابل اصلاح پہلوؤں کو

فرداً" فرداً" زیر غور لایا جائے۔ نیز یہ جائزہ لیا جائے کہ ان مسائل و نقائص کی اصلاح کے ضمن میں تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں مسلم خواتین کا کیا کردار ہوگا۔

آج ہمارے معاشرے میں راتوں رات دولتمند بن جانے کا جنون عام ہے۔ کسب حلال کی اہمیت کو پس پشت ڈال کر دولت کی ہوس نے معاشرے میں بے شمار خرابیوں کو جنم دیا ہے۔ اگر خواتین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق سادگی سے اپنی زندگی بسر کرنے کا شعار اپنالیں' غیر ضروری فرمائش' ہر ممکن آسائش کی خواہش سے اپنے آپ کو باز رکھیں تو ان کے گھرانے کے مرد جائز و ناجائز حصول دولت پر مجبور نہ ہوں گے۔

راشی و مرتشی دونوں کو جہنم کی وعید دینے والی حدیث کی نہ صرف یاددھانی کرواکے بلکہ غیر ضروری اخراجات سے پہلو تہی کر کے خواتین رشوت کی لعنت کو معاشرے سے ختم کرنے میں مددگار ہوسکتی ہیں۔

معاشرہ اخلاقی اعتبار سے جس انحطاط کا شکار ہے۔ اول تو یہ کہ اگر ہر عورت حیاء اور پردے کے تقاضوں پر عمل پیرا ہو تو بے حیائی اور فحاشی کا قلع قمع ہوجائے۔ عورت کی نام نہاد آزادی کے رجحان کی بدولت اسلامی معاشرت کے خلاف ہمارے رویے کی اصلاح صرف اور صرف اس طور پر ممکن ہے جبکہ ہم اپنی ذاتی زندگیوں میں نبی آخر زمان کی تلقین کے عین مطابق زندگی گذاریں۔

آج اگر ہم مسلمان خواتین اپنے معاشرتی رویے اور اپنی اپنی اولاد کے معاشرتی رویے میں تعلیمات نبویؐ کے تحت یہ روش اختیار کریں. کہ

"میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے"

ہر مسلمان سے' ہر ہم وطن سے یہ سوچ کر کہ میرے آقا مولا نے مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی قرار دیا ہے۔ اور بھائی سے محبت کی جاتی ہے۔ اس کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس سے مروت برتی جاتی ہے۔ اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ اس سے درگذر کیا جاتا ہے۔ تو یقین مانیئے کہ پاکستان میں عالم یہ ہو کہ

"محبت کا زمزم بہتا رہے"

صوبائی تعصب اور منافرت کا وجود پاکستانی معاشرے سے عورت ہی ختم کرسکتی ہے۔

نئی نسل میں منشیات کے بڑھتے ہوئے رجحان کا صحیح معنوں میں سدباب مسلمان ماں کے فیضان نظر سے ممکن ہے۔ اگر نئی نسل کے لئے ان کی مائیں ان کی حقیقی دوست اور غمگسار بن جائیں۔ ان کی محرومیوں میں ان کا ذہنی و جذباتی سہارا ہوں۔ ان میں ہمت و حوصلہ پیدا کرنے والی ہوں اور اپنی اولاد کو اللہ سے لو لگانے کی ترغیب دینے والی ہوں۔ اللہ پر کامل بھروسہ اور مکمل ایمان و ایقان ان کی روح میں اتار دیں تو ایسے تباہ کن سہارے کی تلاش یا ایسے سہارے پکڑنا ہمارے بچوں کا مقدر نہیں بن سکے گا۔

آخر میں، میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ! آج کی پاکستانی خواتین کو مسلمان ماں کا نور بصیرت اور طرز محبت عطا کردے۔ تاکہ ہمیں اور ہمارے بچوں کو زیست کرنے کی ادا آجائے اور ہمارا معاشرہ خالصتاً" مادی معاشرے کی بجائے ایسا معاشرہ بن جائے جس کا منتہائے مقصود دین و دنیا کی فلاح ہو۔ آمین۔

محسن نسواں اور مسلمان خواتین

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم محسن اعظم ہیں۔ سب سے بڑے محسن انسانیت اور خصوصاً محسن نسواں ہیں۔

پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے سے عورت کی پہچان کروائی۔ عورت کو اس کا صحیح مقام و مرتبہ عطا فرمایا۔ نیز خود عورت کو بھی وہ سمجھ عطا فرمائی کہ وہ خود اپنے آپ کو پہچان سکے۔ یعنی عورت کے ساتھ جو غیر انسانی اور ظالمانہ رویہ اختیار کیا جاتا تھا اس کی بدولت عورت نفسیاتی طور پر اس درجہ احساس کمتری میں مبتلا ہوگئی کہ اس کو اپنی ذات پر اعتماد اور بھروسہ نہ رہا۔ اپنی صلاحیتیں اس پر اجاگر اور آشکار نہ ہوئیں اور صدیوں وہ خود ناشناسی کے عالم میں زندہ رہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر حیثیت میں عورت سے اس درجہ حسن سلوک کا رویہ اختیار کیا اور اختیار کرنے کا حکم دیا کہ اپنی ذات پر اعتماد نہ رکھنے والی اپنے آپ سے ناشناس عورت کو خود اپنی پہچان ہوگئی۔ اسلامی تعلیمات نے عورت کے ذہن کو بھی بدل ڈالا اور قلب و نظر کی بصیرت عطا فرمائی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف باطنی اصلاح کو ہی کافی نہ سمجھا بلکہ قانون کے ذریعے بھی عورت کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا۔

معاشرے کی بنیادی اکائی یعنی گھر میں عورت کی چار بڑی حیثیتیں یا روپ ہوتے ہیں شریک حیات، ماں، بیٹی اور بہن۔

شریک حیات کی حیثیت میں صنف نازک کو تحفظ عطا فرمانے کے لئے محسن نسواں ارشاد فرماتے ہیں۔

"عورتوں کے ساتھ انتہائی خیر و خوبی کی روش اختیار کرو کیونکہ وہ تمہاری اسیر ہیں۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صنف نازک کی نزاکت احساس اور لطافت طبع کا احساس کرتے ہوئے فرمایا۔

"عورت پسلی کی مانند ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اسے توڑ دو گے اگر

اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھاؤ گے۔"

اے خواتین مکرم قربان ہوجائیے محسن نسواں پر کہ عورت کی نفسیات کو جن سے بہتر نہ کوئی سمجھا اور نہ جن سے بہتر خواتین کے ساتھ کسی نے سلوک کیا۔

ظہور اسلام سے پہلے ذلت و پستی کے مہیب غاروں میں بسنے والی عورت کے ذہنی و فطری ارتقاء کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔ کارزار حیات میں عورت کے حقوق کا تحفظ فرمانے والے دین مبین کے پیغمبر اعظم نے دنیا پر اجاگر کردیا کہ جس طرح مرد اپنا مقصد وجود رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی۔ عورت محض مرد کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بلکہ عورت اور مرد دونوں ہی قدرت کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"عورتوں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔"

عورتوں کے حق کو تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اس دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا اور تسلیم کرنے اور یہ حق ادا کرنے کی ترغیب و ہدایت کی۔ عورتوں کے معاملے میں خدا کے خوف کا احساس پیدا کرنے والا میرا اور آپ سب کا محسن اعظم ہے۔

محترم بہنو! نام نہاد آزادی نسواں کے دور جدید میں نہیں بلکہ چودہ سو سال قبل کے اس معاشرے میں جہاں عورت کو پیدا ہوتے ہی زندہ قبر میں گاڑ دیا جاتا تھا' جہاں عورت ایک غیر مفید اور بیکار شے تھی جہاں عورت شہوانی جذبات کی تسکین کا ذریعہ تھی ذلت و پستی کی گہرائی میں پڑی ہوئی عورت کے لئے جہاں عورت خود اپنا وجود کھو چکی تھی میرے آقا نے یہ انقلاب انگیز طرز فکر دنیا کو عطا کیا بلکہ اس سراپا رحمت نے فرما دیا۔

"دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے" خود عورت کی شخصی تربیت محسن نسواں نے کس دلکش طریقے پر فرمائی۔ حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کون سی عورت سب سے اچھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو ایسی ہو کہ جب شوہر اس کو دیکھے خوش ہوجائے اور جب اس کو کوئی حکم دے تو بجا لائے اور اپنی ذات اور مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات نہ کرے۔"

ایک اور حدیث کے ذریعے عورت کی ذمہ داریوں کو اس طرح واضح فرمایا

"جب شوہر کہیں باہر جائے تو اس کی غیر موجودگی میں اس کے گھربار اور اس کی ہر امانت کی حفاظت کرے"

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جس کو وہ مل جائیں تو دین و دنیا کی بھلائی اس کو نصیب ہو جائے۔

(1) شکر گذاری (2) ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے والی زبان (3) بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور (4) وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کسی کو متذکرہ بالا تین چیزوں کے علاوہ ایک امین و عفت ماب شریک حیات عورت کا ساتھ نصیب ہو جائے تو گویا اس خوش نصیب کو دونوں جہاں کی فلاح نصیب ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کی اشاعت کی یعنی دین اسلام اس دین نے ایک طرف تو عورت کو اس کے صحیح مقام سے آشنا کیا اور دوسری طرف عورت کو اس کے حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ فرائض بھی بتائے۔ اور ان فرائض کی تکمیل کے لئے عورت کو جس کردار کی اور جن اوصاف، کی ضرورت ہے ان کو بھی اجاگر کیا عورت کا صحت مند خصوصیات کا حامل ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ عورت ایک ذمہ دار اور وفا شعار بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ ماں بھی ہے۔ اور بحیثیت ماں عورت کا کردار اہم ترین ہے۔ اگر عورت اچھی ماں ہو تو معاشرے کے لئے بہترین تربیت یافتہ افراد پیدا کرسکتی ہے۔

کوئی شخص، کوئی انسان اپنی ماں کی خوشنودی اور فرمانبرداری کئے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ محسن و مہربان آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ اور انسان کے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق ماں کو قرار دیا۔ ماں کی خدمت جہاد میں شرکت سے زیادہ اہم اور ضروری قرار دیا۔ اور فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

"اللہ نے حرام کی تم پر ماؤں کی نافرمانی اور ادائیگی حقوق سے ہاتھ روکنا اور ہر طرف سے

مال بٹورنا اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔

حقوق نسواں کے حوالے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا معاشرہ تشکیل دیا جو آج تک کوئی دوسرا انسان نہ دے سکا۔ اے کاش کہ آج کی دنیا میں ہم پاکستان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے خطوط پر اس طرز کا معاشرہ قائم کرسکیں۔

ارشاد نبوی ہے کہ

"عورت کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھنے والے اللہ کے محبوب بندے ہوتے ہیں"۔

حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

"جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی اور انہیں تعلیم و تربیت دی اور ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا یہاں تک کہ اللہ انہیں بے نیاز کردے تو اس شخص کے لئے اللہ نے جنت واجب کردی"۔

"محسن نسواں نے بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ حسن سلوک' ان کی تربیت اور تکریم کے صلے میں دوزخ کی آگ سے نجات مل جانے کی ضمانت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہترین صدقہ بے سہارا بیٹی کی کفالت قرار دیا۔

ذرا غور فرمائیے اس باریکی پر کہ مرد اپنی تمام تر قوامیت کے باوجود کبھی جنت کا حقدار بنتا ہے ماں کی خدمت و فرمانبرداری سے' کہیں نار جہنم سے نجات پاتا ہے۔ بیٹیوں اور بہنوں کے ساتھ رحم کے سلوک اور سرپرستی سے اور کہیں شریک حیات کے ساتھ بہترین سلوک رکھنے کے صلے میں اللہ کے محبوب بندوں میں شامل ہوجاتا ہے۔"

اور بلاشبہ یہی وہ تعلیمات تھیں جن کے باعث تاریخ اسلام نے

فاطمہ بنت عبداللہ جیسی بچیاں

فاطمہ بنت خطاب جیسی بہن

اور حضرت فاطمتہ الزہرا جیسی مائیں پیدا کیں۔

آج کے دور میں محسن نسواں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہم مسلمان خواتین

سے کیا تقاضہ کرتی ہے جب ہم اس موضوع پر غور و فکر کرتے ہیں تو سب سے پہلے تو یہ نکتہ ہمارے سامنے آتا ہے کہ محسن نسواں نے معاشرے سے عورت کی پہچان کروائی۔ عورت کو اس کا صحیح مقام و مرتبہ عطا فرمایا نیز خود عورت کو بھی وہ سمجھ عطا فرمائی کہ وہ خود اپنے آپ کو پہچان سکے۔

لہذا آج کے دور میں بلکہ نبی کریم ﷺ کے بعد کے ہر دور میں سیرت مبارکہ کا تقاضہ ہے کہ خواتین جو کہ رسول اکرم کی محبت سے خود سرشار ہیں ان کے دل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مملو ہوں بلکہ بحیثیت ماں ان کا فریضہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت کو اس طرح اپنے بچوں کی رگ و پے میں اتار دیں کہ یہ محبت رسول ان کے بطن سے پیدا ہونے والے بچوں کے دلوں میں جاگزین ہو جائے۔

اے مسلمان ماؤ! اے مسلمان بہنو! اور اے مسلمان بیٹیو! یہ ہمارا فرض ہے بلکہ فرض اولین ہے کہ ہم اللہ کی محبت اور اللہ کا خوف اور نبی کریم ﷺ کی محبت اور احترام اور آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کا جذبہ اپنی اولاد کے دلوں میں جگائیں اپنے بچوں کے ضمیر میں سما دیں' ان کے رگ و پے میں اتار دیں۔

ہم خواتین کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو معلومات ہوں ایک تو شعوری طور پر یہ کوشش کریں کہ ان میں اضافہ ہوتا رہے نیز اس سے بھی زیادہ اہم یہ ہے کہ جو معلوم ہو وہ معمول بن جائے۔ یعنی سیرت کو اپنے روز مرہ عمل میں اختیار کریں اور سیرت کا اتباع اور پیروی کریں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں اور روز مرہ کے معمولات میں سنت کے طریقے پر عمل پیرا ہونے سے رفتہ رفتہ ہماری تربیت نفس ہوتی ہے اور اس طرح ہم سنت کے مطابق اپنی زندگیوں کو متشکل کرلیں گے۔

ضروری یہ ہے کہ اپنی گود میں پلنے والی آئندہ نسل کو بھی ہم یہ شوق و جذبہ دیں۔ نبی کریم کی محبت اپنے بچوں کے دلوں میں پیوست کرنے کے بعد ہم یہ ذوق بھی ان میں پیدا کریں کہ وہ سیرت کا مطالعہ کریں اور سیرت کا اتباع و پیروی کریں۔

ہم مائیں سیرت مبارکہ کو اپنے بچوں کا آئیڈیل بنا دیں نبی کریم ﷺ کی ذات اور سیرت مبارکہ ہمارے بچوں کی نظر میں آئیڈیل اور مثالی ہو ان کا ایقان و ایمان ہو کہ دنیا کے سب سے بڑے، مثالی اور قابل تقلید انسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آیئے اپنی زندگی پر نظر ڈالیں کہ ہم خواتین نے سنت و سیرت النبوی کو اپنی روز مرہ زندگی میں کس حد تک نافذ کر رکھا ہے۔

کیا ہم خواتین نت نئے لباسوں کی خواہش کرتے ہوئے یہ سوچتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسراف کو ناپسند کیا ہے؟

اپنے لئے لباسوں کا انتخاب کرتے ہوئے کیا ہم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ آنحضرت نے کس قسم کے لباس کو مسلمان خواتین کے لئے زیبا قرار دیا؟

گھروں سے باہر نکلتے وقت ہم جو انداز اختیار کرتے ہیں کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے پسند کیا ہے۔ ہمارے حلیے اور انداز کیا حدیث و قرآن کے احکامات کے مطابق ہیں؟

جب ہم خواتین خود باحیا ہوں گی جبھی اپنی بیٹیوں اور بیٹوں میں حیا پیدا کر سکیں گی۔
جب خود قناعت پسند ہوں گی تبھی اولاد کو قناعت کا سبق دے سکیں گی۔
نسل و رنگ، لسانی و صوبائی تعصبات اپنے دلوں میں پیدا کرتے وقت کیا ہم نے سوچا ہے کہ خود بھی اس سے پاک رہیں اور اپنی اولادوں کو بھی اس سے پاک رکھیں کہ یہ اسلام کی روح کے منافی ہے۔ بلال حبشیؓ اور سلمان فارسیؓ کو مقرب و عزیز رکھنے والے رسول کے امتی اور دعویدار محبت ہیں تو اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اپنے عمل کی اساس بھی بنائیں۔

ایک مسلمان کا خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے یہ تعلیم دینے والے رسول کی محبت کا تقاضہ کیا ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کیا جائے ایک دوسرے کے خون کی حرمت کا لحاظ کیا جائے۔

دنیاوی جاہ و منصب اور عیش و عشرت کی تمنائیں کرتے وقت کیا کبھی وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دل میں آئے جو بوریہ نشین تھے کھجور کی کھری چارپائی پر آرام فرمانے سے جسم اطہر پر بان کے نشانات ابھر آتے ہیں سرور کائنات کی کائنات یہ ہے کہ دیوار پر مشکیزہ لٹک رہا ہے اور ایک کونے میں ذرا سے ستو رکھے ہیں۔ اے خواتین معظم کبھی اپنے گھروں کو سیٹ کرتے وقت اپنے لئے عیش و آسائش کی اشیاء خریدتے وقت کیا ہم نے آنحضرت کی سادگی و بے نفسی کا خیال کیا۔

قربان ہوجایئے آقائے دو جہان کی اس حکمت پر کہ آپؐ نے فرمایا کہ" اگر اللہ نے تمہیں نعمتوں سے نوازا ہے تو اس طرح رہو کہ ان نعمتوں کا اظہار ہو"۔ بے شک ہم جیسے اپنے نفس کے بندوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رعایت دے دی کہ ہم اظہار نعمت کے ساتھ زندہ رہیں لیکن کیا ہمیں یہ نہیں چاہئے کہ ہوس دنیا اور اور حرص دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد نہ بنالیں۔

ہمیں چاہئے کہ اپنی زندگی کے بنیادی معیارات تو وہی رکھیں جو اسلام نے ہمیں دیئے ہیں۔ اگر ہم خواتین سنت و سیرت کو اپنے لئے نمونہ عمل بنا کر اپنی زندگیوں کو ان کے مطابق مرتب کریں تو ہوسکتا ہے کہ ہم ماؤں کے بطن سے وہ بطل جلیل پیدا ہوں جو عالم اسلام کے عموما" اور اسلامی انقلاب کے خصوصا" داعی ہوں اور نقیب ہوں شرط یہی ہے کہ ہم جلسوں میں فقط یہ دعائیں مانگنا کافی نہ سمجھیں کہ اللہ ہمیں خولہ جیسی دختر دے اور صدیق و عمرؓ عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے بیٹے عطا کر بلکہ اس دعا کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو اس طرح تربیت بھی دیں تو یہ دعائیں انشاء اللہ ضرور پوری ہوں گی۔ آمین۔

بارگاہِ ربّ العزت میں

بجز بھروسے کے پاس کیا ہے
سوائے رحمت کے آس کیا ہے

قریب ہے گر گمان سے بھی
گمان کیا ہو قیاس کیا ہے

تشکر اس کا عمل سے ہوگا
زباں پہ حرف سپاس کیا ہے

خشیت اس کی جو قلب پر ہو
تو پھر کسی کا ہراس کیا ہے

وہ میرا آقا ہو مجھ سے راضی
ہر اک عمل کی اساس کیا ہے

ہو ساری ہستی ہی امتحاں جب
تو خوف کیسا ہراس کیا ہے

یہ سارے رشتے غرض پہ مبنی
محبتوں اور قرابتوں کی اساس کیا ہے

فریب ہستی کو جو نہ سمجھے
تو وہ نظر حق شناس کیا ہے

زباں پہ ہو کلمۂ شہادت
رہے نہ ہوش و حواس کیا ہے

کرے جو مولا وہی ہے بہتر
یہ آس کیا اور یاس کیا ہے

میں اسکی بندی ہوں فائزہ جب
گنہ کا خوف و ہراس کیا ہے

جنوری ۱۹۹۳ء میں مدینہ طیبہ سے

منتخب نعتیں

واپسی کے بعد۔

دعائیہ نعت

یا رب مجھے نبی کی محبت ہو بے حساب
حسن عمل کی مجھ کو سعادت ہو بے حساب

دل ہو میرا ایمان کے انوار سے معمور
مجھ کو عطا ایمان کی دولت ہو بے حساب

ہو جائے گی آسان ہر اک مشکل حیات
مجھ پر نبی کی چشم عنایت ہو بے حساب

بھیجوں درود اتنا میں خیر الانام ﷺ پر
اللہ کے عمل کی نیابت ہو بے حساب

اے کاش میری موت پر آئے صدائے غیب
بندی ہماری داخل جنت ہو بے حساب

دنیا میں لگ گئی ہوں مگر آرزو ہے یہ
مجھ کو قیام و اذن زیارت ہو بے حساب

یہ کم نہیں شرف کہ ہوئی ان کی امتی
مجھ کو ادائے شکر کی عادت ہو بے حساب

مجھ کو در نبی ﷺ سے ملے اذن حاضری
دل کو مرے سکون ہو راحت ہو بے حساب

جس کی نگاہ تیرے کرم کی ہو منتظر
اس پر ترا کرم تیری رحمت ہو بے حساب

ہر اک قدم پہ راہ عمل ان سے پائی ہے
روز جزاء بھی انکی اعانت ہو بے حساب

اللہ کی مخلوق ہے اللہ کا کنبہ
مجھ سے اسی مخلوق کی خدمت ہو بے حساب

حسن کمال حق رسالت کیا ادا
للہ انکا حق شفاعت ہو بے حساب

اسلام کے عروج کا، عظمت کا دور ہو
اس دین کا قیام ہو نصرت ہو بے حساب

ذکر رسول ﷺ، ذکر الٰہی ہو میرا شغل
اب فائزہ پہ لطف و عنایت ہو بے حساب

رسائی نارسائی سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے
محمد ہیں مکین اسکے یہ میرا دل مدینہ ہے

اسم محمد دل پہ لکھا ہے اسم محمد دل میں بسا
حب نبی سے دل مملو ہے، لیکن ہے کتنا پاس وفا

دل سے جانا، دل سے مانا اسوۂ مولا کو میں نے
روز و شب میں اپنے عمل میں جتنا بھی اسکو شعار کیا

اپنے رب سے جب بھی مانگو اسم محمد کے صدقے
اسم محمد کے صدقے میں ہوتی ہے مقبول دعا

اظہار عقیدت

خواہش ہے دلی ذکر نبی ﷺ کی ہو سعادت
حاصل ہو کرم آپ کا اور چشم عنایت

معراج قلم ہے کہ لکھے آپ کی مدحت
ہے میرے لئے نعت نبی عین سعادت

قرآن کی آیات میں سب سے بڑی آیت
اور سب سے بڑا حکم محمد کی اطاعت

قرآن مجسم مرے آقا کی ہے سیرت
ہے انکی اطاعت تو ہے اللہ کی طاعت

آدمؑ کو ملی آپ کے صدقے میں براءت
اور ہو گئی ہے آپ پر تکمیل ہدایت

مومن کے لئے اسوۂ کامل ہے یہ سنت
خلق آپ کا بے شبہ ہے قرآن سے عبارت

الفاظ کریں کیسے بیاں آپ کی عظمت
معراج میں کی آپ نے نبیوں کی امامت

چاہت ہو اگر دل میں تو ہو آپ کی چاہت
اور سب سے سوا آپ سے احساس قرابت

سب خورد و . کلاں کرتے رہے آپ کی مدحت
ٹھہرے جو بنی سعد میں دوران رضاعت

کرلیں جو قبول آپ ﷺ یہ اظہار عقیدت
میرے دل بیتاب کو مل جائیگی راحت

اے فخر امم، فخر رسل رحمت و رافت
ہے فائزہ کو آپ سے امید شفاعت

وہ کتنا سچا آقا ہے

میں اکثر سوچا کرتی ہوں
اور نم دیدہ ہو جاتی ہوں
وہ کتنا پیارا آقا ہے
وہ کتنا سچا آقا ہے

میں ان کو دعائیں دیتی ہوں
میں ان کو سلامی دیتی ہوں

امت کے سبھی محروموں کا
کس درجہ خیال خاطر تھا

وہ سرور ﷺ دونوں جہانوں کا
اور نان جویں تھی جن کی غذا

کم علم بھی ہوں کم فہم بھی میں
پھر ان کے علوئے مرتبہ کا
کس طرح بھلا ادراک کروں
کس حد تک میں احساس کروں

دل میرا گواہی دیتا ہے
اشکوں کی زبانی کہتا ہے

میں عرض غلامی دیتی ہوں
میں ان کو سلامی دیتی ہوں

وہ وجہ بنائے عالم ہیں
اور خود ان کا یہ عالم ہے
اک کونے میں کچھ ستو ہیں

اور ایک پیالہ مٹی کا
مشکیزہ اک دیوار پہ ہے
اور ان کے جسم اطہر پر
بانوں کے نشان ابھرتے ہیں

وہ بے بستر جو لیٹے ہیں
وہ دنیا سے بے پروا ہیں
وہ دنیا سے کیا لیتے ہیں
وہ سب دنیا کو دیتے ہیں

اب فرد کوئی بھی امت کا
کیا اپنی کسی محرومی کا
احساس کرے تو جائز ہے؟
اظہار کرے تو جائز ہے؟

وہ مالک سارے خزانوں کا
جب مال غنیمت آتا ہے
تقسیم وہ سب کر دیتا ہے
انفاق ہے بس ان کا اسوہ

تو دولت دنیا جس کو ملے
انفاق سے روگردانی کرے
کیا ایسا کرنا جائز ہے ؟
دولت پہ مرنا جائز ہے ؟

اے کاش ان کی امت بھی
آقا کی روش کو اپنا لے
وہ بے شک سچا آقا ہے
سچی ہو انکی امت بھی

مدینے میں ہو مدفن اپنا

اس تمنا میں گزرتا ہے یہ جیون اپنا
میرے معبود مدینے میں ہو مدفن اپنا

گنبد خضرای کا سایہ ہو میسر مجھ کو
سرور دین کا مدینہ بنے مسکن اپنا

انکے فیضان کرم سے ہی جلا پاتا ہے
اپنا ہر نیک عمل اور ہر اک فن اپنا

صرف انفاذ شریعت ہی سے پائے گا دوام
اپنا یہ پاک وطن اور یہ گلشن اپنا

انکے اوصاف حمیدہ کا ہے قائل دل سے
دوست ہو اپنا کہ وہ کوئی بھی دشمن اپنا

وہ ترے دامن رحمت میں جگہ پاتا ہے
دامن پاک سے جو جوڑ لے دامن اپنا

نام نامی میں عجب انکے ضیا پاشی ہے
جب کوئی نعت کہو قلب ہو روشن اپنا

ساری تاریکیاں تقدیر کی تاباں ہو جائیں
اسوہ پاک سے ہو جائے جو بندھن اپنا

دامن قلب و نظر اور کشاد ہو جائے
وہ کرائیں کبھی ہم جیسوں کو درشن اپنا

انکے دربار میں جاکر مجھے محسوس ہوا
وہ ہیں مائل بہ کرم تنگ ہے دامن اپنا

ہم کو آفات سے اور ظلم و جہالت سے بچا
تو کہ معبود ہے اور تو ہی مہیمن اپنا

حق کے محبوب سے دعوائے محبت ہے جنھیں
فائزہ ان پہ نچھاور کریں تن من اپنا

نذرانہ عقیدت بحضور نبی کریم ﷺ

انوار برستے ہیں ہر آن مدینے میں
اسرار سے کھلتے ہیں ہر آن مدینے میں

وہ تزکیہ کرتے ہیں دل ۔ نور سے بھرتے ہیں
انسان نکھرتے ہیں ہر آن مدینے میں

فیضان ہے یہ انؐ کا ہر دل میں اجالا ہے
کردار سنورتے ہیں ہر آن مدینے میں

جو چاہا وہ پایا ہے جو سوچا وہ بر آیا
بس کام یوں بنتے ہیں ہر آن مدینے میں

عالم ہو حضوری کا ہر پل رہوں حاضر میں
اے کاش کہ یوں بیتے ہر آن مدینے میں

عالم ہو بیاں کیسے حضرت کی تواضع کا
مہمان اترتے ہیں ہر آن مدینے میں

خیرات ہو دانش کی، حکمت کی، ہدایت کی
کاسے سبھی بھرتے ہیں ہر آن مدینے میں

وہؐ شمس ہدایت ہیں اور نور مجسم ہیں
مہتاب اجلتے ہیں ہر آن مدینے میں

سرکار کرم کیجئے، قدموں میں جگہ دیجئے
ارمان مچلتے ہیں ہر آن مدینے میں

دیگر ہر شے اضافی ہے

مجھ ہیچمداں کم مایہ کو انؐ کی نسبت ہی کافی ہے
دنیا کی ہر اک محرومی کی بس ایک یہی تو تلافی ہے
بس انؐ کی محبت کی دولت میرے جینے کو کافی ہے
یہ جھگڑا مال و دولت کا میری فطرت کے منافی ہے
دنیا کی طلب جب غالب ہو جتنی بھی ملے کم لگتی ہے
اور انؐ کی محبت غالب ہو تو دیگر ہر شے اضافی ہے
اک کیف و سرور بے پایاں طاری ہے فضائے بطحا پر
آقاؐ کی نظر کا کیا کہنا اس در کی ہوا بھی شافی ہے
وہ باز گناہوں سے رکھے میں حسن عمل پر مائل ہوں
زمزم یہ ان کی الفت کا ان قلب و نظر کو صافی ہے
بے مایہ میری ہستی تھی بے کیف سی دل کی بستی تھی
یہ ان کے عشق میں سرشاری ہی میرے لئے اب کافی ہے
اب موج بلا کا ڈر کیسا میں جس کے در کی سوالی ہوں
وہ میرا ملجا و ماویٰ ہے وہ میرا حامی و عافی ہے

نعت

اگر تقدیر سے ہو جائے بیت اللہ کی زیارت
طواف کعبہ ہو پیہم، عقیدہ ہو فقط وحدت

سفر مکّے کا ہو تو زاد رہ کے طور پر ہمدم
ہمیں درکار ہو تقویٰ، ہمیں مطلوب ہے رحمت

شعائر میں سعی کرنا ہے مابین صفا مروہ
ہو عمرہ یا کہ حج ہو گی ادا عورت کی اک سنت

مدینے کا سفر ہو گر تو زاد رہ یہ کافی ہے
صداقت اور اطاعت ہو، ریاضت اور ہو الفت

جلال حق ہے مکے میں، رواں زمزم کا پانی ہے
مدینے میں محبت کا یہ زمزم جاودانی ہے

مدینے کی فضاؤں میں سرور کیف پاتا ہے
مدینے ہی کی گلیوں میں ملے گی فائزہ رحمت

جشن اعزاز و تکریم

باب اول :-

واہ کیا کیف یاں کی فضاؤں میں ہے
جانفزا نور و نکہت ہواؤں میں ہے
اک سرور دوامی ہواؤں میں ہے
اک محبت کا زمزم فضاؤں میں ہے

اپنے روضے میں تشریف فرما ہیں وہ
اور شہادت اذاں کی صداؤں میں ہے
جو بھی مانگا، جو چاہا، وہی پا لیا
کتنی تاثیر یاں کی دعاؤں میں ہے

شہر انؐ کا ہے گہوارہ امن و نور
رحمت حق کی نوری رداؤں میں ہے
ایک سایہ شفقت ہے جلوہ فگن
یہ جہاں گویا نوری رداؤں میں ہو

ان کی مسجد ہے یہ ان کا منبر ہے یہ
لطف قرآن خوانی فضاؤں میں ہے
قاری پڑھتے ہیں یٰسین و طہٰ جو یاں
کیسی نعت نبی ﷺ ان صداؤں میں ہے

کاش! جنت کی کیاری میں ہو حاضری
فائزہ یہ بھی رب کی عطاؤں میں ہے
خالی دامن نہیں کوئی سائل گیا
فائزہ تیرے در کی گداؤں میں ہے

باب دوم:

امتی سارے حاضر ہیں پروانہ وار
اپنے اعمال پر سب ہی ہیں شرمسار

انؐ کے لطف وعنایت کے امیدوار
رب اعلیٰ سے بخشش کا ہے انتظار

کیسا اعزاز ہے کیسا انعام ہے
جشن تکریم ہے حسن اکرام ہے

ساری دنیا میں جو بھی مسلمان ہے
حاضری کا یہاں اس کو ارمان ہے

از زمیں تا فلک یہ درود وسلام
بھیجے جاتے ہیں محبوب رب پر مدام

جشن تکریم کا جو کرے اہتمام
اس پہ لطف الٰہی رہے گا مدام

مجھ کو بھی حاضری کی سعادت ملے
کاش شہر نبی کی سکونت ملے

فائزہ کو بھی فیض کفالت ملے
ان کا لطف وکرم اور عنایت ملے

اسم محمدؐ یٰسین بھی ہے......

اسم محمدؐ و یٰسین بھی ہے یٰسین ہے قرآن کا دل
ان کی ذات میں غور کرو تو اسکا سمجھنا ہے مشکل

جتنا سوچو' جتنا سمجھو ان کی صفات عالی کو
حب نبی سے دل مملو ہو اور ملے بیداری دل

نعت و درود و سلام نذر ہو سیرت پاک بیان کروں
ان کا ذکر سر محفل ہو ان کی ہو بس ہر محفل

کوئی حیات نبی سے آخر منکر ہو تو کیونکر ہو
سب کے دلوں میں زندہ ہیں وہ' مسکن ان کا ہے ہر دل

ان کی رسالت تابہ ابد ہے ان کی شفاعت تابہ ابد
ان کا فیض ہے آج بھی جاری ان کے کرم کے سب سائل

ان کے عمل کے سارے گوشے تابندہ ہیں تابہ ابد
راہ عمل ہے کتنی اجاگر ہر سو ہے ان سے جھلمل

قرآں کی آیات میں بے شک نعت نبی اکرمؐ ہے
انؐ کے ثناء خوانوں میں یارب میرا نام بھی کر شامل

انؐ کی رسالت پر ایماں سے دین مکمل ہوتا ہے
حب نبی ہو جس کے دل میں وہی مسلماں ہے کامل

عشق اللہ سے کرنے والے ان کی راہ پہ چلتے ہیں
ان کی راہ کے رہرو کو ہو رب کی محبت بھی حاصل

گنبد خضری کے جلوے ہیں چشم بصیرت میں جن کی

اسم محمد ﷺ ہی ہر دم ہے خون کی گردش میں شامل

حاضری ان کے روضے پر ہو فائزہ دل کی خواہش ہے
اپنے کرم سے وہ بلوا لیں میں تو نہیں ہوں اس قابل

شخصی کوائف:

نام: فائزہ احسان صدیقی

والد کا نام: حکیم مولانا محمد ابرار الحق صدیقی (مرحوم)

دادا کا نام: مولانا محمد اسرار الحق صدیقی (طوطیٔ ہند، مرحوم)

شوہر کا نام: محمد احسان اشرف صدیقی

مذہب: اسلام سنی العقیدہ، فقہ حنفی

قومیت: پاکستانی

تعلیمی اہلیت: بی۔اے۔ آنرز، ایم۔اے۔ معاشیات

شعبہ: درس و تدریس: ایسوسی ایٹ پروفیسر

گورنمنٹ کالج فار مین۔ ناظم آباد۔ کراچی

سرگرمیاں: ۱۔ زمانہ طالب علمی میں بہت سے انفرادی انعامات، شیلڈز اور ٹرافیاں حاصل کیں۔

۲۔ انجمن طلباء جامعہ کراچی کے زیر اہتمام مقابلہ مضمون نویسی بعنوان 'پاکستانی ثقافت کی بنیادیں' میں اوّل انعام حاصل کیا۔ ۱۹۶۷

۳۔ 'نشان اقبال' حاصل کیا۔ ۱۹۶۸

۴۔ جامعہ کراچی کی بہترین مقررہ کی حیثیت سے 'گولڈ میڈل' حاصل کیا۔ ۱۹۶۹

۵۔ کل پاکستان سائنس کانفرنس۔ منعقدہ ملتان ۱۹۷۰ء میں اپنا
مقالہ بعنوان 'زکواۃ کی معاشی توضیحات' پیش کیا۔
(معاشرتی علوم کے اجلاس میں)

تقریر و تحریر کی تمام صلاحیتوں کو اب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مرکوز کر لیا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ آمین۔

۱۹۸۵ سے وزارت امور مذہبی کی جانب سے حکومت پاکستان اسلام آباد میں جو بین الاقوامی اور قومی سیرت کانفرنسیں کی گئی ہیں۔ ان میں دیئے گئے موضوعات پر تحقیقی نوعیت کے مقالے لکھے۔

یہ مقالے وزارت امور مذہبی کی جانب سے منتخب مقالوں کے مجموعوں میں شائع کئے گئے۔ نیز ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۳ء، ۱۹۹۴ء اور ۱۹۹۶ء کے لے مقالے انعامات (نقدر قوم، امتیازی اسناد) سے نوازے گئے۔

نیز آگہی اورینٹ ایوارڈ سے ۱۹۹۵ء میں نوازا گیا۔

نیز سندھ پروفیسر اینڈ لیکچررز ایسوسی ایشن کی جانب سے ایوارڈ حاصل کیا۔

مندرجہ ذیل مقالہ میرے والد صاحب قبلہ حکیم مولانا محمد ابرار الحق صدیقی مرحوم خلف اکبر مولانا محمد اسرار الحق طوطئ ہند مرحوم کی تحریر ہے جو کہ "الفوز العظیم" کے نام سے میں اپنے مقالات سیرت کے مجموعے میں شامل کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ اس خیال کے ساتھ کہ ایک جانب تو اباجی مرحوم کی روح خوش ہوگی کہ ان کے علم و بصیرت کی ترویج ہوگی دوسرے یہ کہ پڑھنیوالے فیضیاب ہونگے۔ جو بلاشبہ صدقۂ جاریہ ہوگا اگر اس کے مطالعے سے قارئین کو علم و بصیرت حاصل ہو۔

یہ تحریر دراصل ایک طویل خط کا حصہ ہے جو کہ تقریباً 35 برس قبل اباجی مرحوم نے میرے بھائی (ڈاکٹر محمد متعال بالحق صدیقی۔ مغربی جرمنی) کے نام لکھا تھا۔

اباجی مرحوم کی عالمانہ گفتگو اور فاضلانہ تحریر کا یہ نمونہ دین کی سمجھ، قرآن فہمی اور کلامِ الٰہی سے ان کے والہانہ شغف کا آئینہ دار ہے۔ ان کی تحریر و تقریر کس بلند علمی اور فلسفیانہ سطح کی تھی اور دین کا فہم کس خوبی سے اپنی اولاد کو دیتے تھے۔ اللہ انہیں اس کی اعلیٰ ترین جزاء عطا فرمائے۔ آمین

افسوس کہ ان کے علم و فضل سے ہم نے وہ استفادہ نہ کیا جو کرنا چاہیئے تھا۔ اللہ تعالیٰ اباجی مرحوم کی اس علمی بصیرت سے ہم سب کو نوازے۔ اور ہمیں دین پر چلنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ثم آمین

الفوز العظیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْن (الاعراف۔ ۵۴)

خبردار اللہ کا ہے عالم خلق اور عالم امر۔ بہت عظمت و بزرگی والا ہے اللہ تعالیٰ جو کہ تمام عالموں کا رب العالمین ہے۔

عالم کے معنی حالت : جیسے ہم کہتے ہیں میری جوانی کا عالم اور میرا عالم طفلی وغیرہ وغیرہ یعنی جوانی کی حالت لڑکپن کی حالت، رب کے معنی ہیں بہ تدریج ترقی دیکر تکمیل کرنے والا یعنی اس انتہا تک پہنچانے والا جو اللہ کے علم میں پہلے سے اس کیلئے مقرر ہے۔

وَاللّٰہُ اَخرَجکُم مِن بَطُونِ اُمَّھَا تِکُم لَا تَعلَمُونَ شَیأً وَ جَعَلَ لَکُم السَّمعَ وَالاَ بصَارَ وَالاَ فئِدَۃَ لَعَلَّکُم تَشکُرُون۔ آیت ۷۸ سورۂ نحل۔ پ ۱۴، یہ انسان پر گذرنے والے عالم ہیں۔ تمہارے پاس قرآن ہے ترجمہ دیکھ لو۔ اسی طرح سے پ ۱۷ سورۂ حج چوتھی آیت کے بعد دیکھتے جاؤ آیت ۷ تک اسی طرح پ ۲۷ سورۂ واقعہ آیت ۵۷ آیت ۷۴ میں یہ ضرور ضرور مطالعہ کرو تا کہ نظر میں وسعت پیدا ہو یہ مختلف عالموں یعنی یہ وہ وہ حالتیں ہیں جو انسان پر گذر چکی ہیں۔ اسی طرح اور دیکھو پ ۲۹ سورۂ معارج آیت ۴۰-۴۱، اسی طرح پ ۲۹ سورۂ دہر آیت ۲۸، انسان کا وجود مستقل بالذات نہیں۔ یہ نہ خود سے پیدا ہوا اور نہ اپنی موت سے بچ سکتا ہے، اس کے لئے ستائیسویں سیپارہ مین پوری پوری سورۂ واقعہ پڑھو اور بار بار پڑھو تا کہ خوب ذہن نشین ہو جائے کہ وجود حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور وہ اکیلا ہے یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں انسان کو اس نے پیدا کیا یعنی متشکل کیا جس جس شکل اور حالت میں اس نے چاہا انسان کو انقلابات دیئے اور دیگا ہر انقلاب میں ایک ارتقا ہے ہر ارتقا کی ایک حد ہے اور وہ حد ہی اس کی تکمیل ہے یہ معنی ہیں الحمد للہ رب العالمین کے پر نہ وہ تھکتا ہے نہ سوتا ہے نہ اونگھتا ہے اس کا ہر عمل تعمیر ہی تعمیر ہے

اس کے ہاں تخریب نہیں ہے۔

ہم کو ہماری نظر میں تخریب نظر آتی ہے مگر حقیقت میں وہ تخریب بھی بنابر تعمیر ہے یہ ایک بحث علیحدہ مستقل ہے کہ ایک ہی شے کو دس آدمی دیکھ کر دس رائیں قائم کرتے ہیں کیونکہ ہر شخص کا طرز فکر اور نظریات مختلف ہیں۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْم

پوری آیت الکرسی پڑھو اور اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔

الحی۔ مرکز حیات

القیوم۔ مستعد یعنی آمادۂ فعل و عمل اور اٹنشن یعنی اس کا عمل ہر وقت بروئے کار ہے وہ ہر وقت فعال ہے غیر مصروف بیکار نہیں۔ بات سمجھانے کے لئے ایسے الفاظ ہی استعمال کرنے پڑتے ہیں جو بارگاہِ خداوندی کے شایانِ شان نہیں یہ ہماری کوتاہی ہے علم اور عجز ہے۔

تعالی اللہ عما یصفون لوگوں کی توصیف سے اللہ بہت اونچا ہے ؎

اے بر تر از قیاس و خیال و گمان و وہم

ما ہر چہ گفتہ ایم شنید یم و خواندہ ایم

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر

ما ہم چناں در اول وصفِ تو ماندہ ایم

پ۲۹ سورۂ قیامۃ آیت ۳۶ تا ۴۰۔ سورۃ کی آخری پانچ آیتیں ترجمہ: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت پر چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ ٹپکائی گئی ہوئی منی کا نطفہ نہ تھا؟ پھر وہ جونک کی طرح ہوا پھر اس پر نقوش ڈالکر متشکّل بنایا گیا اور مکمل بنادیا گیا پھر اس کو مرد و عورت جوڑہ بنایا گیا۔ جس نے تجھے اتنے انقلابات دیئے کیا وہ مُردے کو زندہ نہیں کرسکتا ہے۔ موت کو وفات کہتے ہیں۔ وفات کے معنی ہیں پورا ہونا جس سے جو کام لینا تھا جب وہ کام لیا جاچکا تو اسکا مقصد تخلیق (تخلیق کے معنی تشکیل ہیں) پورا ہوچکا تو اب اسے مرجانا چاہئیے۔ عمل کا تعلق شکل سے ہے قرآن میں ہے قُل کل یعمل علیٰ شاکلیتہ فربکم اعلم

بمن ھواھذی سبیلا۔ پ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۴) چنانچہ دیکھو بندوق، توپ، توا، چمٹا، ہتھوڑا سب چیزیں لوہے کی ہیں مگر ایک کا کام دوسری چیز سے نہیں لے سکتے یعنی عمل کا تعلق شکل سے ہے۔ مثلاً لیمپ میں تیل بھر اگیا۔ مقصد روشنی کرنا ہے چنانچہ تیل کا ایک ایک قطرہ اور ایک ایک ذرّہ شعلہ بن بن کر روشنی دیتا ہے اور فنا ہوتا جاتا ہے یعنی تیل نے اپنی شکل چھوڑ دی اور شعلہ بنا اور پھر شعلہ ایتھر میں شامل ہو گیا۔ یعنی فنا نابود ہو جانے کا نام نہیں ہے بلکہ فنا اپنی شکل چھوڑ دینے کا نام ہے۔ علم الاجسام علم طبعی یعنی سائنس سے یہی بات ثابت ہے کو کوئی چیز فنا یعنی نابود نہیں ہوتی بلکہ ایتھر میں موجود ہے۔ عربی میں اسکو جوّ کائنات الجو ّاوی الجوّ کہتے ہیں چنانچہ میں نے سنا ہے کہ اب تیز ابیات مشینوں کے ذریعہ سے ایتھر سے حاصل کئے جاتے ہیں بعینہ جس طرح ریڈیو پر آوازیں اور ٹیلی وژن پر تصویریں لے آئی جاتی ہیں۔

ھُوَالَّذِی یُصَوِّرُکُم فِی الاَرحَامِ کَیفَ یَشَآءُ۔ پ ۳، سورۂ آل عمران آیت۔ ۶ اور اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری تصویر بناتا ہے اس کے سوا الہٰ کوئی نہیں ہے وہ غلبہ والا اور حکمت والا ہے اور عمل کا تعلق صورت سے ہے۔ اور دوسری جگہ ہے ھوالذی خلقکم وما تعملون وہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو پیدا کیا ۔یعنی تمہاری اور تمہارے اعمال کی شکل بنائی۔ پیدا کرنا اور شکل بنانا اللہ کا کام ہے اور اعمال کا وجود میں لانا بندہ کا کام ہے۔

قرآن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی صلب یعنی پیٹھ سے ان کی ذرّیات کو نکالا اور ان کو ان کی ذات پر گواہ بنایا یعنی ان میں احساس انانیت، میں اپنی جگہ پر ایک متعین شخصیت ہوں یہ جذبہ اس میں پیدا کیا اسی جذبہ کا نام عقل ہے کیونکہ بغیر اس کے وہ اپنے اور غیر میں تمیز نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ نے اس سے کہا کہ کیا میں ہی تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے کہا کہ ہاں بیشک تو ہی ہمارا رب ہے۔ اور پھر یہ سب باتیں بچہ میں دیکھو پھر خدا کا خلیفہ انسان بصورت والدین اس کی پرورش کر کے اس کو اس کی تکمیل تک پہنچاتا، یعنی پروان چڑھاتا

ہے۔ پھر جس کی تقدیر میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ویسے ہی ماحول میں پروان چڑھایا جاتا ہے حقیقت میں ماحول ہی تقدیر کا دوسرا نام ہے فرعون نے موسیٰ وہارون علیہما السلام سے سوال کیا فمن ربکما یا موسیٰ آیت ۴۹-۵۰ = سورۂ طٰہٰ پ ۱۶۔ اے موسیٰ وہارون ! تم دونوں کا رب کون ہے ؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی صورت عطا فرمائی اور پھر اسے سوجھ بوجھ دیدی ہر شے اپنے وجود میں اتنی مکمل ہے کہ اپنی غیر کی محتاج نہیں ہے مثلاً تم ایک بلی کے بچے کو اس طرح سے پالو کہ وہ قطعاً کسی بلی کو نہ دیکھے لیکن تم دیکھو گے کہ وہ بلی جوان ہو کر بچے جنے گی تو سارے وہ اعمال کرے گی جو ہر بلی اپنے بچوں کی ساتھ کر تی ہے۔ ایسی اور کئی باتیں جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نفس اور نفسیات سمجھ میں آنے کے لئے مثلاً بتلاتا ہوں کہ دیکھنے کے تین درجے ہیں۔ رویت، نظرِ ، بصر :

رویت : نام ہے کہ نفس کسی شے کی طرف متوجہ ہو۔

نظر : نام ہے اس شے کو آنکھ سے دیکھنے کا۔

بصر : نام ہے اس شے کو دیکھ کر اس پر غوروخوض کرنا۔ اس کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ ہاں میں نے فلاں چیز دیکھی ہے۔ قرآن نے ایک آیت میں تینوں لفظ جمع کر دیئے ہیں۔ وَتَرَاهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ۔ رویہ ، نظر ، بصر ، تو دیکھتا ہے ان کو وہ تیری طرف نظر کرتے ہیں حقیقت حال یہ ہے کہ وہ دیکھ کر سوچتے اور غور نہیں کرتے۔ ہر شخص بلکہ اللہ کہ سوا ہر موجود آگ ، ہوا، پانی، مٹی ، مفردات اور مرکبات ، معدنیات ، نباتات، حیوانات اور جملہ کائنات کا مجموعہ یہ انسان۔ ہر ایک اپنے اپنے نظریات کے ماتحت اپنے کو ناقص غیر کامل قرار دیتا ہے اور ہر ایک میں ایک طلب اور تڑپ پائی جاتی ہے۔ یہ تڑپ یہ طلب ہی اپنی جگہ عبدیت ہے۔

سراسر آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو   وگرنہ ہم خدا تھے گر دل بے مدعا ہوتا

ضرورت واحتیاج اپنے عدم تکمیل کے احساس کا نام ہے اور یہ احساس ہی جذبۂ ارتقا کا ناشی (نشوونما دینے والا ہے فضائل ومحاسن درجہ بدرجہ بے حد وبے شمار لاتعدولاتحصی

ہیں اسی طرح رزائل و قبائح لاانتہا ہیں۔باہمی فرق مراتب۔فوق کل ذی علم علیم ہر ایک جاننے والے کے اوپر ایک اور زیادہ جاننے والا موجود ہے یہ خود دلالت کرتی ہے کہ یقیناً ایک ذات ایسی ضرور ہے جو ہر نقص و عیب و کمزوری سے پاک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں وہ جملہ محاسن و فضائل سے موصوف ہے وہ سب سے اونچا اور سب سے اعلیٰ ہے اسی کا نام اللہ ہے۔ سمجھتا نہیں زبان سے ادا نہیں کر سکتا مگر ہر شخص حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہی کسی نہ کسی کمی اور کمزوری کو دوسرے کے ذریعہ پورا کرنا چاہتا ہے جسمانی طور پر یا اقتصادی طور پر۔ جہات بہت ہیں۔ ہر شخص کے نفسیات اور اقتضا آتِ طبع دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہیں جسمانی حیثیت سے مرد عورت کی اور عورت مرد کی تکمیل کرتی ہے مثلاً ذہنی اور فکری طور پر سوچو ہر سپاہی نپولین بوناپارٹ نہیں ہو سکتا۔ خوب یاد رکھو کہ جیسی شکل جسمانی ہے کہ ایک چہرہ ہی اس چہرہ والے کے اعمال وافعال کی پوری فہرست ہے اسی طرح مثلاً دماغ کا بھجہ اسفنجی شکل کا ہے جس کا ہر خانہ ایک مخصوص قوت کا حامل ہے ہر شخص مقرر نہیں ہو سکتا بھجہ کا وہ خانہ جس کی بنا پر وہ تقریر کر سکتا ہے سب میں یکساں نہیں ہوتا کہ اسی طرح سے اگرچہ اخلاقی حیثیت انسان تمامی جانوروں کے تمامی اخلاق کا مجموعہ ہے پھر بھی بحیثیت اس کے کہ اس پر کونسے جانور کا اخلاق غالب ہے ہر شخص علیحدہ علیحدہ ایک مخصوص خُلق غالب رکھتا ہے۔

خَلق بمعنی شکل و مظہر۔ خُلق بمعنے فطری و پیدائشی عادت، یہ دنیا عالم حقائق نہیں بلکہ یہ دنیا عالم مثال ہے۔اس لئے انسان فقط اسماء جانتا ہے۔ حقائق کو نہیں جانتا۔ اللہ نے آدم کو اسماء سکھائے ہیں۔ عَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا۔ ہر جانور ایک فقط ایک خُلق کا حامل ہے اور اس جانور کی صورت فی الحقیقت اس خُلق کی شکل ہے جس کا وہ مظہر ہے اور انسان سارے جانوروں کے اپنے میں اخلاق رکھتا ہے۔ کوئی کم کوئی زیادہ۔ اور اخلاق متضاد رکھنے کا نتیجہ عقل ہے مثلاً اس میں جذبۂ بخل ہے تو جذبۂ سخاوت بھی ہے۔ خود غرضی ہے تو جذبۂ ہمدردی بھی ہے :ایذا رسانی ہے تو جذبۂ خیر خواہی بھی ہے ان متضاد جذبات کی بنا پر اس میں عقل کا نور چمکا

کہ ہر جذبہ کے لئے موقع و محل کا لحاظ رکھے۔ تاہم اگرچہ جذبات متضادہ کا حامل ہے ایک کوئی مخصوص خُلق غالب ضرور ہوتا ہے۔ پ ۲۹ سورۂ نوح آیت، ۱۱-۱۴ یعنی اللہ نے تم کو طرح طرح طور طور کا پیدا کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

اِن النَّاس مَعادِن کَمعَادنِ الذَّھب وَالفِضَہ

لوگ ایسی معادن (کھدانیں) ہیں جیسے سونے اور چاندی کی کھدانیں ہوتی ہیں۔ مثلاً جو سونے کی کھدان ہے اس سے ہر وقت اور ہر شخص سونا ہی پائے گا اور جو چاندی کی کھدان ہے اس سے ہر وقت ہر شخص چاندی ہی حاصل کرے گا۔ قرآن فاطر السماوات کا کلام ہے اس میں فطرت کے رمُوز کو کھولا گیا ہے۔ یہ امثال اور حقائق دونوں کا مجموعہ ہے اللہ نے انسان کو اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے پ ۲۱ سورۂ روم آیت، ۲۰-۲۱-۲۲ پر بار بار غور کرو۔ یہ خود اپنی تفسیر ہے آپ ہی اپنی الفاظ مفردہ اور الفاظ مصطلحہ کی ڈکشنری ہے۔ الفاظ مصطلحہ جیسے مومنوں، فاسقوں، کافروں، منافقوں اب صرف ایک بات اور بتادوں کہ موت و حیات اور ارتقا کے الفاظ سے تم کو مغالطہ نہ ہو۔ تناسخ، آواگون جو ہندو لوگ مانتے ہیں کہ انسان اپنے اعمال کے مناسب مختلف شکلوں میں جنم لیتا ہے کبھی بادشاہ کے گھر پیدا ہوتا ہے کبھی فقیر کے گھر کبھی بیل کے جنم میں آتا ہے کبھی بندر کبھی پرندہ، وغیرہ وغیرہ۔ یہ غلط ہے یہ لوگ عالم مادی سے باہر نہیں آتے مادّہ سے باہر ان کی عقل چلتی ہی نہیں۔ دراصل یہ خدا کے منکر ہیں اور اپنی عقل کی پیروی کرنے والے۔ عقلی حیثیت سے کیوں ہوا؟ اور کیا ہوگا کا جواب اس طرح سے لے کر یہ لوگ اپنے نفس کی تسکین کر لیتے ہیں مثلاً سوال : یہ شخص لنگڑا کیوں ہو گیا؟ جواب :اس نے اگلے جنم میں کسی پر ظلم کر کے اور اس کو لنگڑا بنایا اسی لئے اس جنم میں یہ لنگڑا ہو گیا۔ آئندہ کیا ہوگا؟ اس جنم میں جیسے کرم یعنی اعمال کرو گے اگلے جنم میں وہ ہی بھگتو گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر حیثیت سے تمہارے اعمال تم کو بھگتنا پڑیں گے خدا کا درمیان میں کوئی واسطہ نہیں ہے یہ ہے تناسخ اور آواگون۔ یہ غلط ہے مثلاً بتاؤ کہ سب سے پہلا جنم کون سے اعمال کا نتیجہ تھا؟ اور پھر اس دنیا میں کوئی قابل عتاب و لائق عتاب نہیں رہتا

کیونکہ وہ تو اپنے کرم بھگت رہا ہے نہ کوئی اچھا ہے اور نہ کوئی برا یہ ایک درمیانی بات تھی جس کے لئے متنبہ کرنا ضروری سمجھا۔ ہم جس کو عالم آخرت کہتے ہیں وہ عالم غیر مادی ہے حدیث ہے اَلموتُ جسرٌ یوصلُ الحبیبَ الیٰ الحَبیب موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے یعنی موت کو عبور کر کے ہم اللہ کے حضور حاضر ہوتے ہیں دنیا دار المحنت دارُ المصیبت ہے اور آخرت دار السّرور ہے مومن موت کا مشتاق ہوتا ہے۔ کافر و منافق موت سے بھاگتے ہیں حالانکہ اس سے چھٹکارا نہیں ہے دنیا اَوّلُہا مُصیبتٌ اَوسَطُہا مَحنتہ وَاٰخِرُہٗ حَسرۃ یہ اسکے لئے جو اسکی فانی لذتوں میں محو ہو اور آخرت سے غافل ہو دُنیا متاع الغرور، دھوکہ کی پونجی ہے وَاِنَّ الآخِرَۃَ ھِیَ دَارُالقرار۔ اصلی اور حقیقی رہائش گاہ آخرت ہی ہے حدیث میں مومن کی موت ایسی ہے جیسے قیدی پرندہ پنجرہ کھلتے ہی خوش خوش بھاگتا ہے اور کافر کی موت ایسی ہے جیسے ریشمین کپڑا جھاڑی پر ڈالکر کھینچو بات مین بات نکلتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ کوئی سی بھی بات ایسی نہ رہے جو تمہارے علم میں نہ آجائے مگر تفصیلی علم بغیر روبرو اور مواجہ کے نہیں حاصل ہو سکتا خیر دیکھو اللہ مالک ہے بہر حال عالم دو ہیں۔ عالم مادی جس کے نام عالم اجسام، عالم مثال عالم اشکال عالم صورت۔ دوسرا عالم ماور آء المادہ ہے جسکا نام عالم امر عالم روحانی سے عالم آخرت جو حقایق انسان کو عالم امر میں بتلائے اور سمجھائے جائینگے اور انکی سیکھنے اور سمجھنے کی اہلیت پیدا کرنیکے لئے پہلے اس عالم مثال میں آنا ضروری ہے تاکہ یہاں وہ عالم حقایق کیلئے ٹریننگ حاصل کرلے اور اس ٹریننگ کی تکمیل یہ ہے کہ لَاَ تَموتُنَّ الاَّ وَ انتُم مُسلمون یعنی خبردار نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ قرآن میں یہ وضاحت ہے کہ خدا کو تسلیم کرنا اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب کہ تم عالم آخرت کو تسلیم کرتے ہو۔ پ ۱۸ سورہٗ مومنون رکوع ۵ آیت نمبر ۷۸ سے آیت نمبر ۹۲ تک اس رکوع کو غور سے پڑھو۔ میں اس کا مطلب یہ سمجھا ہوں کہ خدا کو تسلیم کرنے اور ماننے کا دعویٰ کرنے کے بعد حیات بعد الممات کو اگر تسلیم نہیں کیا تو خدا کو تسلیم کرنے اور ماننے کے دعویٰ میں عند اللہ جھوٹا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے خدا اور حیات بعد الممات دونوں

عقل سے اونچی ہیں جب خدا کی ہستی کو تسلیم کر لیا تو پھر خدا جو کچھ بھی فرماتا ہے اُسے بے چون وچرا تسلیم کر لینا اور حق مان لینا چاہیئے اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو پھر اس کے یہ معنی ہوئے کہ اس نے خدا کو نہیں مانہ بلکہ وہ شخص خود پرست اور اپنی عقل کا متبع ہے حالانکہ عقل منزل نہیں بلکہ چراغ راہ ہے۔

؎ گذر جا عقل کی منزل سے یہ چیز ـــــ یعنی عقل
چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے عقل اور خودی ایک ہی شے ہے
؎ بے خودی حد سے بڑھے گر تو ہے رازِ ملکوت
عقل گر حد سے گذر جائے تو شیطاں ہو جائے

ہر فطری خُلق کے تین درجے ہیں افراط۔ تفریط۔ اعتدال، مثلاً شجاعت جبن اور تہوّر کے درمیان کا نام ہے عقل و حکمت۔ حماقت اور شفاہت کے درمیان کا نام ہے۔

عفّت نامردی اور آوارگی کے درمیانی درجہ کا نام ہے۔ مثلاً غیرت کی افراط سے بیٹی کو مارنا زندہ دفن کرنا جیسا نتیجہ نکلے ارے واہ ہماری بیٹی کو کوئی جورو بنائے گا؟ بے غیرتی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خودداری ختم ہو جائے گی۔ درمیانی درجہ محمود ہے جو خدا کے حکم کی فرمانبرداری ہے۔ صراط مستقیم اور پل صراط جو دوزخ کے اوپر رکھا ہوا ہے وہ نام ہے اعتدال اور میانہ روی کا۔ اور افراط یعنی اعتدال سے زیادہ اور تفریط یعنی اعتدال سے کم دونوں کا نتیجہ دوزخ میں گرنا ہے میانہ روی جنت کا راستہ ہے۔ سوجھ بوجھ کے چار ذریعے یا کہ چار درجہ ہیں پہلا درجہ وُجدان ہے یہ درجہ ہر چیز اور ہر شخص کے ظاہری اور باطنی شکل و صورت سے متعلق ہے جیسے مثلاً گول اور گُروی شکل اور پہیّے کی گھومنے اور حرکت کرنے کی علامت اور اہلیت و صلاحیت کی دلیل ہے۔ دوسرا درجہ یا ذریعہ حواس ہیں حواس خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی ہیں۔ حواسِ خمسہ ظاہری ہیں باصرہ، ذائقہ، شامہ، سامعہ، لامسہ۔ حواسِ خمسہ باطنی ہیں متفرقہ واہمہ حسِ مشترک خیال۔ حافظہ۔ تیسرا درجہ عقل ہے۔ چوتھا درجہ وحی خداوندی ہے یعنی قرآن و دیگر صحفِ آسمانی بشرطیکہ اپنی اصل پر ہوں۔

پہلے درجے میں معدنیات، نباتات، حیوانات سب شامل ہیں۔ دوسرا درجہ حواس فقط جاسوس اور اطلاع دینے والا ہے. تیسرا درجہ عقل کبھی بھی جذبات اور خواہشات نفس جس کو ہوا کہتے ہیں۔ ہوا نفس کے رجحان اور میلان کو کہتے ہیں عقل کبھی بھی جذبات نفس سے مجرد نہیں ہوتی لہٰذا قابل اتباع فقط قرآن اور صحیح صحف ساوی ہیں خدا کی طرف سے عقل دینے کا منشا فقط یہ ہے کہ محمد ﷺ کی ذات شخصیت اور پوری زندگی پر غور کیا جائے خدا نے خود قرآن میں محمد ﷺ کو مخاطب فرما کر حکم دیا ہے کہ قُل فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون : آپ ﷺ لوگوں سے کہدیں کہ اے لوگو میں نے تمہارے میں عمر گذاری اے لوگو ذرا عقل سے کام لو میری پوری زندگی تمہارے سامنے تمہارے اندر گذری ہے کبھی بھی میں نے کسی کے متعلق جھوٹ بات نہیں کہی تو ذرا سوچو کہ میں خدا کے متعلق کیسے غلط بات کہوں گا۔

اپنے مخالفوں اور دشمنوں کے سامنے یوں ڈنکے کی چوٹ اپنی پوری زندگی کو پیش کرنا کوئی معمولی بات نہیں مختصر یہ کہ حضور اکرم ﷺ خدا کو پہچاننے اور پہچنوانے کے لئے ایک آئینہ ہیں آپ ﷺ خدا کے خلیفہ ہیں خدا کے اسماو صفات کے مظہر یعنی جائے ظہور ہیں مثلاً پ ۲۸ میں سورۂ جمعہ کو پڑھو شروع میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اس اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے جو ملک بادشاہ ہے قدوس ہے غالب عزت والا ہے حکمت والا ہے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے شہادت یہ پیش کی کہ دیکھو ہم وہ ہیں ہم ایسے ہیں کہ ہم نے ان پڑھ لوگون کی طرف ان ہی میں سے ایک کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور اُن کو عیبوں سے پاک بنا کر مقدس بناتا ہے اور جاہلوں کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اگر چہ پہلے یہ لوگ واضح گمراہی میں مبتلا تھے رسول نے ان کو مقدس بنایا ان کو بادشاہی کے درجہ پر فائز کیا وہ ذلیل و مغلوب تھے ان کو عزت و غلبہ عطا کیا انہوں نے دنیا کو علوم و حکمت سکھائی۔ یعنی یہ رسول خدا کی بادشاہ ہونے قدّوس ہونے عزت و غلبہ والا ہونے حکیم ہونے کا ثبوت اور دلیل ہے۔

ہر جگہ ہر مقام کا سکہ علیحدہ ہے ہر راستے کی سواری علیحدہ ہے ہر مقام و منزل کا

رہبر الگ الگ ہے۔ خدا کو فقط عقل کے ذریعہ نہیں پایا جا سکتا کیونکہ عقل تو نام ہی خودی اور خود بینی کا ہے۔ پرستش ہی انسان دو میں سے فقط ایک ہی کی کرتا ہے یا تو فقط اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی سچا اور واقعی لائق عبادت معبود نہیں اور حقیقتاً ہے ہی نہیں اور یا پھر خود اپنی۔ الحاد یعنی خدا کا انکار شرک و کفر و زندقہ و بے دینی یہ سب فی الحقیقت خود پرستی کے ہی مختلف نام ہیں۔ سارے فسادوں کی جڑ ہر قسم کی ابلیسیت۔ ابلیس کے لغوی معنی مایوس ہیں۔ ہر قسم کے تمرد و سرکشی و شیطنت و شرارت کی بنیاد ہی مدعی (میں ہوں) ہے سعدی نے گلستاں میں کہا ہے ؎

نہ بیند مدعی جز خویشتن را ۔۔۔ کہ دارد پردۂ پندار درپیش

اگر چشم خدابینی بہ بخشد ۔۔۔ نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

میں عقل مند ہوں میں علم والا ہوں میں بڑا ہوں میں اچھا ہوں میں ایسا کر سکتا ہوں میں یوں کر ڈالوں گا۔ ذاتی طور پر یعنی انسان خود اپنی ذات سے بہت کمزور اور انتہائی عاجز ترین ہستی ہے مگر وقتی قطعی وقتی غیر مستقل ناپائیدار خیالی اور فرضی غیر حقیقی سہاروں کی بنیاد پر اپنے کو بڑا اور قوت والا سمجھتا اور سمجھنے لگتا ہے اور خدا سے غافل ہو جاتا ہے۔ بہر حال مختصر یہ کہ عقل سے خدا شناسی ایسی ہی ہے جیسے کان سے آنکھ کا کام لینے کی کوشش کرنا۔ رسول مقبول ﷺ ہم جیسا مادّی وجود بھی رکھتے ہیں اور دوسری طرف ان کو اللہ کا قُرب بھی سارے مخلوق میں سب سے زیادہ حاصل ہے۔

؎ ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل

خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدّد کا

جیسے رب العالمین کی "ب" جو کہ اپنے دونوں طرف یعنی ما قبل اور اپنے مابعد دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: انا من نور الله وكل الخلق من نوری، میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوقات اللہ نے میرے نور سے پیدا فرمائیں ۔حواؑ آدم کی پسلی سے پیدا کی گئی اور پھر ساری مخلوق یعنی انسان حواؑ کے پیٹ سے پیدا

ہوئیں۔ پھر حوا نے ہی اپنی اولاد کو یہ بات سمجھائی کہ میں تو فقط واسطہ ہوں نطفہ تو تم آدمؑ کا ہو اولاد نے ماں کی بات کو اس لئے تسلیم کیا کہ اولاد نے ماں کی محبت اور مامتا کو بے غرض پایا اولاد نے دیکھا کہ ماں نے ہم کو خود کو ہی اپنی ذاتی غرض قرار دیا ہوا ہے ہمارے آرام کے لئے خود تکلیف اٹھاتی ہے۔ ہمارے لئے ہر قسم کا ایثار کرتی ہے ہمارے لئے اپنی قربانی کرتی ہے۔ ہماری تکلیف سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اور ہماری خوش حالی سے وہ خوش ہوتی ہے لہٰذا وہ جو کچھ کہتی ہے وہ ہی بالکل ٹھیک اور صحیح ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی اور ذات گرامی پر غور کرو ایک طرف وہ خالص اللہ تعالیٰ کے بلا شرکت غیرے خالصاً مخلصاً اللہ کے سامنے اللہ کے لئے اپنی عبودیت کا ایسا مظاہرہ پیش کرتے ہیں کہ پوری دنیا میں پوری تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی اور نہیں مل سکتی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اپنے آپ کو جس طرح پیش کرتے تھے اس کا ادنیٰ سے مظاہرہ سمجھنے کے لئے اس دعا پر غور کرو جو کہ خود حضور اکرم ﷺ اپنی زبان مبارک سے اپنے رب سے عرض کرتے ہیں۔ یہ دعا علیحدہ کاغذ کے ایک ہی سائڈ پر لکھتا ہوں تاکہ خوب اچھی طرح سمجھ سکو عیسائی مشنری کے لوگوں کی اس بکواس پر توجہ نہ دینا کہ اس دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے رسول ﷺ گنہگار نعوذباللہ من ذلک تھے تب ہی تو وہ استغفار کرتے ہیں یہ بحث کی بات ہے اگر چاہو گے تو پھر کبھی اس پر توجہ کروں گا۔ یہاں صرف یہ بات بتلانا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کا بندہ کہتے تھے تو وہ واقعی سچ فرماتے تھے اور وہ واقعی اللہ کے سچے بندے تھے اور قرآن سے بھی ثابت ہے کہ اللہ نے ان کی عبودیت کو قبول فرما کر اپنے بہترین قرب سے نوازا ﷺ صلوٰتاً کاملۃ و سلاماً تاماً فی کل لحہ و نفس بعدد کل معلوم لہ۔ دوسری طرف یہ غور کرو کہ حضور ﷺ ہم پر اور ساری مخلوقات اولاد آدم وغیرہ اولاد آدم سب کے لئے خدا کی رحمت کا مظاہرہ تھے خدا نے خود فرمایا وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین اور ہر خصوصاً ایمان والوں کے لئے تو آپ نے اللہ کے حکم سے اپنے آپ کو وقف کر دیا ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جو اوصاف آپ کے بیان فرمائے ان پر غور کرو اور آپکی پوری زندگی پر مطالعہ کرو

؎ مسلمان مسلمان ہوئے تیرے دم سے

میری جان تو ہی تو ہے ایمان عالم

فبما رحمة من الله لنت لهم

انک لعلیٰ خُلق عظیم=لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتّم حریص علیکم بالمومنین روف رحیمo

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس دن اور اس وقت تک حضور اکرم ﷺ سے ابھی نہیں مل چکے تھے کہ کفار قریش نے ان سے کہا کہ لو۔ ابو بکر آج صبح تمہارے صاحب محمد ﷺ نے یوں کہا ہے کہ میں آج راتوں رات بیت المقدس گیا اور واپس آیا اور میں نے آسمانوں کی سیر کی ہے تو ابو بکر نے کہا کہ اگر یہ بات محمد ﷺ نے کہی ہے تو پھر قطعی سچی ہے اس میں شک نہ کرو۔

حضور اکرم ﷺ کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَریٰ مَکَانِی وَتَسمَعُ کَلَامِی وَتَعلَمُ سِرّی وعلا نِیَتی وَلَا یَخفیٰ عَلَیکَ شیٔ مِن اَمری وَ اَنَا الرَّ جلُ المُشفِقُ وَمُقِرّ المُعتَرِفُ بِذَنبِی وَ اَنَا المُستَغیثُ وَالمُستَجِیرُ وَ اَسئَلکَ مَسئَلَۃَ المِسکِین وَ اَبتَہِلُ اِلیکَ اِبتِہالُ المُذنِبُ الذَّلِیلُ وَ اَدعُوکَ دعآ ءَ الخَائِف الضَّریر وَ دعآء مَن خَضَعَت لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَت لَکَ عِبرتُه وَذِلَّ لَکَ جِسمَہٗ وَ رَغَمَ لَکَ اُلفَہٗ اَن لَاتَجعَلنی بِدُعَائِکَ شَقِیّاً وَکُن لِی رَؤُ فاً رَّحِیماًیا خَیرَ المَسئُولین وَ یَا خَیرَ المُعطِئن۔

اے میرے اللہ تو بے شک دیکھ رہا ہے میری جگہ اور سن رہا ہے میری بات اور تو میرے ظاہر و باطن سے واقف ہے تجھ پر میری کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے اور میں ایک مرد ہوں تجھ سے ڈرنے والا اپنی کوتاہیوں کا اقرار واعتراف کرنے والا اور میں تجھ سے فریاد کرنے والا تیرا

سہارا اور تیری پناہ لینے والا ہوں میں تجھ سے مانگتا ہوں مانگنا غریب مسکین کا اور تیر[illegible] نے گڑگڑاتا ہوں گڑگڑانا ذلیل مجرم کا اور میں تجھے پکارتا ہوں پکارنا مصیبت زدہ ڈرنے والے کا اور پکار اس کی جسکی گردن ذلت کے ساتھ تیرے سامنے جھکی ہوئی ہو اور بہ رہے ہوں جس کے آنسو تیرے لئے اور اس شخص کا پکارنا جس کا جسم تیرے لئے ذلیل ہو اور جس کی ناک تیرے سامنے رگڑی ہوئی ہو (مظاہرہ ذلت) اے رب مجھے تیرے پکارنے میں محروم نہ بنائیو اور ہو جا تو میرے لئے مہربان رحمت کرنے والا اے بہترین ان کے جس سے مانگا جاتا ہے سوال کیا جاتا ہے اور اے بہترین عطا کرنے والوں کے۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے بتلانے سے ہم نے قرآن کو کلام اللہ تسلیم کیا پھر قرآن ہی سے ہم نے سب کچھ سیکھا۔ محمد ﷺ قرآن کو عملی حیثیت سے عمل درآمد کر کے دکھلایا اور سمجھایا۔ قرآن بظاہر عربی زبان میں ہے لیکن فی الحقیقت کسی زبان کا پابند نہیں ہے یہ تنزیل من رب العالمین ہے رّب العالمین کے زیر ربوبیت کائنات کا ایک ایک ذرہ ہے میرا ذاتی تجربہ ہے کہ قرآن فی الحقیقت ایک نور ہے قرآن کی تلاوت قلب میں سوجھ بوجھ پیدا کرتی ہے خود بخود سمجھ میں آتا ہے اخلاص و یک سوئی کے ساتھ حتی الامکان تنہائی میں اس کے تلاوت کرو پھر انشااللہ بہت سی اس کی برکتیں اور انوار تم پر کھلیں گے۔ میں کہوں گا تو تم انوکھی باتیں سمجھو گے خود کر کے نتیجے دیکھو جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ میرے پاس دوسرے الفاظ نہیں جس سے قرآن کے انوار کا اظہار کر سکوں۔ چند اشارات کروں گا ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کو فقط مذہبی کتاب مت سمجھو بلکہ یہ ایک کتاب ہے نفسیات (سائیکولوجی) کی اس میں فطرۃ انسانیہ کے رموز کو کھولا گیا ہے۔ قرآن نے ہر شخص ہر قوم ہر کام کرنے والے اور ہر بات بولنے والے کے ذکر کے ساتھ ہی اس کے نفسیاتی حالات کو بتلایا ہے۔ قرآن کے مخاطب نفوس ہیں اجسام نہیں قرآن کا اندازِ گفتگو اندازِ بیان بالکل نفسیاتی ہے غور کرو گے تو بہت آسانی سے سمجھ لو گے کہ وہ ہر جگہ ہر عمل اور ہر قول پر تبصرہ کرتا ہے کہ کرنے والے نے یہ کام کیا تو کیوں کیا؟ کہنے والے نے یہ بات بولی تو کیوں بولی پس منظر

کیا ہے ؟اس ظاہر کا باطن کیا ہے ؟ قرآن اپنی شروع میں اپنی حقیقت بتلاتا ہے۔ ھدی ہدایت سے مراد مذہب مت لو ہدایت سے مراد ہے ہر ایک معاملہ میں مطلقاً انسانی سوجھ بوجھ سوچ بچار عقل و فہم و فراست مراد ہے۔ پھر ہر ایک شے کے لئے ایک مخصوص اہلیت و قابلیت و صلاحیت ہوتی ہے۔ مثلاً عورت بچہ جنتی ہے مگر بوڑھیا نہیں جنتی حالانکہ عورت ہے تو پھر قرآن سے عقل و فہم و ہدایت حاصل کرنے کے لئے اہلیت کیا ہے ؟جواب اسی جگہ بتلایا ہے کہ یہ قرآن ان کو ہدایت کرے گا جن میں یہ پانچ باتیں موجود ہوں وہ لوگ اس کتاب سے فائدہ اٹھا کر فلاح حاصل کرنے والے ہوں گے۔

۱۔ وہ لوگ غیب پر ایمان رکھتے ہوں یعنی خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہوں۔

۲۔ نماز کے پابند ہوں یعنی خدا کے لئے بدنی مشقت کرنے والے ہوں۔

۳۔ خدا کے لئے مال خرچ کرنے والے ہوں جو کچھ بھی ان کو خدا نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہوں یعنی تنگدل اور بخیل نہ ہوں۔

۴۔ خدا کی طرف سے آنے والی ایسی کتاب قرآن پر اور قرآن سے پہلے جو کتبِ سماوی نازل ہوئی ہیں ان سب پر ایمان رکھتے ہوں کہ خدا نے اپنی طرف سے مخلوق کی ہدایت کا انتظام کیا۔

۵۔ حیات بعد الممات یعنی موت کے بعد کی زندگی پر یقین رکھتے ہوں یہ لوگ اپنے رب کی طرف سے آنے والی ہدایت پر کاربند ہو گے اور یہ ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ پ ۱، سورۂ بقر آیت ۱ تا ۵۔

قرآن کے انداز بیان میں ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس نے ہر موقعہ پر تصویر کے دونوں رُخ دکھائے ہیں یعنی روشن اور تاریک دونوں پہلو پیش کر دیئے ہیں مثلاً میں نے ابھی بتلایا ہے کہ قرآن نے اپنے سے ہدایت لینے والوں کی اہلیت بتلائی ہے۔ جو ابھی ذکر کر چکا ہوں اب لو چند ہی آیتوں کے بعد آیت نمبر ۲۸ میں بتلاتا ہے کہ اس قرآن سے وہ لوگ گمراہ ہوں گے جن کے اندر یہ تین اوصاف ہوں گے۔

۱۔ معاہدے کے پابند نہ ہوں گے یعنی بد عہد ہوں گے۔

۲۔ اللہ کے جوڑے ہوئے رشتوں کو توڑنے والا ہو گا۔ اللہ کے جوڑے ہوئے رشتے وہ ہیں جن میں تمہارے ارادے کا دخل نہ ہو گا جیسے والدین سگے بہن بھائی۔ بخلاف زوجین یہ تمہارے قائم کئے ہوئے رشتے ہیں۔ مطلب یہ کہ والدین اور بھائی بہن کے رشتہ کے حقوق نہ ادا کرتا ہو گا۔

۳۔ زمین میں فساد برپا کرنے والا ہو گا۔

قرآنی اصطلاح میں ہر وہ چیز فساد ہے جس سے بغیر حق کے نسل و محنت برباد ہو۔ یہ تین صفات جس میں پائی جائیں وہ قرآن سے گمراہ ہو گا اور سنو۔ پارہ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۴۵-۴۶۔ اور اے رسول جب تو قرآن پڑھتا ہے تو بنا دیتے ہیں ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان پردہ اور آڑ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ہم بنا دیتے ہیں ان کے دلوں کو ایسا کہ وہ قرآن کو سمجھ ہی نہیں پاتے اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں کہ وہ اس کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اسی طرح ہر قسم کے انسانوں کی ایسی خصوصی علامات جو ان کی حقیقت کو بالکل عریاں کر کے بتلا دیتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِن فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُورِ اللہ۔ یعنی مومن کی عقلمندی اور تاڑنے پہچاننے کی قوت سے ڈرتے رہو اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس طرح سے مومن کی علامتیں کیا ہیں کافر کی علامتیں کیا ہیں منافق کی علامتیں کیا ہیں۔ نفسیاتی علامات میں کیا کیا لکھوں۔ اور ایک دفعہ میں ساری باتیں بیان کرنا بھی ناممکن ہے قرآن نے اپنے کو تذکرہ (یاد دہانی) کہا ہے۔ علماء نے بتلایا ہے کہ قرآن نے بندوں کو اللہ تعالیٰ کے یاد دلانے کے لئے پانچ طریقے اختیار کئے ہیں۔

۱۔ تذکیر بآیات اللہ۔ اللہ کی نشانیوں کے ذکر سے اللہ کی نشانیوں کی طرف متوجہ کر کے اللہ کو یاد دلانا۔

۲۔ تذکیر بآلآء اللہ۔ اللہ کی نعمتوں کی طرف متوجہ کر کے اللہ کو یاد دلانا۔

۳۔ تذکیر باحکام اللہ۔ اللہ کے احکام اوامر اور نواہی کی طرف متوجہ کر کے اللہ کو یاد دلانا۔

۴۔ تذکیر بایام اللہ۔ اللہ کے دن یاد دلا کر اللہ کی طرف متوجہ کرنا۔ اللہ کے دن وہ مخصوص دن جو تاریخی حیثیت رکھتے ہیں مثلاً وہ دن جن میں قومی حیثیت کا کوئی انقلاب آیا ہو یا کوئی قابل یادگار واقعہ ظہور میں آیا ہو۔

۵۔ تذکیر بالموت ومابعدہ۔ موت اور موت کے بعد جو ہوگا اس کی طرف متوجہ کر کے اللہ کو یاد دلانا۔

ان پانچ اقسام کی تذکیر کے ضمن میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے۔

عالم خلق یعنی عالم مادّہ عالم اجسام میں ہر چیز بتدریج ہوتی ہے رفتہ رفتہ۔ اور عالم امر میں ارادہ کے ساتھ ہی فوراً وجود میں آجاتی ہے انّما امرہٗ اذا اراد شیئاًان یقول له کن فیکون ٥ پارہ ۲۳ سورۂ یٰسین کی آخری دو آیتیں۔ بے شک اللہ کا عالم امر ایسا ہے کہ جب بھی ارادہ کرنے والے نے کسی شے کا ارادہ کیا تو وہ اپنی ارادہ کی ہوئی مراد کو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ یہ باتیں جو لوگ خدا کو نہیں مانتے اور خود پرست اور عقل کے پابند ہیں نہ ان کی سمجھ میں آئینگی اور نہ وہ اس کو تسلیم ہی کریں گے کیونکہ وہ لوگ تو عقل کے پابند ہیں اس سے یعنی عقل سے متجاوز نہیں ہو سکتے اور یہ بات عقل کے خلاف ہے۔

حیات بعد الممات کو بھی وہ تسلیم نہیں کرتے ان کا مقولہ قرآن نے بیان کیا ہے۔

وقالو مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتنا الدُّنيا نموتُ وَنَحيا وَمَا يُهلِكنا اِلَّا الدَّهر وَمَا لَهُم بِذٰلِكَ مِن عِلمٍ اِن هُم اِلَّا يَظنُّون ٥ پارہ ۲۵ سورۂ جاثیہ۔ آیت نمبر ۲۴۔ اور کہا انہوں نے کہ کچھ نہیں ہے مگر ہماری یہ دنیا کی زندگی ہے فقط مرتے کہتے ہیں اور زندگی گذارتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتا ہم کو مگر زمانہ۔ ان کو اس کا صحیح علم واقعی حاصل نہیں ہے یہ لوگ فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے علم کا ٹٹو ماور المادّہ تو چلتا نہیں لہٰذا ان لوگوں کی علم کی انتہا فقط ظن (گمان) وتخمینے لگانا ہے یعنی ان لوگوں کے نزدیک انسان اور مینڈک دونوں کا درجہ ایک جیسا ہے برسات پڑی تو مینڈک کے ذرات میں زندگی آگئی ٹر، ٹر کی مینڈک کی آواز سے جنگل گونج اٹھا۔ موسم سرما کی ہوا سے سب مر گئے سناٹا چھا گیا۔ دوسری جگہ کفار کے علم کو

بیان فرمایا ہے ،ان یتبعون الاالظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا فاعرض عن من تولی ٥پارہ نمبر ۲۷ سورۃ والنجم رکوع دوسرا، پورا رکوع مطالعہ کرو ضرور مطالعہ کرو مختصر ترجمہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقط گمان کی پیروی کرتے ہیں اور گمان حقیقت واقعیہ سے بے پرواہ نہیں بناتا سورۃ والنجم کا مطالعہ ضرور کرو۔ مثلاً تم فقط اپنے گمان پر بغیر خارجی ثبوت کے کسی کو سزا نہیں دیتے علم خود علم اپنے درجات رکھتا ہے مثلاً وہم، شک، گمان، خیال، یقین، وثوق، ایمان، عقیدہ، اطمینان یہ سب علم کے درجہ ہیں۔ اور پھر ان میں سے ہر ایک اپنے میں درجات رکھتا ہے مثلاً یقین، عین القین، حق الیقین، یہ سب باتیں زبانی بالتفصیل سمجھائی جاسکتی ہیں۔ تحریر میں فقط ارشاد ہی کئے جاسکتے ہیں۔ علم کی تعریف یہ ہے :

نفس کو اپنی جہالت کا ادراک ہو جانا۔

آج لوگ اپنی جہالت سے بھی بے خبر ہیں علم تو بہت دور کی بات ہے ؎

آں کس کہ بداندو بداند کہ نداند   اسپِ طرب خویش بافلاک رساند
وآں کس کہ نداند و بداند کہ بداند   آن نیز خرِ لنگ بمنزل برساند
وآں کس کہ نداندو بداند کہ بداند   در جھل مرکب آید الدھر بماند

میں جانتا ہوں یہ احساس علمی ترقی کو روک دیتا ہے صحیح علم والا علم کی پیاس رکھتا ہے لہٰذا ترقی کرتا ہے۔ حکومت خدا کی ہے فقط ایمان کسبی چیز نہیں ہے بلکہ وھبی یعنی فطری اور خدا کی عطا ہے۔ ہر شخص نے ازل میں عالم روح میں جتنا کچھ سیکھا ہے وہ یہاں آکر علم کو پریکٹیکل عملی بناتا ہے یعنی وہاں اسما سیکھے یہاں آکر اسم و مسمی کو مطابقت دیتا ہے۔ عالم خلق ساتویں آسمان کی اوپر کی بلندی کی انتہا تک ہے یہاں تک عقل چلتی ہے۔ یہ مقامِ جبرئیل ہے، جبرئیل کا نام پرماتما ہے یعنی پرم آتما اونچا جند روح، روح القدس۔

پارہ نمبر ۸ سورۃ اعراف آیت۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳ الامر بالخواتیم۔ خدا کا فیصلہ اس حالت پر ہوگا جس حالت پر موت آئے یہ حدیث ہے اس حدیث کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن کا ترجمہ کیا جائے گا۔ قرآنی آیات کا ترجمہ یہ ہے کہ جو لوگ اُس حالت پر مرے کہ

ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو بڑا بنانا چاہتے رہے (یعنی وہ ہی خود پرستی یا خدا پرستی) تو وہ اپنی عقل کی بنیاد پر کیونکہ خدا کی آیات ان کی عقل سے اونچی اور بلند تھیں تو وہ نہ سمجھنے کی وجہ سے انہوں نے ان آیات کو جھٹلایا اپنے آپ کو قصوروار اور عاجز نہیں قرار دیا بلکہ اپنے کو اور اپنی عقل کو بڑا بنانا چاہا اور آیتوں کو ہی جھٹلایا یعنی کیونکہ یہ ہماری عقل کے خلاف ہیں اس لئے ہم اسے نہیں مانتے یہ غلط بات ہے اس سے یہ نفسیاتی پائنٹ بھی واضح ہو گیا کہ آیت اللہ کو جھٹلانے کی بنیاد اور سبب اپنی کبریائی کا احساس ہے یعنی واہ میری عقل اس کو نہیں مانتی میں کیسے مان لوں۔ ایسے لوگوں کے واسطے مرنے کے بعد آسمانوں کے دروازے یعنی روح کی ترقی کرنے کے لئے بلندیوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔ یہ لوگ جنت میں اس وقت تک نہ جائینگے جب تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں نہ داخل ہو جائے ہم مجرموں کو یونہی بدلہ دیتے ہیں۔ ان کے لئے جہنم میں ٹھکانہ ہوگا اور ان کے اوپر سرپوش ہوگا۔ ہم ظالموں کو یونہی بدلہ دیتے ہیں (آگے وہ ہی تصویر کا دوسرا رخ) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالحہ کئے ہم کسی نفس کو اس کی قوت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے یہ لوگ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ ہم ان کے سینے سے نفس کی میل کچیل حسد و بغض وغیرہ نکال لیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے۔ ہر قسم کی بڑائی اور خوبی اور تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے ہم کو یہ سوجھ بوجھ دی اگر خدا ہم کو یہ ہدایت نہ دیتا تو ہم خود اپنی قوت سے یہ ہدایت نہیں پاتے۔ بے شک ہمارے رب کے پیغمبروں نے سچائی پیش فرمائی آیت نمبر ۴۳ قرآن کھول کر دیکھو اور غور کرو ان آیتوں سے کیا کیا سبق ملے؟ دو ایک یا تین ابھی ایسی باقی ہیں جب تک ان کو نہ جانو گے یہ مضمون پوری طرح سمجھ میں نہ آئے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ وہاں یعنی عالم ارواح میں سارے انسان تین جماعتوں پر تقسیم ہو جائیں گے۔ پارہ نمبر ۲۷ سورۂ واقعہ میں ہے وَکُنتم أَزْوَاجاً ثَلٰثَۃ ٥ تم لوگ تین پوزیشنوں پر ہو جاؤ گے۔

۱۔ داہنی طرف والے ۲۔ بائیں طرف والے

۳۔ آگے بڑھ جانے والے

یعنی مقربین ۔اصحاب الیمین۔اصحاب الشمال۔ پھر پارہ ۲۹ سورۃ مدثر میں آیت ۳۸ کل نفس بما کسبت رہینۃ○ بائیں طرف والوں میں ہر شخص اپنے کمائے ہوئے اعمال افعال کے ساتھ گروین رہن ہو گا یعنی نفسیاتی طور پر وہ اعمال اس پر چھائے ہوئے ہوں گے۔دوسری جگہ یہ مضمون ان الفاظ میں ہے۔اولئک الذین ابسلوا بما کسبوا○ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال اور اس میں جو انہوں نے کمایا ہے دبوچے ہوئے ہوں گے۔ ہر عمل کے کرنے پر نفس میں ایک کیفیت خاص حاصل ہوتی ہے وہ لوگ اس کیفیت خاص میں محو اور منہمک ہوں گے اور رہیں گے اور سنو پارہ نمبر ۳۰ سورۃ مطففین آیت ۱۴-۱۵-۱۶-۱۷

کلا بل را ن علی قلوبھم ما کانوا یکسبون○ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون○ ثم انھم لصالوا الجحیم○ ثم یقال ھذا الذی کنتم بہ تکذبون○

رین کا لفظ انگریزی میں بھی مستعمل ہے باول۔ابر کے معنی میں

خبر دار چھا گیا ہے ان کے دلوں پر وہ جو دنیا میں کماتے ہیں۔

خبر دار یہ لوگ اُس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے (کیونکہ دنیا میں ان لوگوں کو خدا سے تو کوئی تعلق تھا ہی نہیں۔اس لئے وہ اعمال واشغال جن میں یہ مشغول رہے تھے وہ یہاں ان پر وبال بن کر عذاب کی شکل اختیار کر لیں گے خدا کا وہاں جا کر بھی تصور نہ آئے گا۔) پھر یہ لوگ دوزخ کو بھڑ کائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا یہ ہی ہے وہ جس کو تم لوگ جھٹلاتے تھے۔اب پھر سورۃ اعراف کی طرف آجاؤ،مادی محسوسات کے علاوہ غیر مادی چیزوں کو اور آسمان کو حد نظر تسلیم کر کے روحانی عالم کو یہ لوگ تسلیم ہی نہ کرتے تھے۔ لہٰذا مرنے کے بعد بھی یہ خود ہی عالم بالا کی طرف متوجہ نہ ہوں گے اور اسی خاکدان کے قیدی بنے رہیں گے۔ چنانچہ غول اور آسیب اور بھوت پریت از قسم شیطان و جنات یہ ہی لوگ ہیں بخلاف ان لوگوں کے جو ایمان کی حالت میں مرے وہ وہاں پر بھی خدا کی حمد و ثنا و شکر ہی کریں

گے۔ یعنی مرنے کے بعد جانا سب کو عالم ارواح میں ہی ہے لیکن جو لوگ خدا کو مانتے ہوئے اور آیات الٰہی کی تصدیق کرتے ہوئے مریں گے ان کے لئے وہ عالم جنت ہو جائے گا جس میں ہر وہ چیز موجود ہو گی جس کی نفس خواہش کرے اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور کفر کی حالت میں مرنے والے اجنبی اور انکے لئے نا قابل یقین حالات سے واسطہ پڑنے کی بنا پر تکلیف محسوس کریں گے اسی کا نام دوزخ ہے۔

پھر جیسا کہ ہر خُلق کی ایک شکل ہے مثلاً حسد کی شکل کتا ہے نماز جو اللہ کے لئے پڑھی جائے عالم ارواح میں اس کی شکل حور کی ہے۔ حقیقتِ درزخ یہ ہے کہ وہاں انسان یکسوئی کے ساتھ اپنے اخلاقِ ذمیمہ کی آگ نمایاں طور پر محسوس کریگا تفصیل پھر کبھی بیان کروں گا۔ انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے جسم جو وجود مادّی ہے اور روح جو عالم امر کی ایک حقیقت ہے۔ روح، نفس، قلب یہ تینوں نام تین اعتبارات سے ایک ہی حقیقت کے ہیں۔ روح نام ہے تنہا بغیر جسم کے۔ روح جبکہ جسم میں ہو تو اسی کا نام نفس ہے۔ روح کا ہی نام اس اعتبار سے کہ تمامی انقلابات اسی پر پڑتے ہیں یعنی تمامی عوالم اسی پر گذرتے ہیں اس کا نام قلب ہے۔ القلب یتقلب۔ قلب انقلاب سے ہی لفظ بنا یہ نفس جب تک کہ اس جسم سے تعلق رکھتا ہے اس کا نام زندگی ہے۔ جسم سے نفس کے انقطاع تعلق کا نام موت ہے۔ زندگی و موت جسم کے اوپر طاری ہونے والے حالات ہیں۔

تَبارَکَ الذی بیدہ الملک وَہو علیٰ کُلِ شئی قدیر ن الّذی خلقَ الموتَ والحیاۃ لیبلو کم ایکم احسن عملاo پارہ ۲۹ سورۂ ملک۔ روح ہر حال میں ایک زندہ حقیقت ہے روح اس جسم پر موکل ہے جس وقت تک روح اس جسم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی اصلاح کرتی رہتی ہے۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (یونس پ ١١ آیت ٥٨)

ترجمہ: آپ فرما دیں اللہ کے فضل اور اسکی رحمت پر انہیں خوشی منانا چاہیئے۔ وہ بہتر ہے ان سب سے جو وہ جمع کرتے ہیں

تاریخ نعت وسلام

(میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

از ڈاکٹر صدرالدین صاحب لیکچرار [redacted] کراچی

جو لوگ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر "محافل نعت وسلام" یا "میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم" کا انعقاد کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ اظہار محبت کے لئے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ "محافل میلاد" سے بڑھ کر اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ "حق تعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت و قدرت بخشے تو اسے چاہئے کہ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دشمنوں کی ہجو ومذمت میں کوتاہی نہ کرے"

(مدارج النبوۃ ج ٢ شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ مترجم مولانا غلام معین الدین نعیمی مدینہ پبلشنگ کمپنی: کراچی ١٩٧٠ء ص ١٠١٢)

ایک اور حدیث ہے کہ:

عن عائشہ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم یضع لحسان منبرا فی المسجد یقوم علیہ قائما یفاخر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم القالت ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما یفاخر اوینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم (ترمذی ج ٢ باب ٣٣٩ ابو داؤد ج ٣ باب ٥١١)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم مسجد نبوی میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لئے منبر رکھواتے جس پر کھڑے ہو کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے فخر فرماتے یا مدافعت کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فرماتے بیشک اللہ تعالیٰ روح القدس سے حسان کی مدد فرماتا ہے جب تک وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے فخر کرتے رہیں یا مدافعت کرتے رہیں۔

اسی طرح ایک حدیث ہے

عبدالرحمن بن عوف انہ سمع حسان بن ثابت الانصاری یستشهد ابا هريرة انشدک اللہ هل سمعت النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم يقول يا حسان اجب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اللهم ايده بروح القدس قال ابو هريرة نعم (صحیح بخاری ج ١ باب ٣٠٩ الشعر فی المسجد حدیث نمبر ٤٤٣)

ترجمہ:۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو قسم دے کر فرما رہے تھے کہ تمہیں اللہ کی قسم ہے کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اے حسان! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے (مشرکوں) کو جواب دو اے اللہ حسان کی روح القدس سے تائید فرما۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں!

اسی قسم کا ایک واقعہ ہے کہ "ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ پر ہوا۔ وہ اس وقت مسجد نبوی میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ کی طرف گھور کر دیکھا اور فرمایا مسجد میں نعت خوانی کرتے ہو تو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں

نے مسجد میں اس ذات مقدس کے حضور اشعار پڑھے ہیں جو تم سے بہتر و افضل ہیں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے (مدارج النبوۃ ٢ باب شعرائے بارگاہ رسالت ص ١٠١٢)

حضرت امام ترمذی علیہ رحمتہ نے "جامع ترمذی" کے ایک باب کا عنوان ہی ماجاء فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم رکھا ہے۔

اس باب کی حدیث ہے

عن المطلب بن عبداللہ بن قیس بن مخرمہ عن ابیہ عن جدہ قال ولدت انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عام الفیل قال: سال عثمان بن عفان قباث ابن اشیم اخا بنی یعمر بن لیث انت اکبر ام رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم اکبر منی وانا اقدم منہ فی المیلاد قال فرأیت خذق الطیر اخضر محیلا (جامع ترمذی ج ٢ - باب ٥٤٣' حدیث ١٥٥٣)

ترجمہ:۔ مطلب بواسطہ والد اپنے دادا قیس بن مخرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ نے بنی یعمر بن لیث کے بھائی قباث بن اشیم سے پوچھا آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں اور میری ولادت پہلے ہے اور میں نے (ابرہہ کے) ہاتھی کی لید سبز رنگ میں بدلی ہوئی دیکھی ہے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ولادت کے دن کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس دن شکرانے کا روزہ رکھنا جائز قرار دیا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے

عن ابی قتادہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سئل عن صوم یوم الاثنین فقال فیہ ولدت

وفیہ انزل علیّ (صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب ۲۳۷، حدیث نمبر ۲۶۳۶)

ترجمہ:۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے پیر کے روز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا اس دن میں پیدا ہوا، اور اس دن مجھ پر وحی نازل ہوئی خوشی منانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا ط ھو خیر مما یجمعون○ (یونس ۵۸)

ترجمہ:۔ آپ فرمایئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر انہیں خوشی منانا چاہئے۔ وہ ان کی جمع پونجی سے بہتر ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا

وذکرھم بایام اللہ ط (ابراھیم ۵)

ترجمہ:۔ اور انہیں اللہ کے دن یاد کراؤ!

اور مزید یہ حکم دیا

واما بنعمۃ ربک فحدث (الضحیٰ ۱۱)

ترجمہ:۔ اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو!

آیات قرآنی اور احادیث مبارکہ کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے کسی بھی فرقے کا کوئی بھی عالم کبھی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہیں اور اس کی نعمت کبریٰ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اپنی مجالس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے نور کی تخلیق سے لے کر آپ کی ولادت تک اور آپ کے بچپن سے لے کر آپ کے وصال تک آپ کے فضائل، خصائل اور شمائل کا بکثرت تذکرہ کیا کرتے، اور کیوں نہ کرتے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ فرما دیا

ورفعنا لک ذکرک (الم نشرح پ ۳۰ آیت ۴)

ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کردیا۔

لہٰذا اللہ تبارک تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ذکر بلند کرنے کے لئے صحابہ کرام، تابعین تبع تابعین، اولیاء اللہ علماء صالحین اور عامۃ المسلمین کو ہر دور میں اس کی توفیق عطا فرمائی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک آپ کا ذکر خیر بکثرت جاری ہے۔ ہر دور میں جس طرح آپ کی تعریف میں نعتیں پڑھی گئیں اور درود و سلام کے نذرانے پیش کئے گئے۔ ان کا مختصر تاریخی خاکہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر سب سے پہلے انصاری صحابیات رضی اللہ عنھما نے آپ کو یوں گلہائے عقیدت پیش کئے

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

(سیرت محمدیہ ترجمہ مواھب الدنیہ از امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ رحمہ مترجم مولانا محمد عبدالجبار خان، ضیاء القرآن پبلیکشنز لاہور، ۱۹۸۵ء ج ۱ ص ۲۸۵)

۲۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ (شہید ۳ھ) کا نعتیہ انداز:۔

و احمد مصطفیٰ فینا مطاعا فلا تغشوہ بالقول العنیف (ایضاً ص ۱۶)

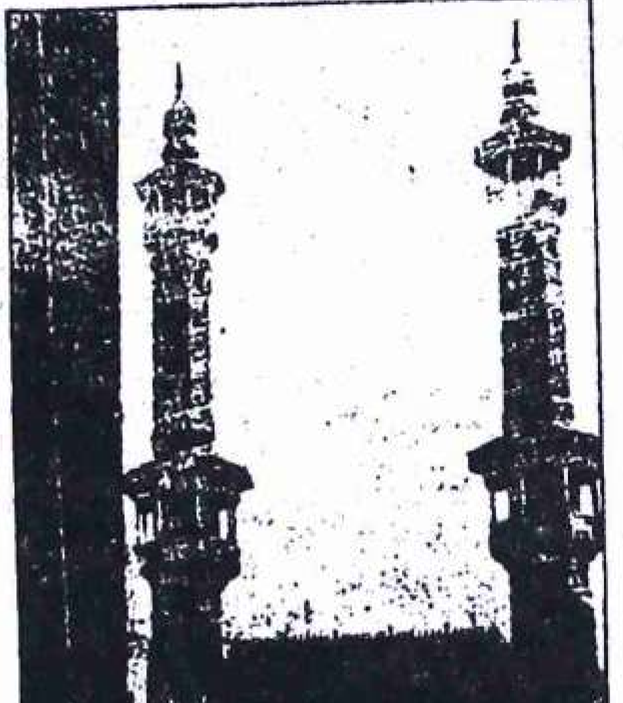

۳۔ خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا والہانہ انداز:۔ متوفیہ ۱۱ھ

یا خاتم الرسل المبارک صفوہ صلی علیک منزل القرآن (ایضاً ص ۱۶)

۴۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (متوفی ۱۳ھ) کا انداز:۔

فصلی الالٰہ ولی العباد و رب العباد علی احمد (ایضاً ص ۱۶)

۵۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ (متوفی ۲۳ھ) کا انداز:۔

فامسی رسول اللہ قد عز نصرہ فامسی عداہ بن قتیل وشاء (ایضاً ص ۱۶)

۶۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ (متوفی ۳۲ھ) کا انداز:۔

وانت لما ولدت اشرقت الارض و ضاءت بنورک الافق (ایضاً ص ۱۷)

۷۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (شہید ۳۵ھ) کا انداز:۔

فیا عینی ابکی ولا تسامی وحق البکاء علی السید (ایضاً ص ۱۷)

۸۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (شہید ۴۰ھ) کا انداز:۔

وکان لنا کالحصن من دون اھلہ لہ معقل حرز حریز من الرفی (ایضاً ص ۱۷)

۸۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ (متوفی ۴۲ھ) نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں "قصیدہ بانت سعاد" پڑھا اور جب انہوں نے یہ شعر سنایا:۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ المسلول

تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے خوش ہو کر اپنے ردائے مبارک (چادر) بطور انعام انہیں عنایت فرمائی (کعب بن زہیر اور قصیدہ بانت سعاد علی محسن صدیقی، مکتبہ اسحاقیہ، کراچی ۱۹۶۸ء ص ۴۶)

۱۰۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (متوفیہ ۵۷ھ) کا انداز:۔

متی یبدو فی الداجی البھیم جبینہ یلح مثل مصباح الدجی المتوقد (سیرت محمدیہ ص ۱۷)

۱۱۔ شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ (متوفی ۶۸ھ) کا انداز:۔

وضم الالٰہ اسم النبی الی اسمہ اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد (ایضاً ص ۱۸)

۱۲۔ شہزادہ امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (متوفی ۹۴ھ) کا سلام:۔

ان نلت یا ریح الصبا یوما الی ارض الحرم
بلغ سلامی روضۃ فیھا النبی المحترم (ایضاً ص ۱۸)

۱۳۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۵۰ھ) کا انداز:۔

یا سید السادات جئتک قاصداً + ارجو رضاک و احتمی بحماک (ایضاً ص ۱۸)

۱۴۔ ابو القاسم حسن بن شرف شاہ طوسی فردوسی علیہ الرحمۃ (متوفی ۴۱۱ھ) کا انداز:۔

بگفتار پیغمبرت راہ جوی + دل از تیرگیہا بدیں آب شوی

(ارمغان نعت شفیق بریلوی، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۷۹ء ص ۵۷)

۱۵۔ حضرت ابو المجد مجدود الدین سنائی غزنوی علیہ الرحمۃ (متوفی ۵۲۵ھ) کا انداز:۔

نہ پشت و پناہ ہر دو عالم + سرو سالار فرزندان آدم (ایضاً ص ۱۸)

۱۶۔ حضرت عمر بن ابراہیم علیہ الرحمۃ (متوفی ۵۳۶ھ) کا انداز:۔

از جان و جہاں و ہر چہ در عالم ہست + مقصود توئی و بر محمد صلوات (ایضاً ص ۵۹)

۱۷۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ (متوفی ۵۶۱ھ) کا انداز:۔

علم ز عشق محمد پر است والمجید + گواہ حال من است ایں ہمہ حکایاتم (ایضاً ص ۶۰)

۱۸۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ (متوفی ۶۳۳ھ) کا انداز:۔

در جان چو گرد منزل جانان ما محمد + صد در کشادہ ہم ما ز جان ما محمد (ایضاً ص ۶۳)

۱۹۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ (متوفی ۶۷۲ھ) کا انداز:۔

سید و سرور محمد نور جاں + مہتر و بہتر شفیع مذنباں (ایضاً ص ۶۸)

۲۰۔ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ (متوفی ۶۹۱ھ) کا انداز:۔

عرش است کمیں پایہ ز ایوان محمد + جبریل امیں خادم دربان محمد (ایضاً ص ۶۹)

۲۱۔ حضرت شیخ شرف الدین امام بوصیری علیہ الرحمۃ (متوفی ۶۹۶ھ) نے فالج کا شکار ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا۔ اسی رات آپ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آپ کے جسم پر اپنا دست شفا پھیرا تو آپ کو شفا ہوگئی، پھر آپ نے خواب ہی میں انہیں اپنی چادر مبارک اوڑھائی اسی وجہ سے اس قصیدہ کا نام "قصیدہ بردہ" پڑ گیا (شرح قصیدہ بردہ علامہ نور بخش توکلی، نوری بکڈپو لاہور ۱۹۷۷ء ص ۸)

اس قصیدہ کا وہ شعر جسے پڑھ کر اور سن کر بہت سے لوگوں نے شفا پائی یہ ہے

کم ابرأت وصبا باللمس راحتہ + واطلقت اربا من ربقۃ اللمم (ایضاً ص ۶۰)

۲۲۔ حضرت حافظ شیرازی شمس الدین محمد علیہ الرحمۃ (متوفی ۷۹۱ھ) کا انداز:۔

لایمکن الثناء کما کان حقہ + بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (ارمغان نعت ص ۷۷)

۲۳۔ حضرت مولانا نور الدین عبد الرحمن جامی علیہ الرحمۃ (متوفی ۸۹۸ھ) کا انداز:۔

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام + بر درت ایں بار با پشت دوتا آوردہ ام (ایضاً ص ۸۱)

۲۴۔ حضرت مولانا جمال الدین عرفی علیہ الرحمۃ (متوفی ۹۹۹ھ) کا انداز:۔

گنجے بکف آورم کہ شاید + سرمایہ نعت مصطفی را (ایضاً ص ۸۳)

۲۵۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۰۵۲ھ) کا انداز:۔

وگر خواہی زبان بکشائے و در راہ سخن پوئی + ثنائے بادشاہ طیبہ و سلطان بطحا کن (ایضاً ص ۸۸)

۲۶۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۱۷۶ھ) کا انداز:۔

فلست اری الا الحبیب محمدا + رسول اللہ الخلق جم المناقب (ایضاً ص ۹۷)

۲۷۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۲۳۹ھ) کا انداز:۔

فقد اعطیت مالم یعط خلق + علیک صلوۃ ربک بالسلام (ایضاً ص ۱۱۱)

۲۸۔ دیو بندی عالم مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۱۰ھ) کا انداز:۔

کر کے نثار آپ پہ گھر بار یا رسول
اب آپڑا ہوں آپ کے دربار یا رسول

۲۹۔ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۴۰ھ) کا انداز:۔

بکار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ + پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

۳۰۔ مولوی اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ) کا انداز:۔

دستگیری کیجئے میرے نبی
کشمکش میں ہوں تم ہی میرے ولی

(نشیم الطیب اشرف علی تھانوی)

۳۱۔ شاعر مشرق علامہ اقبال (متوفی ۱۳۵۷ھ) کا انداز:۔

شہید عشق نبی ہوں میری لحد پہ شمع قمر جلے گی
اٹھا کے لائیں گے خود فرشتے چراغ خورشید سے جلا کر

(ارمغان نعت، ص ۱۷۶)

۳۲۔ مولوی سید سلیمان ندوی (متوفی ۱۳۷۳ھ) کا انداز:۔

عشق نبی درد معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدہ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے

(ایضاً ص ۱۹۹)

۳۳۔ حضرت بہزاد لکھنوی علیہ الرحمۃ (متوفی ۱۳۹۴ھ) کا انداز:۔

مدینے دل و روح جاں لے کے جاؤں
محبت کا سارا جہاں لے کے جاؤں

(ایضاً ص ۲۳۱)

یوں تو محافل نعت و سلام و جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہر دور میں جاری رہے مگر حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) نے "البدایہ والنہایہ" جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۷-۱۳۶ (مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۹۲۶ء) پر ۶۳۰ھ کے واقعات میں سرکاری طور پر جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم منانے کا سہرا اربل کے بادشاہ ابو سعید مظفر کے سر باندھا ہے۔

عرب ممالک سے یہ سلسلہ ہندوستان بھی پہنچا۔ یہاں دیو بندی علماء کے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ نے فیصلہ "ہفت مسئلہ" میں "پہلا مسئلہ مولود شریف کا" کے باب میں صفحہ ۳ (مطبوعہ راشد کمپنی دیو بند) پر محافل میلاد کا جواز پیش کیا ہے اور خود محافل میلاد کے انعقاد، ان میں شرکت، سلام و قیام اور ان مقدس محافل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تشریف آوری کے بارے میں بڑی ایمان افروز باتیں لکھیں ہیں۔

اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو شادی بیاہ اور اموات پر فضول رسموں سے بچائے اور نیک محافل کے انعقاد اور ان میں شرکت کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے اور قیامت میں ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے (آمین)

آداب و شرائطِ نعت و سماع

آیاتِ قرآنی، احادیثِ مبارکہ اور اقوال و آثارِ صحابہ و اولیاءاللہ کی روشنی میں نعت و سماع کے چند آداب و شرائط مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ مسمِع (سنانے والا) لڑکا یا عورت نہ ہو بلکہ باشرع مرد ہو اور باوضو ہو۔

۲۔ مستمع (سننے والا) یادِ حق سے غافل نہ ہو بلکہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے اور باوضو ہو۔

۳۔ مسموع (کلام جو سنایا جائے) فحش و مسخرہ پن والا نہ ہو بلکہ پاکیزہ ہو۔

اس میں حمدِ باری تعالیٰ، نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، منقبتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور منقبتِ اولیاءاللہ یا حقائق و معارف شامل ہیں۔ (بحوالہ سیر الاولیاء اردو سائنس بورڈ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۷۵۲)

یہ نہ ہو کہ جو اشعار حمدیہ ہوں ویسے ہی اشعار نعتیہ ہوں بلکہ درجات کا تفاوت برقرار رہنا چاہیئے۔

۴۔ آلاتِ سماع (آلاتِ مزامیر یعنی ہر قسم کے باجے کے لہو ولعب کے آلات) کا استعمال نہ ہو۔

۵۔ شاباش دینے کے لیے یا دورانِ نعت و سماع تالی نہ بجائی جائے اور نہ واہ واہ کا شور کیا جائے۔

۶۔ صاحبِ حال و وجد اور مستغرق فی الحق کیلئے سماع مباح و حلال ہے جبکہ جس کا میلانِ طبع مجاز کی طرف غالب ہو اس کے لیے مکروہ اور جس کا میلانِ طبع مکمل طور پر مجاز کی طرف ہے تو اس کے لیے سماع حرام ہے۔

۷۔ نعت خواں یا قوال باشرع ہو اور اخلاص کے ساتھ اشعار پڑھے۔ اگر ریاکار ہو یا حصولِ معاوضہ یا حصولِ داد و بخشش کیلئے کلام پڑھے تو ایسے سے سننا بھی جائز نہیں۔

۸۔ محفلِ نعت یا مجلسِ سماع میں سامعین کو ماحول کا تقدس برقرار رکھنا چاہیئے اور دورانِ سماع جگہ سے اٹھ کر کہیں نہیں جانا چاہیئے اور نہ ہی ایک روپے کے ورق کو اٹھانے کیلئے دس دس افراد کو ان کی جگہ سے اٹھا کر ان کی توجہ الی الحق خراب کرنی چاہیئے۔

۹۔ نعت خواں اور قوال کی حوصلہ افزائی کیلئے انعام دینا مستحسن ہے۔ (ستائشی کیفیت پر انعام بذریعہ صدرِ محفل بعدِ محفل پہنچا دے) یا کلام ختم ہونے پر مستمع کو خود پیش کر دے۔

۱۰۔ دورانِ نعت و سماع اگر کسی نماز کا وقت ہو جائے اور اذان کی آواز آ جائے تو فوراً سلسلۂ نعت و سماع کو منقطع کر دینا چاہیئے اور فرض نماز کی باجماعت ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد بیشک یہ سلسلہ دوبارہ شروع کیا جاسکتا ہے، صرف اس وقت تک جب تک لوگ دل جمعی سے باوضو ہو کر بیٹھ سکیں۔

۱۱۔ عورتوں کو محافلِ نعت کا اہتمام بغیر لاؤڈ اسپیکر کے حدود میں رہتے ہوئے گھروں ہی میں کرنا چاہیئے لیکن وہ بھی اس طرح سے کہ ان کی آواز نامحرم مرد نہ سن سکیں اور اسی طرح عورتوں کا کسی مکان کی کھلی چھت پر بھی نعت خوانی کا اہتمام کرنا یا کھلی سڑک پر یا کسی ایسے ادارے میں جہاں نامحرم مرد بھی ہوں ایسی محافل منعقد کرنا ناجائز ہے۔ پاکیزہ کلام کو فلمی گانوں اور غزلوں کی طرز پر گلا پھاڑ کر نہیں گانا چاہیئے۔

اسی طرح مردوں کا بھی کسی بازار یا شارعِ عام پر ایسی محافلِ نعت و سماع منعقد کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسے میں لوگوں کو تکلیف ہوگی اور ان کی آمد و رفت سے محفل کا تقدس پامال ہوگا۔ مساجد، مدارس، باغ، میدان، ادارے اور گھر میں دینی محافل کا انعقاد کرنا بہتر ہے۔

پروفیسر ناصر الدین
نائب صدر - نظامی اکیڈمی شعبۂ ادب
۲۰ - صفر ۱۴۱۳ھ / ۲۰ - اگست ۱۹۹۲ء

آج کے ماحول میں عزیزہ فائزہ سلمہا نے اپنے مختلف مضامین کا مجموعہ طبع کرانے کی ہمت کی ہے تاکہ اپنے طبقہ (خواتین) کو انکے فرائض و ذمہ داریوں کا احساس دلائیں۔

میں کتاب کی افادیت پر اسلئے کچھ کہنا نہیں چاہتا کیونکہ جس معاشرہ سے ہم متعلق ہیں اسکا طریق کار یہ ہے کہ اصلاح کی طرف توجہ کم اور اعتراض زیادہ، یہی میرے ساتھ ہوتا اور کہنے والے کو یہ موقع مل جاتا کہ اپنی عزیزہ کی کاوشوں کو کچھ زیادہ ہی سراہا ہے، میں اس سلسلہ میں اپنی عادت کے مطابق صرف یہی کچھ لکھ سکتا ہوں۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

ناظرین کرام کتاب میں آپ کو مضمون آفرینی، شوکت الفاظ اور زبان و بیان کی روایتی چاشنی تو نہیں ملیگی، سادہ زبان میں کسی تکلف کے بغیر اصلاح و نصیحت کے پہلو کو اجاگر کر کے دعوت فکر دی گئی ہے۔ میری دعا ہے کہ رب کریم کتاب کو قبولیت عطا فرمائے اور قارئین کو استفادہ اور قلمکار کو خدمت دین اور اصلاح معاشرہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین

مفتی محمد اطہر نعیمی اشرفی
چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی پاکستان،
اعزازی خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی۔

میں خواہر عزیز فائزہ احسان کی صلاحیتوں کا تقریباً بیس سال سے مشاہدہ کر رہی ہوں اور مجھے یہ شرف بھی حاصل ہے کہ متعدد بین الاقوامی سیمنارز میں ان کے مقالے کے مصنفین میں مجھے بھی رکھا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ان کو کبھی صف ثانی یا ثالث میں نہیں دیکھا، یہ بات صرف اسلئے اہم نہیں کہ ان کو متعدد ایوارڈ یا تمغے ملے بلکہ میری نظر میں ان کی جستجو، محنت اور مطالعے کی وسعت اس بات کی گواہ ہے کہ عزیزہ فائزہ احسان سیرت طیبہ کو جیسے گھول کر پی جانا چاہتی ہیں۔ ان کی رگ رگ میں حب رسول خون کے ساتھ ساتھ گردش کر رہا ہے۔ ان کی کوشش اور آرزو یہی ہے کہ مسلم خواتین تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل کریں اور جو معیار رسالتمآب ﷺ کا تھا، اس پر پوری اتریں، تاکہ مسلم معاشرہ متوازن اور پر سکون رہے۔

میری نظر میں یہ کتاب ایسی معیاری اور مستند ہے کہ ہر مسلم گھرانے میں پہنچنی چاہئے تاکہ چراغ کی طرح ہمارے گھروں میں بھی اجالا ہوتا رہے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر عطیہ خلیل انصاری،
چیئر پرسن شعبہ عربی، جامعہ کراچی، کراچی۔